معیار التواریخ

یعنی

فن تاریخ نویسی پر ایک اپنے طرز کی زبان اردو مین پہلی کتاب جسمین جناب مصنف نے
قدیم اور جدید تاریخ نویسی کے طریقوں پر ایک عالمانہ تبصرہ فرمایا ہے اور صحیح اور
جدید اصول تالیف و مطالعہ تاریخ محققانہ و منصفانہ طور سے عام فہم و سلیس عبارت مین
بیان فرمائے ہین

مصنفہ
سید محمد حسین صاحب اغالب مصنف تاریخ نیرنگ افغان رُودل افغانستان وغیرہ وغیرہ

باہتمام خواجہ اسدیز بماہ مارچ ۱۹۲۶ء
ہمدم پریس لکھنؤ میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الکتاب معیار التاریخ

ایک مدت سے ارادہ تھا کہ ایسی کتاب تالیف و تصنیف کیجاے جسمین یہ بیان ہو کہ تاریخ کی تعریف کیا ہے اور تاریخ کسکو کہتے ہین اور اوسکے اصول کیا ہین پھر صدہا و ہزارہا سال کے گذشتہ واقعات اور حالات کا موجودہ واقعات سے مقابلہ کرکے بربنائے فلسفۂ تاریخ نتائج پیدا کیے جایئن۔ پس ہمنے اپنی اس کتاب کو جسکا نام معیار التاریخ رکھا ہے انہین اصول اور قواعد کو مدنظر رکھکر تصنیف کیا ہے اور اس کتاب مین جو واقعات سابقہ و حاضرہ لیے گئے ہین۔ اونکا ماخذ عربی و فارسی و انگریزی تواریخ ہین اور اس مین علاوہ مقدمہ کے بارہ ابواب ہین یعنے پہلے باب مین قدیم و جدید تاریخ کا عنوان قایم کرکے یہ لکھا ہے کہ تاریخ کے بقا و قیام کے کیا ذریعہ ہین پھر اسی کے ضمن مین علم تاریخ کی تعریف کی تشریح کیگئی ہے کہ اس علم سے کیا کیا فواید ہین اور اسی سلسلہ مین قدیم طرز تاریخ نویسی اور جدید طرز تاریخ نویسی کس طرح پیدا ہوگیا تھا بیان ہوا ہے دوسرے باب مین جدید تاریخ اور گذشتہ واقعات کی تنقیح کی گئی ہے۔ تیسرے مین مذہبی اور قومی تاریخی واقعات ظاہر کردئے ہین اور چوتھے مین بتلا دیا ہے کہ کن اصول کے ساتھ تاریخ لکھنا چاہیے اور اسی کے متعلق ایسے بھی اصول لکھے ہین کہ اونکا پابند ہوکر اگر کوئی مورخ تاریخ لکھے یا تاریخ پڑھکر نتایج کا استخراج کرے تو وہ مورخ راستباز و آزاد قرار پاسکتا ہے پانچوین باب مین شخصی و قومی تاریخ کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ یورپ مین قومی تاریخ کی بنا کب سے قائم ہوئی اور جس زمانہ مین شخصی تاریخ تھی اوسکا کیا حال تھا مگر افسوس ہے کہ لفظ باب پنجم سہو کاتب سے لکھنا رہ گیا ہے باب ششم مین روحانی و مادی تاریخ پر بحث کی گئی ہے کہ اسمین فرق کیا ہے یہ لازم و ملزوم ہے یا اسکے اثرات ایکدوسرے سے علیحدہ ہین ساتوین مین قیاسات کا ذکر ہے کہ تاریخی حالات پر کیونکر قیاس کرکے اونکی صحت و غلطی ثابت ہوسکتی ہے آٹھوین مین قدرتی

نیرنگیون کا ذکر و مذکور ہے کہ دنیا مین جب کبھی کسی ملک مین یہ عجیب و غریب نیرنگیان پیدا ہوا کی ہین
وہان انقلاب ضرور ہوا ہے نوین باب مین حق و باطل مین جو مابہ الامتیاز ہے اسکو بیان کیا ہے
دسوین مین خلافت و امامت کے حالات و واقعات لکھکر ثابت کیا گیا ہے کہ مختلف زمانون مین خلافت
و امامت کی کیا تاریخ رہی ہے گیارھوین تحقیق یہ ہے کہ بعہد گورنمنٹ انگریزی جو جد و جہد قومی ہو رہی ہے
اسکا منشا کیا ہے بارھوین مین زبردستون کے زبردستانہ معاہدون کی تفصیل و تشریح ہے کہ ہر
زمانہ مین زبردست نے جو معاہدہ چاہا زیردستون سے کرالیا ہے سوا اسکے مستند و معتبر سفرنامون
اور تاریخون کے حوالہ دئے ہین - مثلاً تاریخ فیروزشاہی اور تاریخ ابن خلدون اور مسعودی کی مروج
الذہب اور انکے بعد ایران مین ناسخ التواریخ اور گنج دانش وغیرہ جو تاریخین لکھی گئی ہین اونکے
حوالہ ہین انمین سے ابن خلدون ہین جو ایک زمانہ مین حلب مین قاضی تھے اور امیر تیمور کے ساتھ
قید ہوکر سمرقند گئے تھے اور ضیاء الدین برنی اور سلطان محمد تغلق سے جو گفتگو ہوئی ہے اوسکا
حوالہ بھی ہے اور تو زک بابری و تو زک تیموری سے بھی واقعات ماخوذ کرکے اونپر بحث ہوئی ہے یہ
کتابین وہ ہین کہ انمین سے ایک کو جہانگیر شاہ نے اور دوسری کو شہنشاہ تیمور نے لکھا ہے
اور انمین اپنے زمانہ کے حالات قلمبند کئے ہین اور تاریخ فخری جو ہلاکو خان کے حملہ بغداد سے چند سال
بعد لکھی گئی ہے اوسکا تذکرہ ہے اور توریت و انجیل الہامی کتب کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے
کہ بعض انگریزی مورخین نے جو حملہ اسلام پر کئے ہین اونکی تردید منصفانہ پیرایہ مین کردی ہے اسکے
بعد التماس ہے کہ رزم و بزم کے واقعات تاریخی تو لکھنے والے لکھ گئے ہین جنکو واقعاتی مجموعہ سمجھنا چاہئے
مگر جب اونکی تنقید کیجاتی ہے اور بعد تحقیقات اونپر رائین قایم ہوتی ہین تو یہی جدت و ندرت ہے
جسکو بڑے سے بڑے مورخین نے اختیار کر رکھا ہے لیکن وہ اپنے زمانہ کے حالات پر نظر کرکے
اپنی تاریخ کی ترتیب و تہذیب کرکے رکھ جایا کرتے تھے مثلاً چھپوا کر شایع کردیتے تھے مثلاً ابن
خلدون جو مسلمانون مین مورخ اعظم کہے جاتے ہین اور اہل یورپ کی نظرون مین اونکی قدر
و منزلت ہے اونکی تاریخ شخصیت کے زمانہ کی ہے جبکہ شخصی حکومتون کا سکہ جاری تھا اور یہ عالمانہ
و حکیمانہ صنایع و بدایع کے حقائق کہان تھے جنپر وہ اپنی رائے قایم کرتے اور یہ کہ زمانہ کے رنگ
کے ساتھ تاریخ بھی تبدیل ہوجایا کرتی ہے مثلاً ایک زمانہ تھا کہ شخصی سیادت قایم تھی اور قومیت
کی حکمرانی کا نام و نشان نہ تھا اب زمانہ کے رنگ بدل جانے سے وہ شخصیت قومیت پر منتقل
ہوگئی ہے اور وہ شخصیت قومیت کے زیر اقتدار ہوتی جاتی ہے اور دنیا کے ہر گوشہ مین یہی

بحر چا پھیلا ہوا ہے۔ اب ہمنے اسی زمانہ کی قومی و مذہبی و سیاسی تاریخی رفتار پر غور کرکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے اور یہ بھی بیان کرتا ہون کہ یہ کتاب مندرجۂ ذیل چند خصوصیات کے اعتبار سے اپنی آپ ہی نظیر ہو۔

پہلی امتیازی خصوصیت تاریخی یہ ہے کہ یہ تمام الہامی کتب واحادیث وغیرہ مین جسقدر تعلیمی احکام ہین اونکو الفاظ مین ادا کیا گیا ہے جب اونپر عمل کیا جاتا ہے تو وہی عمل تاریخ ہو جایا کرتا ہے اور وہی عمل تاریخ ہوکر انسانون کے نیک و بد ہونے مین مابہ الامتیاز ہوا کرتا ہے جسکی مثال یہ ہے کہ منجملہ حواریون کے ایک وہ بھی تو حواری تھا جس نے قلیل رقم لیکر حضرت مسیح کو سولی پر چڑھوا دیا تھا اسی طرح برادرئی بکثرت مثالیں ہین کہ ہر امت کے افراد ایک وقت مین باعتبار دین پرستی مقبول ہوا گئے ہین پھر وہی کسی طرح لو یہ ایام مین آکر مرتکب ایسے افعال کے ہوئے ہین کہ اونکا ذکر آجتک تاریخون مین یادگار رہا آتا ہے مگر ہر مذہب مین مذہبی فرقہ ہوجایا کرتے ہین تو ایسے افراد کے نیک و بد افعال کی حالت متضاد فرقون کے بحث و مباحثہ مین اکثر کچھ اس طرح پر ہوجایا کی ہے اور ہوتی رہتی ہے کہ سمجھہ مین نہین آسکتا کہ واقعات کی حقیقت کیا ہے اور کیا نہین دوسری خصوصیت یہ ہے کہ زمانہ کی تبدیلی کے ساتھہ ہی ساتھہ تاریخ حالات بھی تبدیل ہو جایا کرتے ہین اور انہین تبدیل شدہ حالات و واقعات کا گذشتہ واقعات سے جب مقابلہ کیا جاتا ہے اور نتیجہ نکالا جا جیساکہ ہمنے کیا ہے تو اوسی نتیجہ کو صحیح ماننا چاہیئے تیسری خصوصیت یہ ہے کہ جب تاریخی مصداقتون مین اتحاد ہوتا رہتا ہے اور ایک فریق دوسرے پر الزام رکھا کرتا ہے کہ اوسنے یہ برا کام کیا ہے اور اب بھی وہی کام کرتا ہے تو کوئی وجہ نہین ہے کہ اپنے برے کام کو اچھا اور دوسرے کے برے کام کو برا کہا جائے چوتھی یہ ہے کہ انسان کی عملی تاریخ کو دیکھنا چاہیئے کہ اوسکی ظاہری حالت اور یہ کہ اوسکے مبالغہ آمیز اقوال پر بھی نہ جانا چاہیئے یہی وہ بات ہے جسکو حضرت مسیح فرما گئے ہین کہ درخت کو اوسکے پھول و پھل سے پہچاننا چاہیئے اور جبکہ ایک شخص نے حاضر ہوکر حضرت رسالتمآب کیخدمت مین عرض کیا کہ میرے آباواجداد ایسے اور ویسے تھے یہ مفاخر و محامد سنکر آپ نے فرمایا کہ وہ جیسے تھے گذر گئے تم کیسے ہو پانچوین یہ ہے کہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بعض اصحاب رسول نے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی اعانت نہین کی یہ اونکا اجتہاد تھا مگر ہمنے یہ لکھکر اوسکو رد کردیا ہے کہ یہ خیال اوس مورخ کا صحیح ہے کہ یزید کی حکومت کے خوف اور اپنے رسوخ کے قایم کرنے کیواسطے اور اپنی ترقی مدارج کے لیے اعانت نہین کی تھی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ مسلم اور مومن مین کیا فرق ہے ساتوین خصوصیت

امامت ورسالت کے مشترکہ ہونے کی ہے جسکی جانب اشارتاً یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت امام ورسول دونون تھے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت قرآن مجید مین ہے کہ آپ رسول بھی تھے اور امام بھی ماسوا ان خصوصیات کے اور بھی خصوصیات ہین جنکو ہمنے اس کتاب مین ملحوظ رکھا ہے جنمین سے ایک یہ بھی ہے کہ جو معاہدات بجبر واکراہ ہوا کرتے ہین وہ کبھی قابل تسلیم نہین ہین اور زمانہ موجودہ کی سیاسی وقومی کشمکش جو انگریزی تعلیم کی بدولت ہندوستان مین ہو رہی ہے اوسکا حال بھی طول طویل بحث کرکے بطور مثال کے لکھا ہے یہانتک کہ استرداد براٹ کے مسئلہ کو بھی اسی سیاسیات مین شامل کرکے بتادیا ہے کہ اوسکے واقعات کی تاریخی نیرنگیان کس طرح پہ تبدیل ہوتی رہین۔

اب آخر مین یہ بھی عرض کیا جاتا ہے کہ برخوردار سید حید حسین سلمہ نے اس کتاب کی تالیف وتصنیف مین بڑی لیاقت وقابلیت سے میری اعانت کی ہے۔

سید محمد حسین اغلب موہانی

مقدمہ

معیار التاریخ

اس زمانہ مین اخبارات کی اشاعت اور ٹیلیگراف کے قیام سے تاریخی واقعات مین اس سرعت کے ساتھ ردوبدل ہوا کرتا ہے کہ اوسکی وجہ سے مورخین و مصنفین تاریخ کو نہایت دشواری پیش آجایا کرتی ہے مثلاً یہی ایک خلافت کا قضیہ تھا اور ہے کہ اُسکو ہمنے اپنی اسی کتاب مین آل عثمان کی خلافت کا تذکرہ کرکے لکھا ہے اور اوسکے متعلق تاریخی واقعات کا بھی ذکر کیا ہے مگر یہ کسیکو معلوم نہ تھا کہ مصطفےٰ کمال پاشا خود ہی اوس عظیم الشان خاندان خلافت کو اولٹ پلٹ دینگے اور بجاے خلافت جمہوری گورنمنٹ قائم کرینگے تاکہ اوس خانوادہ کا خلافتی اقتدار اور نام و نشان دنیا مین باقی نہ رہے ایسے اور بھی واقعات ہین جو آیندہ تاریخی ہوجایا کرتے ہین اون مین تغیر و تبدل اسدرجہ ہوتا رہتا ہے کہ مصنفین کو کاٹ چھانٹ کرنیکی ضرورت پیش آجایا کرتی ہے اور اس سے جو مشکل رونما ہوتی ہے اوس سے مصنف از حد پریشان ہوجایا کرتا ہے اور کتاب کے چھپنے تک یہی دقت رہتی ہے اگر اسپر لحاظ نہ کیا جائے تو اوس تاریخ کی ترتیب و تہذیب مین ذرا بھی شگفتگی پائی نہین جاتی اور جب یہ چمن خس و خاشاک سے پاک ہوجایا کرتا ہے تو پھر پھول ہی پھول رہجاتے ہین۔

ان معزول خلیفہ کا وہی حشر سمجھا جاتا ہے جو آل عباس کے آخری خلیفہ کے وقت مین ہوا تھا وہ کب جب بغداد پر ہلاکو نے حملہ کیا اور آل عباس بھاگ کر مصر مین قیام پذیر ہوے اور وہان حکومت کیجا تب سے اونکا وظیفہ مقرر ہوا صرف اسقدر فرق ہے کہ مصر مین مسلمانون کی حکومت تھی اور سوئزرلینڈ مین عیسائی حکمران ہین اور ان معزول خلیفہ کی بسراوقات چندہ سے ہورہی ہے اب سب سے بڑی معتدبہ رقم قریب پانچہزار روپیہ ماہوار کی موجودہ فرمانفرمائے سلطنت آصفیہ کی ہے اور پندرہ سو کی ماہوار بیگم صاحبہ بھوپال نے مقرر کی ہے اور مصر سے بھی چندہ سے امداد ہوتی رہتی ہے اور یہ اعانت اوسی خلافتی اضافت سے ہوتی رہتی ہے ورنہ

دنیا مین بہت سے حکمران معزول ہوا کرتے ہین اون کو کون پوچھتا ہے مصر مین بھی مفرد-
آلِ عباس کا ہی اعزاز و احترام کیا جاتا تھا وہ بھی اسی الفافت سے تھا مگر وہ کبھی کسی ملک کے
خلیفہ نہین ہوئے بغداد کی خلافت کو تاتاریون نے تباہ کیا اور اولاد عثمان کی خلافت کو خود
ترکون نے معدوم کیا ہے اب بلحاظ اوس نسبت شرعی کے اور باعتبار اسکے کہ وہ ایک
شہنشاہی خاندان کے رکن عظیم ہین اگر اونکو خلیفہ تمام مسلمان تسلیم کرلین تو خلافت بمعنی بادشاہت
اونہین کو زیبا ہے اور اونکے مقابلہ مین اور کیسکو زیبا نہین ہے جب تک اونکا خانوادہ استنبول
مین حکمران رہا اوس نے حرمین شریفین اور مقامات مقدسہ مین لاکھون روپیہ صرف
کیئے ہین جسکی تصدیق فرہاد مرزا کے سفرنامہ سے ہوتی ہے مگر اب اونکو بے ملک کا سلطان
و خلیفہ تسلیم کرنا پڑیگا اس تسلیم کرنے مین بھی کسی طرح کا حرج نہین ہے اسواسطے کہ ترکون
مین ابھی وہ قابلیت نہین ہے جو جمہوری حکومت کے متحمل ہو سکین اونکو چاہیئے تھا
کہ اپنے سلطان کا کم سے کم وہ درجہ رکھتے جو پوپ روم کا اٹلی مین ہے یہی ترکون نے پہلے
کہا تھا کہ سلطان استنبول مین روحانی خلیفہ رہین سیاسیات سے اونکو واسطہ نہین ہے
یہ اچھا تھا تمام مسلمانون کے وہ خلیفہ رہتے اونہون نے اسکو بھی گوارا نہ کیا اور سلطان
کو معزول کرکے خارج البلد کر دیا جب ترک جمہوریت کے فرائض ادا نکرینگے اور یہ ظاہر ہے
کہ ہر ملک مین مختلف الخیال سیاسی پارٹیان موجود ہین تو ایک نہ ایکدن پھر شخصیت کا
جھگڑا اوٹھ کھڑا ہوگا ممکن ہے کہ سلطان پرست طبقہ کا غلبہ ہو وہ پھر معزول سلطان کو
خلیفہ اور سلطان قرار دیدے ایسا فرانس مین ہو چکا ہے کہ نپولین اول کبھی شہنشاہ ہوے
اور کبھی معزول ہو کر جمہوریت ہوئی پھر شہنشاہی پرست طبقہ کو جب غلبہ ہوا و سنے نپولین[۱]
کو طلب کر کے پھر حکمران بنایا۔ اگر اس سے بھی قطع نظر کیجاے تو حال مین کردون نے اس
خلافت کی تائید کی جسکو بغاوت سے تعبیر کیا گیا ہے - اب عربون کیجانب کو دیکھنا چاہیے
اونکی تاریخ نے اونکو صدہا سال سے مختلف قبایل مین تقسیم کر رکھا ہے اور وہ مختلف
قبایل ایسے تھے اور اب بھی ہین کہ ایک دوسرے سے باہم جنگ کیا کرتے تھے وہ آزادی پسند
ضرور ہین اور کبھی کسی غیر قوم کی حکومت تسلیم کرنے والون مین اونکا شمار نہ تھا اور یہ امر
صاف اونہین پر موقوف نہین ہے بلکہ دنیا کی ہر قوم کا خاصہ ہے کہ وہ غیرون کی

[۱] دیکھو ترجمہ حیات نپولین اول -

اطاعت وغلامی کو ہرگز پسند نہین کرتی اگرچہ عربون مین باعتبار جغرافیہ قومیت اس طور پر کبھی نہ تھی جو یورپ کی قومون کو حاصل ہے تاہم وطن پرستی کا جذبہ اونمین ایسا تھا کہ وہ باہم جنگ تو کرتے تھے مگر جب کوئی غیر قوم اور غیر ملک کا حکمران اونپر حملہ کرتا تھا تو اوسکے دفع کرنے مین سب متفق ہو جایا کرتے تھے جب عربون مین خلافتی دور دورہ شروع ہوا تو اونکی تاریخ نے سیاسی رنگ اختیار کیا اور تاریخ ہی نے یہ تعلیم دی ہے کہ جب شریعت اور سیاست مشترک ہو جایا کرتی ہے تو وہ غلبہ جو بغیر شرکت ملکی تعلقات کے رہا کرتا ہے وہ مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے اور مثال اور قومون کے حکمرانون کے یہ قومین بھی ہو جایا کرتی ہین ۔ بنی اسرائیل کی شریعت مین جب ملکی چاشنی پیدا ہو گئی تو اونکا شمار بھی معمولی بادشاہون مین ہو گیا تھا یہی وہ بات ہے جسکو سید خیرالدین پاشا نے اپنی کتاب نظم الممالک مین بیان کیا ہے کہ جب تک مسلمان اپنی اسلامی تعلیم پر عمل پیرا رہے اونکی ترقی ہوتی رہی اور جب اوس تعلیم کو ترک کر دیا تب اونکی ترقی بھی موقوف ہو گئی اس بیان کی تصدیق وتائید اوس عرب کی پیشینگوئی سے بھی ہوتی ہے جس نے بروقت تقسیم مال غنیمت دولت ایران کے جسکو اور عرب بہ عبرت تمام لے رہے تھے اور وہ عرب گریہ وزاری مین مشغول تھا اوس سے دریافت کیا گیا کہ تمھاری یہ حالت کیون ہے تو اوسنے کہا کہ مین روتا اسواسطے ہون کہ اب یہ عرب زرپرست ہو گئے ہین انکا یہ کمزور ایمان اب انکے بدانجام کی خبر دیتا ہے کہ انکا کمال عروج مبدل بہ تنزل ہو کر رہیگا اسکا حال ہمنے اپنی کتاب مین درج کیا ہے اور بیان بھی اوسکی وضاحت کر دی ہے اس واقعہ کا ذکر تاریخ اعثم کوفی مین ہے اور یہ سچ بھی ہے اور تاریخی واقعات بھی شاہد ہین کہ ابتدا مین جب عربون نے اسلام اختیار کر کے اپنے زمانہ جاہلیت کی تاریخ تبدیل کر دی تھی اوس زمانہ مین اونہین کچھ بھی شاہانہ تجمل واحتشام نہ تھا اونکا دوران حیات نہایت سادہ تھا اور تاریخی صداقت ہے کہ دنیا مین مذہب اور شریعت پر عمل اول اول بخوبی تمام رہتا ہے مگر جب زمانہ گذر جاتا ہے اور تعلقات وسیع ہوا کرتے ہین تو دنیاوی جذبات اور خواہشات دینی احکام پر غالب آکر اونکو مغلوب کر دیتی ہین اور ظاہری برائے نام پابندی مذہب رہجایا کرتی ہے یہی حالت عربون کی ہوئی عرب تو وہی تھے جنکو بڑے بڑے شاہون کے دربار مین سفارتًا بھیجا گیا تھا مگر ایسے شرائط اسلامیہ لیکر گئے تھے اور میلے کچیلے فقیرانہ لباس مین کہ جس وقت

ایران کے بادشاہ کے پاس پہونچے اور اوس سے سوال وجواب ہوئے تو کیا اوس زمانہ مین کون کہہ سکتا تھا کہ ایسے ذلیل لباس والے بادشاہ سے مکالمہ کرینگے وہ بادشاہی جبروت سے اور جلالت سے مرعوب نہ تھے اور یہ مسلمان عرب وہی تھے کہ جب انکی تاریخ خلافتی تاریخ بدل گئی تو کہتے ہین کہ دو خلافتون تک یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پابند تھے اور اونکا اس طرحکا عمل اسوجہ سے بھی تھا کہ اونکے امام اور خلیفہ بھی اوس سنت رسول کے پابند تھے اور اونکے نگران رہتے تھے ورنہ اگر ایسی پابندی اونمین نہوتی تو عرب بھی اوس سنت پر عامل نرہتے یہ آفتاب رسالت کی شعاعون کی تاثیر تھی جس نے عربون کے قلب ودماغ کو منور کر رکھا تھا مگر بعد اسکے جب اونکے حالات مین پھر تغیر واقع ہوگیا اور باہم خونریزی کا زمانہ آیا تو اس نیرنگی کا نتیجہ یہ تھا کہ عربون کی ترقی رک گئی اور بنی اُمیہ ور بنی ہاشم مین خلافت کے متعلق ایسی جنگ ہوئی کہ تمام سرزمین صفین ارغوان زار ہوکر رہگئی یہ خلافتی جھگڑے کی بنا صرف اوسی زمانہ مین قائم نہ ہوئی تھی بلکہ بعد انتقال حضرت سرور کائنات یہ قضیہ پیدا ہوگیا تھا لیکن طول نہ کھینچنے پایا تھا کہ باہمی سکوت سے امن وامان ہوگیا نہین تو مخالفین کے طعنون سے اسلام باقی نرہتا اگرچہ خلفاء ثلاثہ کے واقعات کے متعلق اعتقادی جھگڑے چلے جاتے ہین مگر تاریخ آگاہ کرتی ہے کہ تیسری خلافت جب قبیلہ بنی امیہ پر منتقل ہوگئی تو اوسیوقت سے خونریزی کی بنیاد پڑی اور امارت شام کی نشوونمائی اور یزید کی ولیعہدی تسلیم کرانے سے اسلام مین شاہانہ کروفر شروع ہوگیا وہ عہود اور میثاق اور مساوات کی پابندی اور اوسپر عمل کہان تھا جو خلیفہ دویم کے وقت مین تھا! جسکی تائید ان واقعات سے ہوتی ہے اول یہ کہ جب بیت المقدس مین آپ تشریف لیگئے تو امیرانہ لباس مین نہ تھے اور جب عیسائیون سے معاہدہ ہوچکا تب نماز باہر آکر پڑھی اور دریافت کرنے سے فرمایا کہ معاہدہ کے بعد بیت المقدس کے اندر شعائر اسلام کیونکر ادا ہوسکتے تھے دوسرا واقعہ جبلہ بن ایہم کا ہے جسکا تہبند حج کے وقت ایک غریب حاجی کے دھکے سے کھل گیا تھا اوسنے غصہ مین آکر اوس حاجی کے ایک گھونسہ مارا یہ واقعہ جب خلیفہ کو معلوم ہوا تو جبلہ طلب کیا گیا اور فیصلہ یہ ہوا کہ وہ حاجی بھی جبلہ کو گھونسہ مارے اسپر جبلہ نے کہا کہ مین شاہزادہ ہون مین نے اسلام اسوجہ سے قبول کیا تھا کہ میرا امتیازی احترام مدنظر رکھا جائیگا اسکی سماعت نہ ہوئی پھر وہ ہرقل کے دربار مین چلا گیا اور وہان پہونچکر عیسائی

ہوگیا اور جب خلیفہ دوم کے وقت مین ایک صحابی ہرقل کے دربار مین گئے تھے تو جبلہ نے اونکی بڑی خاطر و تواضع کی تھی اور حسان بن ثابت عرب کے شاعر کو تحفہ و تحائف روانہ کئے تھے جسکو خلیفہ دوم نے ملا کر دیا تھا - پھر یہ ہوا کہ بسبب بنی امیہ کے راس و رئیس کی خلافت فتنہ و فساد کے سبب سے جاتی رہی تو انتقال خلافت بنی ہاشم میں ہوا جسکو چوتھی خلافت کہا جاتا ہے اور یہ خلافت وہ ہے جو حضرت علی مرتضی کیجانب منسوب کیجاتی ہے اور اب یہی وہ ہین کہ بعد پیغمبر آخرالزمان مدعی خلافت ہوئے تھے اوسوقت بوجہ باہمی خونریزی کے سکوت فرمایا گیا جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہین اب بعد انتقال خلیفہ سوم امارت شام نے خلافت کا دعویٰ کیا اور دومتہ الجندل کا عجیب و غریب فیصلہ ہوا جس سے آپ خلافت سے علیحدہ ہوگئے یہ علیحدگی جس طرح سے ہوئی وہ تاریخ کے پڑھنے والون پر ظاہر ہے اور یہ بھی اونکو اوس خط و کتابت اور باہمی سفارتون کے پیغامات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خلافت کا حق کس کا تھا اور کس کا نہین امارت شام نے اپنے ایک خط مین پانچوین خلافت کو لکھا ہی کہ جب آپکے والد نے خلافت سے دست برداری کی تو آپ کیون دعوے کرتے ہین اس خط سے اور اوس عہد نامے سے جو مابین امارت اور خلیفہ پنجم ہوا ہے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ حق خلافت آل ہاشم ہی کو حاصل تھا ا شقین کی سپردگی سے اخیر مین بنی امیہ اور آل عباس خلیفہ ہوتے رہے ہین جسکا کہ ذکر کتاب ہذا مین کیا گیا ہے یہین سے یہ بات نکلتی ہے اور یزید کے ولیعہد کرنے سے بھی کہ امارت شام اور اوسکے پیشتر بھی اس قبیلہ مین روحانیات اور مذہبی صداقتون پر عمل کم ہو گیا تھا یہانتک کہ اسلام مین بجائے روحانیات کے مادیات کی ترقی ہوئی اور اوس نے شاہانہ رفتار اختیار کہی اور یہی رفتار وہ تھی جس نے ابن زبیر کے دعوے خلافت کے وقت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مین بنی امیہ کے زمانہ مین خاصکر یزید کے عہد مین وہ خونریزی ہوئی جس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان ہوکر عربون نے اپنے مذہب کا کچھ بھی پاس و لحاظ نہین کیا اور کیون کرتے جب اونکے شاہانہ اغراض کرنیکی اونکو اجازت دیتے اور اسی یزید کے زمانہ مین کربلا مین وہ واقعات پیش آئے کہ بنی امیہ کی حکومت صفحہ ہستی سے متنکر رہگئی ان عربون مین جنگ و جدل کے اسباب کیا تھے اور لڑائیان کیون ہوئین اسکا ایک سبب یہ تھا کہ پشتہا پشت سے عداوت بنی ہاشم اور بنی امیہ مین چلی آتی تھی اسکا انتقام بنی امیہ نے بنی ہاشم سے لیا اور جب حضرت علی مرتضیٰ ع

علیہ السلام خلیفہ ہوئے تو عربون کے عادات اور خصائل بھی بدل چکے تھے اور وہ بالکل دنیاوی ہوا وہوس اور ناجائز اغراض کے حاصل کرنے کی شب و روز فکر کیا کرتے تھے اور امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام کی خلافت کا مقصد یہ تھا کہ پھر از سر نو اسلام حقیقی صدا قتون پر قایم ہو اب وہ ایسے خلیفہ کو کب پسند کرتے جو بیت المال کی رقم سے یکحبہ زیادہ مستحق کو دینے والے نہ تھے اسی سے حضرت عقیل امیر معاویہ کے پاس ناخوش ہو کر چلے گئے تھے اور جب اون سے کہا گیا کہ ممبر پر جاکے اپنے برادر معظم کو بُرا کہین تو اونھون نے انکار کیا اور بجاے اپنے بھائی کے بُرا کہنے کے اوسکو بُرا کہا جسنے اونکے بھائی کو بُرا کہنے کو کہا تھا اور واپس آ گئے اور ایک واقعہ یہ بھی ظہور پذیر ہوا تھا کہ زبیر وغیرہ جب رات کو آپکے پاس آئے تو آپ بیٹھے ہوئے بوریہ پر چراغ کی روشنی مین کام کر رہے تھے اُنکے آنے پر بوریا اوٹھا دیا اور چراغ گل کر دیا اور فرمایا کہ تم مستحق اس بوریہ پر بیٹھنے کے نہین ہو اور نہ چراغ کی روشنی سے فیضیاب ہو سکتے ہو یہ بوریہ مال غنیمت ہے اور چراغ بھی اوسی مال سے خرید کیا گیا ہے پھر بھی نہین ہوا ایک تنبیہ نامہ ہے جو ابن عباس کے نام لکھا ہے اور دوسرا واقعہ یہ ہے جیسا کہ نہج البلاغہ وغیرہ مین درج ہے یہ ایک مراسلہ ہے جسکو آپ نے اپنے ایک والی کے نام تحریر فرمایا ہے انکی ایک صاحب نے دعوت کی تھی یہ اوس دعوت مین شریک ہوئے تھے جب آپکو انکی شرکت کا علم ہوا تو آپ نے اونکو لکھا کہ ہمکو معلوم ہوا ہے کہ تمنے اوس شخص کی دعوت قبول کی اور کھانا کھایا جس نے کبھی فقیر کو ایک حبہ تک نہین دیا اور حرام مال جمع کیا ہے اور اسپر بھی تو خیال ہونا چاہیے کہ صفین کی جنگ مین آپ نے ایک دستور العمل مرتب فرمایا تھا وہ لشکر کو جسمین مہاجر اور انصار سب تھے بلند آواز سے پڑھکر سنایا گیا تھا کہ جنگ کے وقت کسیکو برہنہ نکرنا اور نہ کسی عورت پر دست اندازی کرنا اور نہ کسی بچہ کو قتل کرنا اور یہ بھی حکم دیا کہ اگر مخالف کے پاس چار گھوڑے ہون اور ایک پر وہ سوار ہو کر جنگ کرتا ہوا ہلاک ہو تو وہ گھوڑا معہ اسلحہ مال غنیمت ہوگا باقی تین گھوڑے اوسکی اولاد پر تقسیم ہو جاینگے اس تقسیم سے پہلے جیسا کہ دستور العمل مین ارشاد ہوا ہے زمانہ جاہلیت مین بحالت جنگ اوسکا کل مال لوٹ لیا جاتا تھا اور کفار اور مشرکین کے مقابلہ مین اہل اسلام کا بھی یہی دستور تھا کہ وہ اونکے کل مال کو غنیمت کا مال سمجھا کرتے تھے اور جب مبارز طلبی کی صورت مین تنہا یا تنہا حملہ کیجاتی ہے تو غلبہ کیحالت مین اگر مسلمان فتحیاب ہوتا تھا تو وہ مسلمان کو دیا جاتا تھا اور

دوسرے کا حصہ نہ تھا یہی دستور صفین مین ہر سال مسلمانون مین نتیا تنہا جنگ مین رہا تھا۔ دستور العمل مین آپ نے گھوڑون کی تقسیم کے متعلق جیسا حکم فرمایا ہے یہ استثنا قریب قریب اوسی طرح پر ہے جیسا کہ آنحضرت نے ایک فرمان مین ہدایت فرمائی ہے۔ اور یہ سلمان وہ ہین کہ جو اسلام قبول فرما کر آپکے اصحاب مین داخل ہوئے تھے جیسا کہ بحار الانوار مین حضرت سلمان کا حال عجیب و غریب پیرایہ مین درج ہے کہ آپ پیغمبر آخرالزمان کی تلاش کیواسطے یکایک اپنے مکان سے نکل کھڑے ہوے اور دو تین مرتبہ غلامی مین خریدے گئے اور آخر مین جس نے آپکو خرید کیا تھا اسکو اوسوقت حضرت خاتم الانبیا نے روپیہ دیکر غلامی سے آزاد فرمایا جبکہ آپ نے مال تجارتی کے فروخت کیواسطے سفر فرمایا تھا۔ اب وہ فرمان جسکا اوپر ذکر کیا گیا ہے کتاب مناقب آل ابیطالب مولفہ محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانی المتوفی ۵۸۸ مطبوعہ بمبئی سے ذیل مین درج کیا جاتا ہے۔ مگر قبل اسکے یہ بھی ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ قبیلہ سلمان فارسی اوسوقت گازران مین رہتا تھا۔

نقل فرمان

یہ تحریر محمد بن عبداللہ رسول خدا کی ہے جسکے واسطے سلمان فارسی نے استدعا کی کہ اونکے حق مین بطور وصیت لکھی جائے اونکے بھائی مہاد بن فروخ مہیار اور اوسکے اقارب اور اہلبیت اور اوسکے بعد اوسکے جانشین جو اوسکی نسل سے ہون جو کوئی اونمین سے مسلمان ہو جائے اور اپنے دین پر قایم رہے اوسپر سلام خدا مین تم سے اللہ تعالی کی حمد و ثنا بیان کرتا ہون بیشک اللہ تعالی نے مجکو حکم دیا کہ مین لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک کہون اور مین اسکا قائل ہون اور لوگون کو اسکے کہنے کا حکم دیتا ہون درانحالیکہ کل امر اللہ تعالی کی قدرت و اختیار مین ہے جو اونکو پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ اونکو دوبارہ زندہ کریگا اور اوسی کی طرف بازگشت ہے پھر اس تحریر مین سلمان کے احترام کا ذکر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ سلمان کے اہل قبیلہ سے موئے پیشانی کا کٹوانا اور جزیہ و خمس اور عشر اور تمام ٹکس و بیگار معاف کئے جاتے ہین اے مسلمانون اگر وہ تمسے سوال کرین تو اونکو عطا کرو اور اگر تمسے استغاثہ کرین تو اونکی فریادرسی کرو اور اگر وہ تمھارے پاس پناہ لین تو اونکو پناہ دو اور اگر وہ برائی کرین تو اونکو معاف کرو اور اگر کوئی اونکے ساتھ برائی کرنا

چاہے تو اونکو اوس سے بچاؤ اور چاہیے کہ مسلمانون کے بیت المال سے ہر سال اونکو دو سو ستر سوا وقیہ (نقد سکہ) عطا کئے جائیں کیونکہ سلمان رسول اللہ سے اسی برتاؤ کے مستحق ہین پھر حضرت نے اس حکم کی تعمیل کرنیوالے کے حق مین دعا فرمائی ہے اور جو اونکو اذیت دے اوسکے حق مین بد دعا۔

اس فرمان کے حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب کاتب ہین اور وہ فرمان چھٹی صدی تک اون لوگون کے پاس تھا اور اس فرمان کے بموجب عمل کیا جاتا تھا۔

علاوہ اسکے یہ بھی واقعہ گذر چکا ہے کہ صفین مین مخالف کے لشکر نے جب گھاٹ پر قبضہ کیا تو امیر المومنین کے لشکر پر پانی بند کیا تھا اور جب آپکے لشکر نے اوسکو مار کر ہٹا دیا اور وہ پیاسے ہوے اور آپکو خبر ہوئی تو آپ نے حکم فرمایا کہ تمام لشکر گھاٹ چھوڑ دے اور مخالف پانی سے سیراب ہون اور یہی عمل وہ تھا جب آنحضرت نے خیبر کا محاصرہ فرمایا تھا تو ایک یہودی نے قلعہ سے نکل کر آپ سے عرض کیا کہ قلعہ مین پانی جاری ہو اگر پانی بند کیا جاے تو قلعہ فوراً فتح ہو جاے آپ نے فرمایا کہ پانی ہم بند نہ کرینگے خواہ فتح ہو یا نہو اسکے سوا مالک اشتر اور ابن ابی بکر کے نام فرامین ہین جنکو ناسخ التواریخ کے مورخ نے لکھا ہے اون سے ثابت ہوتا ہے کہ اوس زمانہ مین رعایا پروری اور عدل گستری اور ملک داری کے اصول مطابق اسلام کیسے تھے جنکو آپ نے ہر والی کے نام ہدایتاً لکھے ہین انکا ہر عمل شرع شریف کے مطابق تھا اور عمل ہی شکل ہے جسکو بہتوں نے چھوڑ دیا تھا اور اوسی عمل کو آپکی خواہش تھی کہ جملہ اہل اسلام اختیار کرین مگر دوسری جانب یہ کہا کہ اگر خلافت رہی تو وہ ناجائز فوائد حاصل ہونگے لہذا شام کی خلافت کی تائید مین بہت سے مسلمان ہو گئے اور اسکی خلافت کا انجام ہوا جو کچھ ہوا۔

مورخ مسعودی نے مروج الذہب مین آپکے اوس لشکر کا نقشہ کھینچا ہے جو جنگ صفین کیواسطے ریگستان بصرہ سے گذرا تھا اوسنے ایک راوی کے اعتماد پر لکھا ہے کہ مہاجرین کے گھوڑے اور اُنکے اسلحہ کیسے تھے اور اونکا لباس کیا تھا علی ہذا انصار کا لباس کیسا تھا اور اونکے گھوڑے کیسے تھے پھر لکھتا ہے کہ سب کے عقب مین مین نے دیکھا کہ آپ بڑے وقار کے ساتھ نظر نیچی کئے ہوئے تشریف لا رہے ہین اور یمین و یسار آپکے حسنین علیہم السلام ہین اور محمد بن حنفیہ علم لئے ہوئے ہین۔ اس لشکر کی شان و شوکت آپکی خلافت کی حقانیت کو

مل گنج دانش مطبوعہ طہران سنہ۔ ناسخ التواریخ۔

ثابت کرتی ہے اور وہ امور جنکا ذکر فرما ہین وغیرہ مین ہے اور اُس دستور العمل مین بھی جسکا ذکر ہو چکا ہے ان سب کا مقابلہ بحیثیت مجموعی اگر مخالف کے افعال و اعمال سے کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اعمال شرعی اور روحانیات کا شائبہ بھی جو آپ مین تھا وہ کسی مین نہ تھا۔ ان اسلامی صداقتون اور حقانیت کے ساتھ اگر آپ تیسرے خلیفہ ہو جاتے اور بنی اُمیہ پر خلافت منتقل نہو جاتی تو نہ صفین مین باہم کشت و خون ہوتا اور نہ کربلا کا معرکہ پیش آتا شام مین خلافت کا قائم ہونا اور یزید کی ولیعہدی نے بالکل شاہانہ رنگ پیدا کر دیا اور یہی رنگ بنی عباس نے اپنی خلافت مین اختیار کر رکھا تھا یا فعی نے اپنی کتاب مراۃ الجنان مین لکھا ہو کہ آل عباس پر ہاشم بن محمد حنفیہ نے خلافت منتقل کی تھی اور سفاح نے اس استحقاق سے بنی امیہ کی خلافت کو معدوم کر دیا تھا یہ خلیفہ بادشاہ تھے اور اسی بادشاہت کی طمع اور حرص نے تمام عربون مین جنگ کر رکھی تھی اور اسی شاہانہ خیال سے ہارون رشید کے لڑکون مین جنگ جاری ہوئی ہارون رشید نے اپنے لڑکون پر ملک تقسیم کر دیا تھا پس ایک دوسرے مین جنگ ہو پڑی اور عربون کی ان باہمی خنگون کا خواہ وہ سیاسی خواہشون سے تھین یا مذہبی تعصبات سے جیسا کہ بغداد کے محلہ کرخ مین شیعہ اور سنیون مین خونریزی ہو گئی تھی بس ان سب باہمی اسلامی لڑائیون کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کے قیام کے باعث عربون کا اقتدار دنیا مین ترقی کر گیا تھا اور اسی خلافتی جھگڑے نے آخرکار انکو پولٹیکل اقتدار سے محروم کر دیا یہ آل عباس کی خلافت بڑے شان و شوکت والی تھی اور اوس زمانہ مین کون کہہ سکتا تھا کہ یہ فنا ہو جائیگی مگر اس سے بیشتر اور اقوام عالم کے کمال و زوال اور اقبال و ادبار کی تاریخ پر غور ہونا چاہیے کہ انکا سلسلہ جوان تاریخی حالات سے مسلسل تھا اوسکا انجام کیا ہوا وہی اس خلافت کی حالت ہوئی اور کہنے والے کہہ گئے تھے اور کہتے رہتے ہین کہ قومین ترقی و عروج کے معراج پر پہونچکر جب زوال کا درجہ قبول کر لیتی ہین تو پھر اونکی ترقی ناممکن ہو جاتی ہے اور مثال مین بنی اسرائیل اور دیگر اقوام کی تاریخ پیش کیجاتی ہے کہ اونکو پھر ملکی ترقی نصیب نہوئی یہی حال مسلمانون کی ترقی کا سمجھنا چاہیے خاصکر عربون کا کہ دنیا مین انکا خلافتی درجہ کیا تھا پھر اوسی درجہ نے اونکی باہمی قتال و جدال سے اونکی تاریخ کو کیسا تبدیل کر رکھا ہے یہ عرب ایک ریگستانی ملک کے باشندہ تھے اسلام کے سایہ مین اونکی ترقی ہوئی تھی اور یہی عرب وہ تھے جنہون نے اپنی شجاعت و بسالت سے بخت نصر بابل کے بادشاہ سے جنگ کی تھی اور مغلوب ہو کر پھر غیر قومون کی حکومت کو تسلیم نکیا اور ان قومون کو نکال باہر کیا اور اپنی وطن پرستی اور حب الوطنی کا جلوہ دکھا دیا اور اقوام عالم کا یہی دستور رہا ہے کہ گر کر پھر سنبھل جایا کرتی ہین یہ جنگ بخت نصر اور حضرت عدنان جد اعظم حضرت سرور کائنات سے ہوئی تھی جسکا ذکر ناسخ التواریخ مین ہے

اگرچہ عدنان مستعاربہ عرب تھے یعنے خاص عرب کے باشندون مین انکا شمار نہ تھا مگر اولاد حضرت اسماعیل نے اسوقت کے تمام قبائل عرب مین وہ اعزاز و احترام پیدا کرلیا تھا کہ کل قبائل نے اُنکے ہمراہ ہوکر بخت نصر سے مقابلہ کیا تھا جس نے بیت المقدس کو فتح کرکے اوسمین آگ لگادی تھی اور بنی اسرائیل کو گرفتار کرکے بابل مین لے گیا تھا اوسنے مدتہاے دراز تک بنی اسرائیل کو مقید رکھا تھا اونکی رہائی ایسے وقت مین ہوئی تھی کہ پھر وہ کبھی شاید ہی حکمران ہوئے ہون اور اولاد حضرت اسماعیل نے ظہور اسلام کی ضیاباریون کی برکت سے دنیا مین ایسا سیاسی اقتدار حاصل کیا کہ صدیون تک اونکا بول بالا رہا یہانتک کہ غزنین و خوارزم کے سلطان بادشاہ بھی اونکے اقتدار خلافت کو تسلیم کرتے رہے اور کبھی دنھون نے اونکے مقابلہ مین امامت و خلافت کا دعوی نہین کیا حالانکہ آل عباس کا خلافتی شباب مبدل بہ ضعف ہوچکا تھا اور اونکی تاریخ نے اونکو یہ سبق دیرکھا تھا کہ رفتہ رفتہ اس خلافت کا آفتاب غروب ہونیوالا ہے جیساکہ دنیا کی اور قومون کی حکومتون کا ہوا کیا ہے اس طرح پہ کہ جب فاتحین کے ظلم و جبر سے افلاس اور مصیبت اور پریشان حالی مین وہ مبتلا ہوجایا کرتی تھین تو یہی سبب اونکی ترقی اور عروج کا ہوتا تھا اور جب اوس حکومت کی بہار اونکو عیش و عشرت مین مبتلا کردیتی تھی تو یہ سبب اوس بہار کو مبدل بخزان کردیتا تھا اور یہ خزان ایسی ہوا کرتی تھی کہ پھر اونکی بہار کی سرسبزی و شادابی پژمردہ ہوکر رہجاتی تھی دیکھیے ترکون اور تاتاریون کی ترقی نے بغداد مین کیا کردکھایا اوس اونکی ترقی بھی کسی مذہبی پیرایہ مین نہوئی تھی بلکہ افلاس اور مصیبت نے اونکو بھی اسدرجہ پر پہونچا رکھا تھا پھر اس حکومت نے جب اونکو بھی عیش و عشرت مین مبتلا کردیا تو وہ بھی فنا ہوکر رہگئے اب کہان وہ عرب ہین جنکے خلافتی اقتدار کا ڈنکا بجا کرتا تھا اور کہان وہ چنگیزی خاندان ہے جسکے زمانہ مین اسلامی حکومت صرف ہندوستان اور اسپین و مصر مین تھی باقی کل ممالک اسلامیہ اونکے قبضہ و تصرف مین آگئے تھے بس یہی امور وہ ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کسی قوم سے رشتہ و قرابت نہین رکھتی ہے اور نہ کوئی قوم دعوی کرسکتی ہے کہ اوسنے خدا سے کوئی ایسا قبالہ لکھوالیا ہے کہ جبتک یہ عالم ہے قایم و برقرار رہیگی۔

خیر گذرا جو کچھ گذرا اب بجائے تاتاریون کے گویا یورپ کی زبردست طاقتون کا دورہ ہے اور عیسائیت و اسلام کا مقابلہ ہے صدیان گذری ہین جب ان مذہبون کے پیروی کرنے والون مین شام و بیت المقدس مین جنگ ہوئی تھی مگر اوس زمانہ مین ان دونون کی تاریخی رفتار یکسان تھی کبھی کسی قوم کی ایسی تاریخ صنعت و حرفت اور علوم کی ہوئی نہ تھی جیسی کہ یورپ کی اقوام متمدنہ کی ہے یہ جہاز سازی و جہازرانی اور صنعتی گلکاریان اور کل سازی کا جلوہ کب تھا غرضکہ ہر صیغہ و ہر شعبہ مین حیرت انگیز ترقی یورپ نے کر رکھی ہے اگر اس سے

بھی درگذر کیجائے تو یہ کیا کم ہے کہ ہوائی جہاز آسمان پر اڑ رہے ہین اور گولون کی بارش ہوا کرتی ہے اور
جرمنی ہوائی جہاز جو امریکہ کو برلن سے ڈھائی دن مین پہونچا اوسنے جرمن کی صنعتی کارنامون کو اور بھی حسن دوبالا
کے درجہ پر پہونچا دیا جسکو دیکھکر حیرت ہوتی تھی اور خشکی مین ریلین اور موٹرین جاری کر رکھی ہین ان سب نے
ملکر دنیا کے ہر ایک حصہ کو ایک کر دیا ہے اور تجارت نے وہ فروغ پایا ہے کہ اب زمین کی آمدنی کی کچھ وقعت
نہین ہے زمانہ ماضیہ مین بحالت جنگ روپیہ کی ایسی ضرورت پیش نہ آیا کرتی تھی فتاح قومین مفتوحہ و مغلوبہ
اقوام کے ممالک پر پیشقدمی کر کے روپیہ بہم پہونچایا کرتی تھین اور اوسی روپیہ سے فوجکشی مین مصارف
ہوا کرتے تھے اب جنگون مین اربہا روپیہ کے مصارف ہوتے ہین جیسا کہ گذشتہ جنگ مین روپیہ پانی کی
طرح بہایا جاتا تھا اس جنگ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ موجودہ زمانہ مین جس کے پاس روپیہ وافر ہوگا اخیر مین
وہی فتحیاب ہوگا اور یورپ کے قومی حکومتی اصول یہ قرار پائے ہین کہ قوم کی دولت حکومت کی دولت ہے
جب حکومت کی دولت ختم ہو جاتی ہے تو قوم روپیہ حاضر کر دیا کرتی ہے اور اتحاد و اتفاق قومی مزید بران
یہ تمام وسائل ترقی کے دوسرے قومون مین پائے نہین جاتے ہین جب ایک کے پاس یہ ساز و سامان ہے
اور دوسری جانب یعنی دوسری قومون مین اسکا شائبہ بھی پایا نہین جاتا تو فرمائیے کہ یورپ کی قومون
کے مقابلہ مین اون قومون کا کیا حشر ہونیوالا ہے خصوصاً مسلمانون کا جن سے مذہبی ور قومی عداوت
دیرینہ چلی آتی ہے اور مسلمانون سے بھی سابقہ رہتا ہی بلحاظ حالات زمانہ موجودہ بجز جاپان کے دیگر ایشیائی
اقوام نے کیا ترقی کی ہے اور انمین مذہبی اور قومی اتحاد و اتفاق بھی نہین ہے اور تعصب مذہبی اور
ایک دوسری قوم سے عداوت اس درجہ ہے اور بحث و مباحثہ جاری رہتا ہے کہ انکا ترقی یاب ہونا کسی طرح
سے ممکن نہین ہے اور مسلمانون کی رفتار غور طلب ہے اس سبب سے کہ جب ترکون کا خلافتی اقتدار یورپ مین
رہا اور حجاز پر بھی انکا قبضہ ہو گیا اوسوقت باضافت قبضہ حرمین شریفین یہ دنیا کے مسلمانون کے نزدیک ایسے
خلیفہ اسلام ضرور تھے جیسے کہ بنی عباس بغداد مین تھے اخر الذکر کو تاتاریون نے فنا کیا اور اول الذکر کی خلافت
تو آل عثمان کے ہاتھون سے خود ہی معدوم ہوئی ہے آجتک یہ راز نہ کھلا کہ مصطفےٰ کمال پاشا نے یہ
پالسی کیون اور کس واسطے اختیار کی یہ تو ہر مسلمان تسلیم کرتا ہے کہ اس اولوالعزم اور بہادر و شجاع ترکی سپاہ
سالار نے یورپ اور ایشیا مین مسلمانون کی حکومت قائم رکھی اور اون مداخلتون کو دور کر دیا جن سے
سلطان کی خلافتی حکومت برائے نام خود مختار کہی جاتی تھی اس کے بعد غالباً اونکا خیال یہ ہوا ہوگا
کہ سلطان کے قیام سے ہمیشہ اختلافات مانع ترقی ملک و قوم ہوتے رہینگے قریب قریب اسی کے نادر شاہ نے
بھی ایران مین یہ عمل کیا تھا فرق یہ ہے کہ نادر شاہ بادشاہ ایران ہو گئے تھے اور مصطفےٰ کمال پاشا

ترکون کی جمہوری حکومت کے پریسیڈنٹ ہوے ہین ایک جانب یہ رنگ پھیلا ہوا تھا دوسری جانب
اہل نجد نے اپنے سلطان کی سیادت کی تائید سے حرم پر قبضہ کرکے عالم اسلام مین ہلچل پیدا کر دی ایک
صدی گذر گئی جب عبداللہ ابن سعود نے اسی طرح کا حملہ کیا تھا مگر اوس زمانہ مین جو خدیو مصر تھے اونہون نے
اونکو شکست دی اور عبداللہ قتل کئے گئے اُن وہابیون کا سلک مدتون تک ایسا رہا کہ اہل سنت وجماعت
انکو نہایت برا سمجھتے تھے اور شیعہ صاحبان بھی انکو اچھا نہین جانتے تھے اور ہندوستان مین انگریز بھی انکے خلاف
تھے چنانچہ بہت سے وہابی کالے پانی بھیجدیئے گئے تھے بعد لارڈ رپن ویسرائے ہند سید احمد خان کی سفارش سے
وہ سب رہا ہوگئے اور وہابیت سے اونکا مسلک اہلحدیث پر منتقل ہوا - ہمنے اپنی اسی کتاب مین اون واقعات
کا تذکرہ کیا ہے جو طالبی کے سفرنامہ موسوم بہ سیر طالبی سے لیئے گئے یہ سیاح مسلمان ہندوستان سے پہلے
انگلستان اوسوقت پہونچا تھا جب حضور ملکہ معظمہ کے مراسم تاجپوشی عمل مین آئے تھے انگلستان کے حالات
وواقعات اوسنے بشرح وبسط قلمبند کئے ہین انگلستان سے یہ قسطنطنیہ گیا اوسوقت سلطان سلیمان
حکمران تھے کچھ نادر تحائف جنمین ایک قلمی نسخہ قاموس کا تھا نذر کئے تھے وہان سے پھر پیادہ پا کربلا گیا اثنائے راہ مین
اوسنے یزیدی فرقہ دیکھا اوسکے بھی مختصر حالات لکھے ہین یہ کربلا مین وہابیون کے گیارہ مہینے کے
بعد پہونچا تھا اوسنے بیان کیا ہے کہ ذیحجہ کے مہینے مین بروز عید غدیر اکثر باشندے کربلائے معلیٰ کے
نجف اشرف مین زیارت کیواسطے گئے تھے اس درمیان مین پچیس ہزار وہابی شہر مین داخل ہوچکے تھے
اور کربلا کے حاکم عمر آغا نے اشارہ کردیا تھا وہابی اول شہر کے اندر آگئے اور اقتلوا المشرکین کا نعرہ بلند کیا عمر آغا
ایک گاؤن مین بھاگ گیا وہابیون نے بعد قتل عام خواہش کی کہ گنبد اقدس کی طلائی اینٹون کو کھود کر
لیجائین مگر وہ نہایت مضبوط تھا اس سبب سے اونکو کامیابی نہین ہوئی لیکن قبر اور اندرون گنبد کو
بتر وغیرہ سے خراب کر دیا تھا اور اوسی دن قریب شام وہان سے چلدیئے پانچہزار شیعہ قتل ہوگئے تھے
اور مجروحین کا حساب نہ تھا شہر کو لوٹ لیا تھا اور بہت سا اسباب طلائی ونقرئی لوٹ کر لیگئے تھے صحن
اقدس مین مقتولین کا خون بہا تھا اور گنبد اور صحن کے حجرون مین بیشمار مقتولین کی لاشین پڑی ہوئی تھین
لحد حضرت عباسؑ اور گنبد حضرت عباس محفوظ رہا تھا مین اس حادثہ کے گیارہ مہینے کے بعد پہونچا تھا
اوسوقت بھی یہی چرچا ہو رہا تھا لوگ روتے تھے اور اونکا رونا دیکھکر جسم کے رونگٹے کھڑے ہوئے جاتے
جب وہابی چلے گئے تو صحرائی عربون نے ہاتھ صاف کیا اور بقیہ مال لوٹ کر فرار ہوگئے یہ لوٹ ایکدن اور
ایک رات رہی تھی - علاوہ اسکے دوسرا سفرنامہ موسوم بہ عبرت الناظرین ہے جسکو عباس علی رضوی بن
نیر الدولہ رضا علی خان بہادر مشہدی خراسانی نے رحمہ دجو اہیم درہ وہابیان نجد کے متعلق لکھا ہے

یہ سفرنامہ قلمی ہے اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے مولف سفرنامہ نے ۱۳۲۶ہجری میں سفر کیا تھا وہ کہتے ہیں کہ ایک مدت سے میرا ارادہ حج و زیارت ائمہ معصومین علیہ السلام تھا اب میں نے اسی سنہ میں سامان مہیا کیا اور ۱۲۲۶ ہجری میں بغرض حج وغیرہ اپنے احباب سے رخصت ہوکر عظیم آباد اور وہان سے کلکتہ پہونچا اور اپنی اولاد اور لڑکون کو ہمراہ لیا اور بیس نفر رفقا اور ملازم بھی ہمراہ تھے فیض عام نامی جہاز پر مین سوار ہوا اس جہاز کا ناخدا شیخ ابراہیم تھا مولف سفرنامہ نے اس ناخدا کے حسن سلوک کی تعریف کی ہے کلکتہ سے سقط تک پہونچنے مین گیارہ شب و روز طوفان رہا خدا خدا کر کے سقط پہونچا اور بائیس روز سقط مین رہا اور یہان سے روانہ ہوکر بوشہر مین داخل ہوا یہان ارادہ ہوا کہ مشہد مین جاکر زیارت سے مشرف ہونا چاہیے اسکے بعد حج کرونگا مولف نے بوشہر سے روانہ ہوکر اثنا راہ مین براہ خشکی مشہد تک اور شہرون کے حالات قلمبند کیے ہین جو راستہ مین ملے تھے بعد واپسی بغداد مین پہونچکر کربلا معلی و نجف اشرف اور کاظمین و سامرہ مین زیارت ائمہ علیہم السلام سے مشرف ہوا اور بعد فراغ بمبئی مین وارد ہوا یہان پہونچکر حج کا ارادہ کیا مگر مجتہد العصر میر سید علی صاحب نے فرمایا کہ امسال حج کیواسطے جانا مناسب نہین ہے کیونکہ وہان رحمہ وجواسیم وہابی ڈاکہ زنی کرتے پھرتے ہین مین نے اونکا کہنا نہ مانا نتیجہ یہ ہوا کہ بیل ہزارون کا مال وہابیون نے لوٹ لیا اور مع عیال و اطفال و ہمراہیون کے قید کرکے لیگئے اور راس الخیمہ کے وہابیون نے ایکماہ تک مجکو قید رکھا اور ایسی تکلیف و ایذا دیتے رہے کہ وہ خارج از بیان ہے یہ خلاصہ اوس سفرنامہ کا ہے جسکو اس سافر نے لکھا ہے اور اسی سفرنامہ مین ایک مقام پر لکھتے ہین کہ ان وہابیون سے سہارے اور مجھسے سوال و جواب ہوئے تو اونسے مجھ سے کہا کہ مین چارون خلیفہ کو نہین مانتا اور امام بھی اونکے لیے اس سفرنامہ مین مال مغروقہ کی فہرست بھی درج ہے جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی بیش قیمت اشیاء وہابی لوٹ کر لیگئے اور اس سافر کا حال یہ ہوا تھا کہ وہ گئے تھے بڑے حشم و خدم کے ساتھ جب ادنکو رہا کیا گیا تو وہ نہایت پریشانی و مفلسی کے عالم مین سقط پہونچے اور کئی ہزار روپیہ قرض لیکر اپنے مکان واپس آئے۔

بس ایک زمانہ مین یہ تمام مظالم وہابیون کے ہاتھون شیعون پر ہوا کرتے تھے اب سلطان نجد نے جب سے مکہ معظمہ پر قبضہ کیا ہے تو کہتے ہین کہ اونکی گذشتہ تاریخ بھی تبدیل ہوگئی ہے ورنہ ڈاکہ زنیان تو ہر قوم کے افراد کیا کرتے ہین اس سے تمام وہابیون پر الزام کیونکر عاید ہو سکتا ہے یہ سچ ہے لیکن اسکا کیا جواب ہے کہ وہ اون رسوم کو مٹانا چاہتے ہین اور اونکے عقائد مین یہ داخل ہے کہ وہ باتین کہ جنکو خلاف شرع مسلمانون نے اسلام مین داخل کرلیا ہے وہ اونکے نزدیک اسلام مین داخل نہ ہونا چاہیئے تھین

اور اونہین کو وہ اسلام سے نکالنا چاہتے ہین مگر جب داخل ہو چکی ہین تو اونکی اصلاح غیر ممکن ہے
او مسلمانون نے برخلاف عقائد وہابیون کے اون سب باتون کو اپنے عقائد مین داخل کر لیا ہے اور دنیا
کے ہر مذہب مین ایسا ہوا کیا ہے اسمین کلام نہین ہے کہ وہابی نہایت سخت ہین اور اون مین وہ روحانی اثرات
نہین پائے جاتے جو اور اسلامی فرقون مین دیکھے جاتے ہین اور قبر پرستی وغیرہ اونکے نزدیک بدعت مین داخل
ہے اور یہ ایسی باتین ہین جنکو اوس تاریخی واقعہ سے اختیار کیا ہے کہ خلیفہ دوم کے حکم سے اوس درخت
کی قطع و برید ہو دی تھی جس کے سایہ مین آنحضرت نے بیعت لی تھی اور یہ شجر اسواسطے کاٹا گیا تھا کہ آیندہ
لوگ اسکی پرستش نکرین اور عربون کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ قدیم الایام سے انسان کی بزرگ داشت اوسکی
دوران حیات تک کرتے تھے بعد مرنے کے پھر اونکا خیال اوسکی عظمت کا جیسا چاہیے وہ نہ تھا یہی اہل
نجد نے اپنا شعار کر رکھا ہے بس مختلف فرقہ ہاے اسلام کی تولید و نشو نما ئی سے اسلام ضعیف ہو گیا
ہے اور اسمین ایسی خونریزی ہوتی رہی ہے اور اس درجہ مسلمان مارے گئے ہین کہ موت سے اسقدر نہین
مرے ہین اور ابھی تک یہ باہمی جنگ جاری ہے اور یہ تو تاریخ نے بتا دیا ہے کہ دنیا کے ہر مذہب مین مختلف
فرقون کی عادت یہ ہو گئی ہے کہ اپنے فرقہ کے ظلم و جبر کو نہین دیکھتے اور دوسرے فرقون کی شکایت کرتے
رہتے ہین مثلاً بغداد کے محلہ کرخ مین جو قتل شیعون کا ہوا اور اون پر مظالم کیے گئے اور جب اوسکا انتقام
خلیفہ عباسی کے ایک وزیر نے ہلاکو خان کو بلا کر لیا تو اوس وزیر پر لعنت ملامت کیجاتی ہے اور اس
واقعہ کی صداقت پر لحاظ و غور نہین کیا جاتا اور نہ انصاف سے کام لیا جاتا ہے اور ایسا ہی یہ بھی ہے
جو اس عہد کی حکومتون نے اختیار کر رکھا ہے کہ اونکے مقابلہ مین جب رعایا کسی ہنگامہ و بلوہ مین خود
تحقیقات کرتی ہے اور افسران حکومت کی جانب سے بھی تحقیقات عمل مین آتی ہے تو اوسی تحقیقات افسران
پر عمل ہوتا ہے اور رعایا کے نمایندون کی تحقیقات غلط قرار دیجاتی ہے مدت سے یہی دیکھا جاتا ہے اور
اب بھی دیکھنے مین آتا رہتا ہے اور ہندوستان مین کوئی کمونیک ایسی دیکھی نہین گئی کہ اوس مین
اپنی غلطیون کا منصفانہ اعتراف کیا گیا ہو۔

اب پھر اعادہ کیا جاتا ہے کہ اہل تاتار جنہون نے ابھی اسلام قبول نہین کیا تھا اور عربی خلافت بغداد
کو تباہ کیا تھا جسکا ذکر ہو چکا ہے وہ بعد قبول اسلام کس سبب سے ضعیف ہو کر معدوم ہو گئی اور اونکی حکومت
صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہ گئی یہ تعجب خیز امر ہے کہ عربون نے زیر سایہ خلافت پیشقدمی کر کے دنیا کے مختلف
ممالک پر قبضہ کیا اور اسلام باختلاف فرق اون کے ساتھ تھا اور یہ مسجر کا کرن نے ایک مبسوط تاریخ
چین کی لکھی ہے جسمین بیان کیا ہے کہ ایکجانب پادری اور دوسری جانب مسلمان مذہبی اشاعت

کرتے تھے جسکا مقصد یہ تھا کہ شہنشاہ تاتار کو عیسائی یا مسلمان بنالین آخر کار اسلام اپنی صداقتون سے غالب آیا اور کئی لاکھ تاتاری مسلمان ہوگئے یہی وہ اسلامی روحانی طاقت تھی کہ وہ قوم جس نے اسلام کی خلافت کو تباہ کیا تھا اوسی کو اسلام نے اپنے تئین جذب کرلیا اور اسکے ساتھ ہی یہ نیرنگی پیدا ہوگئی کہ تاتاری بحالت کفر تو متحد و متفق ہوگئے تھے اور بحالت اسلام باہم جنگ کرکے کیون مٹ گئے اونکے تنزل و ترقی کا بھی وہی سبب ہوا جو عربون کا ہوا تھا یہ نیرنگی اسوجہ سے پیلی کہ خلافت سیاسیات سے مشترک ہوگئی تھی اور اسی اشتراک کی بدولت خلافت کا شرعی مفہوم وہ نہ رہا تھا جو پہلے خلفا مین باقی تھا بنی امیہ دمشق مین اور آل عباس بغداد مین بعضو اسلامی بادشاہ تھے برائے نام خلیفہ بھی مانے جاتے تھے یہی اقتدار حکومت جو خلافت مین شریک تھا اوسنے مذہب پر غلبہ حاصل کرنا جبسے عربون مین شروع کیا اور رفتہ رفتہ یہ رنگ چڑھتا اور پھیلتا ہوا دمشق مین پہونچا تو حیات وبعدی کے قیام سے پھر یزید کی تاریخی سرگذشت تو بالکلیہ اسلام سے علیحدہ ہوگئی تھی اور مثل اور دنیاوی بادشاہون کے یزید بھی ایک ظالم بادشاہ ہوگیا تھا اور اسی کی حکومتی اغراض کی بدولت باہمی مسلمانون مین خونریزی ہوتی رہی علاوہ اسکے اونکے افراد بھی اور قومون کے افراد کیطرح ظاہری احکام شرعی کے پابند ہوکر رہگئے اور حقیقی اسلامی صداقتون پر عمل جیسا کہ چاہئے اونمین باقی نہ رہا یہی حال اسرائیل کا تھا کہ اونکو بھی دنیاوی اغراض نے ظاہری احکام شریعت کا پابند کردیا تھا یعنے اونکی بھی دنیا مین حکومت رہی اور باہم جنگ ایک حکومت دوسری حکومت سے کرتی رہی اور حضرت موسیٰ کی قوم کا اثر جو اونمین ابتدا تھا وہ بتدریج کم ہوتا ہوا چلا آیا اور آخر مین اونکی وہی حالت ہوگئی جو اور قومون کی ہوتی رہی ہے جب حضرت مسیح سے دریافت کیا گیا کہ آپ بیت المقدس کے اندر تشریف کیون نہین لیجاتے تو آپ نے بجواب اسکے فرمایا کہ مین اوسکے اندر کیون جاؤن اوسکو یہودیون نے منڈی بنا رکھا ہے یعنے توریت کے آیات فروخت کیا کرتے ہین یہ ادنی مثال ہے یہودی بھی ظاہری احکام شریعت کے پابند ہوکر رہگئے تھے پھر دیکھئے کہ عیسوی مذہب کا کیا حال ہے اوسکو یورپ کی اقوام نے مادیات پر منتقل کررکھا ہے اور روز بروز پھیلتا ہوا چلا جاتا ہے روحانیات کا ذکر تک نہین ہے اور خدا اور رسولون کا اونکی تصنیفات وغیرہ مین نام تک نہین آتا اور ہر حکومت مین پولیٹکل فرقون کی شرکت سے سیاسی رنگ چڑھا ہوا پایا جاتا ہے یہی حال مسلمانون کا ہے اونکو بھی دنیاوی اغراض کے غلبہ نے اس مثل کا مصداق کررکھا ہے کہ مسلمانان درگور و مسلمانی درکتاب غور تو کیجئے کہ سریف مکہ ہوکر اسکا پانی کا فروخت کرنا اور حاجیون کو تکلیف دینا اور طرح طرح کے ٹکس لگانا یہ کب جائز ہوسکتا ہے مگر وہ اسی پر عمل کرتے رہتے تھے ہی نہین کیا رہا ہیون کو جو کرنے

سے روکا تھا اب وہابیون نے جب مکہ پر قبضہ کر لیا تو تین کرور روپیہ کا سونا شریف مکہ لیکر بھاگ گیے یہ
کثیر رقم اونکے پاس کہان سے آئی یہ سب حاجیون سے بجبر وصول کر کے جمع کیجاتی تھی پھر دیکھو کہ مدینہ مین
خلافت کا نشو ونما ہوا اور وہی پہلا دار الخلافت تھا مگر دمشق مین خلافت کا انتقال اور پھر بغداد مین
اسنے یہ کر دیا کہ مدینہ کی آبادی مین کچھ بھی فروغ نہوا اور مدینہ جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ حالانکہ جن شہرون کو
دار الحکومت اور دار الخلافت کا شرف حاصل ہوا کیا ہے مثلاً دمشق و بغداد و سمرقند وغیرہ اونکی ترقی روز افزون
ہوا کی ہے اور بغداد تو ایسا آباد تھا کہ ہلاکو خان نے جب وسپر حملہ کیا ہے تو مورخین لکھتے ہین کہ پندرہ بیس لاکھ
آدمی مارے گئے تھے اور جب آخری خلیفہ بنی عباس کے خزانہ کی جانچ کیگئی اور درم و دنیار باہر نکال کر رکھے گئے
تو ایک پہاڑ بن گیا تھا[1] اگرچہ مدینہ دار الخلافت تھا مگر اوسکی آبادی کی ترقی کس طرح ہوتی جسمین کئی سال
کی قلیل مدت مین باہم خونریزی شروع ہوگئی تھی اور امن وامان کی امید بھی نہ رہی تھی پھر اطراف وجوانب
سے کیونکہ مخلوق وہان آکر بود وباش کر سکتی تھی اور اپنا کاروبار اور اس خلافت کے جھگڑے نے یہ بھی
نتیجہ پیدا کر رکھا تھا کہ عربون کو بنی امیہ اور بنی عباس کے خلافتی زمانہ مین بظاہر کسیقدر اطمینان ہوگیا تھا
لیکن باہمی کشت وخون نے اوس اطمینان کو عارضی کر رکھا تھا اسی سے اونکو اوس دولت سے بہت
کم فائدہ پہونچا جو مختلف ممالک کی فتحیابی سے اونکو حاصل ہوگئی تھی اور اس ثمرہ سے بھی وہ محروم رہے
جو اور فتاح قومون کو حاصل ہوتا رہا ہے مثلاً تاریخ کی یہ شہادت ہے کہ فتاح اقوام کی حالت جب اطمینان
کی ہوجایا کرتی ہے تو اونکی اولاد کی بھی کثرت ہوتی ہے اور اونکی آبادی مین بھی ترقی جیسا کہ تاتاریون کے
حال مین لکھا ہوا ہی کہ وہ کچھ بھی نہ تھے مگر ملکون کی فتح سے عظیم تغیر ہو گیا تھا اور اولاد کی ترقی بھی ہوتی رہی
پھر کیا ہوا یہ ہوا کہ عرب وتاتاری اقوام بھی دوسرے ممالک کی بدولت ایک زمانہ مین مالدار ہوگئی تھین
لیکن معلوم نہین کہ کسری اور آل عباس کی دولت پھر کیا ہوگئی اور یہ قومین جیسی پہلے تھین ویسی ہی ہوگئین
اور ہندوستان کے مسلمانون پر بھی یہی بات صادق آتی ہے کہ وہ یہان فتح کا نقارہ بجاتے ہوئے آئے اور چھسو
برس نہ گذرے تھے کہ اونکی حکومت جاتی رہی اور آخرکار انگریزی حکومت قائم ہوئی مگر ہندؤن کو دیکھو
کہ وہ اوس زمانہ مین کیا تھے اور اب کیا ہورہے ہین۔ اور عربون مین تہذیب ہے تو درکنار بدوی چادرنشین
جنھون نے لاکھون آدمیون کی تعداد سے خلافت کے وقت اعانت کی تھی اونکی حالت کا تذکرہ تو حکیم ناصر خسرو
کے سفرنامہ مین موجود ہے اور وہ اس طرح پر ہے کہ اونھون نے عرب کے جنگلون مین سفر کیا وہ کہتے ہین کہ مجھہ
اشتہا نے غلبہ کیا مین عرب کے ایک شائخ کے پاس گیا اور کہا کہ مین بھوکا بہت ہون اگر روٹی ہو تو

[1] روضۃ الصفا ۱۲

مجھکو دیجیئے اوسنے کہا کہ روٹی کس چیز کا نام ہے مین نے کبھی غلہ دیکھا تک نہین اور نہ اوسکا نام سنا بجز خرما اور اونٹنی کے دودھ کے اور کچھ نہین جانتا اسی کو کھاتا پیتا ہون یہ حکیم ناصر خسرو وہ ہین جنہون نے قدمون سے پیمائش کرتے ہوے مصر اور حجاز کا سفر کیا تھا اور سا اما سال کے بعد جب واپس ہوئے تو اونکو اونکے وطن مین کوئی پہچانتا بھی نہ تھا اس حکیم نے اوس زمانہ مین سفر کیا تھا جب مصر مین بنی فاطمہ کی خلافت کا شباب تھا۔

یہ عربون اور تاتاریون کے قومی جذر ومد کی نیرنگیان تھین جن نیرنگیون مین ایک خلافت کی نیرنگی بھی تھی جس نے صدیون تک مسلمانون کو مبتلا کر لیا تھا اوسکے بعد یورپ کا سیلاب بڑھا اور مسلمانون کے مفتوحہ ممالک مین پھیلا اب اوس سیلاب کے مقابلہ مین اسلامی سیلاب جو پہلے سے رکا ہوا تھا وہ ضعیف ہوتا رہا اور اوسی کے ساتھ اسلامیہ خلافت کی قوت بھی مبدل بہ ضعف ہو گئی اور خود مسلمانون مین کمال پاشا نے تو خلافت کو اڑا ہی دیا اس سے وہ خلافت کہان رہی جو کسی غیر مذہب کے ماتحت تھی اور آزاد اور کامل خود مختار رہو مگر باوجود اس ضعف اور کمزوری کے مسلمان بمقابلہ ترقی یافتہ اقوام یورپ کے اپنی ہستی قائم کیے ہوئے ہین اسپین اور مراکش کے مسلمانون مین وہی فرق تھا جو زمین اور آسمان کے مابین ہے لیکن مسلمانون نے اوس ترقی یافتہ سلطنت کے چھکے اوڑا دئے ہین اور مصطفی کمال پاشا اگر خلافت کو معدوم نکرتے تو اچھا تھا اس سے علیحدہ کرکے دیکھا جائے تو اونہون نے بھی اپنی قوت سے یورپ اور ایشیا مین اپنے کو آزادی کے ساتھ قایم رکھا ہے اور یہی وہ تاریخی واقعات ہین جو سبق دے رہے ہین کہ یورپ کی حکمران اقوام ہرگز نہین چاہتی ہین کہ دنیا مین ہمارے سوا کوئی ہمارا مدمقابل رہے تاتاریون کی بھی یہی پالسی تھی مگر جیسا اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اسلام نے جب اونکو اپنے مین جذب کر لیا تو اونکی حکومت مسلمانون کی حکومت ہو گئی تھی اور یورپ کی قوتین ہر چند کہ خلافت مذہب رکھتی ہین اور اون کا سیلاب بھی تاتاریون کے سیلاب سے بڑھا چڑھا ہوا ہے تاہم مسلمان بھی اپنی قوتون کی جلوہ نمائی کا منظر پیش کیے ہوے ہین۔ ایک زمانہ ایسا گذر چکا ہے کہ عقیل وفہیم مسلمانون کا یہ خیال تھا کہ یورپ کا دور اگر مسلمانون کی سیاسی طاقت کو میٹ دیگا تو اسلام کسی کے مٹائے سے نہین مٹ سکتا اب یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمان دونون قایم رہینگے اور بلحاظ مادی ترقی کے یورپین اقوام کی برابری تو محال معلوم ہوتی ہے البتہ روحانیات کی تاثیر و تائید سے اوسکا قیام و بقا یقینی ہے اور یہ بھی اہل اسلام کے قیام کی روشن دلیل ہے کہ یورپ کی ہر سلطنت مین سیاسی اغراض و پولیٹکل جذبات کے متضاد ہونے سے ایک دوسرے سے اتحاد ہونا غیر ممکن ہے اس واسطے کہ عقلمندون کی نسبت ہمیشہ سے تاریخ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ اون مین کبھی اتحاد و اتفاق نہین ہو سکتا

یہی جو جنگ ہو چکی ہے اس نے ہر قوم کو کمزور کر رکھا ہے اور بین الاقوام کا قضیہ جس طرح پر طے کیا گیا
ہے کیا اقوام یورپ کے اعزاز اوسکو قائم رکھینگے مسلمان شجاعت وبہادری مین کسی قوم سے کم نہین ہین
بلکہ بڑھے ہوئے ہین ہان یورپ کی صنعت کے مقابلہ مین اونکا مرتبہ پست ہے اور یہ صنعت کا نسخہ یورپ
کے پاس ایسا ہے اور تجارت کا ذریعہ کہ اوسنے اہل یورپ کی دولت وثروت کے مقابلہ مین جملہ اقوام کو
مفلس بنا رکہا ہے اور ہر اسلامی سلطنت اونکے مقابلہ مین یورپ کی دست نگر ہو رہی ہے یورپ کی قومون کا
یہ مقصد تو کبھی تکمیل کو پہونچتا نظر نہین آتا کہ دنیا مین مسلمانون کی حکومت نہ رہے اور مثل یہودیون کے وہ
تجارت پیشہ ہو جائین دیکھئے یہی ایک خلافت کا مسئلہ ہے کہ اوسنے دنیا کے ہر حصہ مین اپنا کیسا رنگ
پھیلا رکھا ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ مدینہ مین اسکا قیام ہوا تھا پھر وہ وقت آیا کہ دنیا مین مختلف ممالک
پر اسکا قبضہ ہوا اور اسکی عظمت وشان ہر قوم تسلیم کرتی تھی مدینہ مین کیا تھا اور عرب کس حالت مین
مین تھے پھر تاریخ نے اونکو کن مدارج عالیہ پر پہونچا دیا بنی امیہ کی خلافت مین ہوا جو کچھ ہوا آل عباس کی
خلافت کے شباب پر غور ہو کہ اوسکو کیسی قوت حاصل تھی پھر اوسکا ضعف دیکھو مگر ضعف کے عالم مین بھی
محمود غزنوی اور سلجوقی بادشاہ اوسکی غاشیہ برداری مین فخر کرتے تھے اور تیمور نے بھی کبھی ادعائے خلافت
نہین کیا جو کئی اقلیمون کے شہنشاہ مانے گئے تھے اور ایسے شہنشاہ ہو گذرے ہین کہ اونکے دسترخوان پر
تیرہ سو فوجی افسر کھانا کھاتے تھے اور اونکا عظیم لشکر جب ایک مقام سے دوسرے مقام پر روانہ ہوتا تھا
تو گھنٹہ بجتا جاتا تھا وہی اونکے لشکر کی راہ بری کرتا تھا اس اولوالعزم تاتاری شہنشاہ کے فتوحات اپنی
آپ ہی نظیر ہین یا خلافت کا اوس زمانہ مین یہ رنگ تھا جب وہ زمانہ گذر گیا اور دنیا کی تاریخ نے تاتاریون
کا دور ختم کر دیا تو اس زمانہ مین یورپ کے دور نے وہی کر رکہا ہے جو تاتاریون نے بغداد مین کیا تھا یعنے
خلافت عثمانیہ کے ساتھ جسکا شیرازہ اب کیسا منتشر ہو رہا ہے ایسی انتشاری حالت کا اثر یہ ہے کہ ایکجانب
تو چھوٹے چھوٹے حکمران دعوی خلافت کرتے ہین اور مسلمان ہین کہ وہ ایک خلیفہ کے انتخاب کی فکر مین مشغول
ہین اور انواع واقسام کی تجویزین کر رہے ہین مگر ابھی تک کسی کا انتخاب نہین ہوا اور کون ایسا ہے
جسکا فرق مبارک خلافت کے سہرہ کا مستحق ہو اور یہ بھی ہونا چاہیے کہ وہ سلطان بر وبحرین اور حافظ
حرمین شریفین خلیفۃ المسلمین اور محافظت کی اعلی طاقت رکھتا ہو اور حرم پر قابض بھی ہو اسواسطے کہ بنی امیہ
کی حکومت جب اسپین مین ہو گئی تھی تو اونکی آٹھوین پشت مین ادعائے خلافت کا چرچا ہوا تھا ورنہ اونہون
نے کئی سال تک اپنے کو خلیفہ قرار دینا مناسب خیال نہین کیا اور اونکا خیال یہ تھا کہ خلیفہ وہی ہے جسکے
قبضہ مین حرمین شریفین ہون اور خصوصیات کے سلاطین عثمانیہ مستحق ہو سکتے ہین کیونکہ ملک حجاز سے

اونکی آمدنی ایک لاکھ تھی وہ تین لاکھ مذہبی خصوصیت سے اپنے خزانہ سے دیا کرتے تھے پھر یہ بھی تھا کہ ہر عہدنامہ
مین جو ایران اور دیگر بادشاہون اور سلاطین سے ٹرکی نے کیے ہین اونکا سرنامہ انہین الفاظ سے مزین
رہا خصوصًا ایران کے ساتھ کبھی کسی ایران کے بادشاہ نے یہ اعتراض نہین کیا کہ ہم آپکے ان پر شوکت الفاظ
کے تسلیم کرنے والون مین نہین ہین وہ کیون اعتراض کرتے جبکہ سلاطین عثمانیہ کو اسکا اہل جانتے تھے اور
خلافت کو بمعنی بادشاہت سمجھتے چلے آتے تھے اونکا بھی مقصد وہی تھا اور اسی سے ایرانیون نے انگلش گورنمنٹ
سے کہا تھا کہ اگر عراق کا ملک سلطان کو نہ دیا جائے تو ہمکو ملنا چاہیئے ہمارا سکہ وہان جاری ہے اور ہمارے
زیر سایہ بھی رہا ہے اور کربلا و نجف اشرف وغیرہ ہمارے مذہبی مقامات مقدسہ ہین مگر اونکے اس استحقاق پر
لحاظ نہین کیا گیا اور اوسکو دیا گیا جسکا تعلق اس ملک سے کبھی نہین رہا ایران مذہبًا تو کسیکو خلیفہ نہین مانتا اور
نہ اوسکا اعتقاد کسی مذہبی خلافت پر ہوسکتا ہے لیکن اوسکے نزدیک یہ بھی ہے کہ مسلمانون مین ایک ایسا حکمران
ضرور ہونا چاہیے جو حجاز و عراق وغیرہ پر قابض رہے اور قوت رکھتا ہو کہ یورپ کا دور سے مقابلہ کرسکے
وہ ہرگز یہ نہین چاہتا کہ کسی غیر مذہب اور قوم کے زیر اثر مقامات مقدسہ رہین اب دنیائے اسلام مین انتخاب
خلافت کا چرچا پھیلا ہوا ہے ایک صاحب تو ایک گوشہ نشین علی حیدر کو تجویز کرتے ہین اور دوسرے ایرانی وہ
غازی عبدالکریم کو پیش کرتے ہین اور تیسرے وہ تھے جو فرو شریف پر فدا تھے اور چوتھے وہ ہین جو سلطان
نجد کو مستحق خلافت جانتے ہین پانچوین وہ ہین جو شیخ سنوسی کا ترانہ گا رہے ہین ان سب مین وہ کون ہے
جسکا درجہ خلافت عثمانیہ کے برابر ہوا گر مصطفے کمال پاشا اسمین ٹھوکر نہ مارتے تو جیسا ہمنے صدر مین ذکر کیا ہے
آخری سلطان عثمانیہ خلیفہ رہین اور یہ اونہین کا حق تھا اور مصطفے کمال پاشا اونکے ماتحت اب یہ خصوصیت
جب جاتی رہی تو دیکھیے آیندہ خلافت کا بار کس کے سر پہ بیٹھتا ہے اور شیخ سنوسی کے متعلق تو یہ کہا جاتا
ہے کہ وہ امیر مکہ ہوگئے ہین اور یہ وہی بات ہے کہ حضرت رسالت پناہی کو بھی قبل بعثت امیر مکہ یا حجاز کہا جائیگا
کیا شیخ سنوسی اب امیر اور بعد اسکے امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین ہونگے۔

اب لایق بحث یہ ہے کہ مختلف ممالک مین ہمیشہ سے جغرافیائی خصوصیت بلحاظ سکونت و بود و باش
چلی آتی ہے اور رنگ و وضع اور صورت مین تو فرق ہے مگر اغراض و خواہشات اور جذبات اور
پیدائش و ممات اور مضار و منافع اور خیر و شر کی تاریخ برابر تکرار کرتی رہتی ہے اور یہ وہی نیرنگیان ہین کہ
جب انسانی افراد متحد و متفق ہوکر قومی جماعتون مین تقسیم ہوجایا کرتے ہین تو اونمین بھی یہ نیرنگیان سرایت
کرجاتی ہین یورپ کی مبتدلتا تاریخ اب مرکز پر آکر ٹھہر گئی ہے جب تک اونمین علمی علوم و فنون نہ تھے اونکی
ترقی نہ تھی اور اونکا دوران حیات محض کاشتکارانہ تھا تو اونکا بھی شمار دنیا کی اور قومون مین بلا امتیاز ہوا کرتا

تھا اور یہ افلاس بھی اونکی پیشقدمی بغرض ملک گیری کا باعث تھا اب اونکی عملی صناعی نے اونکو اس درجہ پر پہونچا رکھا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اونکی برابری کا دعویٰ نہین کرسکتی اور تجارت نے وہ فروغ دے رکھا ہے کہ اب تجارت کی غایت سے وہ ممالک کو فتح کرتی پہرتی ہین تاکہ کلین جو اونکا مال تیار کرتی ہین وہ مال دوسرے مفتوحہ ممالک مین فروخت ہوا کرے جس زمانہ مین نپولین سیوم فرانس کے عہد مین جرمنی اور فرانس مین جنگ ہوئی تھی تو جرمنی ایک کاشتکارانہ ملک تھا اور فرانس کے ذمہ جو نو ارب روپیہ خرچہ جنگ عائد کیا گیا تھا اوسکو اوسنے اپنا مال جرمنی وغیرہ مین فروخت کرکے ادا کر دیا تھا اور اس زمانہ مین جو جنگ شہرہ آفاق ہوئی اوس کاشتکاری ملک نے علوم و فنون مین وہ عروج حاصل کیا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اوسنے اپنی صنعت و حرفت سے کیا کر دکھایا ایک رنگ کا نسخہ اوسنے ایسا ایجاد کیا ہے کہ اوس سے ارب ہا روپیہ کی آمدنی ہے اور دوسرے ذرایع تجارت بھی ایسے تھے اور اوسکے قابو مین اب بھی ہین کہ تاوان جنگ ادا کرنے مین اوسکو ایسا مجبور نہین کرسکتے کہ وہ ہمیشہ کیواسطے کمزور ہو جائے اوس نے بلا تامل تاوان ادا کرنا شروع کیا ہے اور یہ بھی ہے کہ حکومت اوس تجارتی مال کے کھپت کا ذریعہ ہے اور اگر حکومت جاتی بھی رہے تو صنعتکاری ایسی قومون سے نہین جاتی جرمنی کی حکومت ضعیف ہوگئی لیکن اوسکے قومی افراد دوسرے ممالک مین اپنی صنعت و حرفت سے آمدنی کا ذریعہ پیدا کرسکتے ہین انگلستان و فرانس و روس نے سلمانون کے ملکون مین اپنا اپنا اقتدار قایم کیا تھا اٹلی کا اقتدار حکومت ایسا نہ تھا اسیوجہ سے وہ بھی شب و روز اسی فکر مین رہتی ہے کہ طرابلس مین کامیاب ہو لیکن ابھی تک سمندر کے کنارہ اوسکو اپنے جنگی جہازون کی قوت سے کسیقدر طاقت ہوگئی ہے اور سالہا سال ہوے کہ طرابلس کے سلمانون نے اوسکا اقتدار ایک رقبہ تک محدود رکھا ہے روس نے بھی سلمانون کے ممالک تسخیر کئے ہین یہ ملک صناع نہ تھا اور نہ ابتک ہے بلکہ کاشتکارانہ ہے صرف روس ایک عظیم الشان سلطنت پر قابض تھا اس سے اوسکو وہ تجارتی اقتدار حاصل نہ تھا جو فرانس و انگلستان کو حاصل تھا یہی سبب ہوا کہ جرمنی نے اوسکو مغلوب کرلیا اور مغلوبیت کے بعد اوس نے بالشویکی اصول پر عمل کیا اور ابھی تک انہین اصولون پر قایم ہے۔ اور اس بالشویکی طریقہ کی کیا امیر مختار بھی پابند تھے؟ اگر یہ نہ تھا تو یون اونہون نے کوفہ مین یہ ارادہ کیا کہ روسائے کوفہ کا وقار باقی نہ رہے جب لوگون کو یہ معلوم ہوا تو امرا اور روساء مختار کے مخالف ہوگئے اور یہ بھی ایک سبب اونکی امارت کے زوال کا ہوگیا تھا یہ اصول وہی ہین جو اس زمانہ کی حکومتون کی نظر مین مثل خار کے کھٹکتے رہتے ہین پھر انگلستان کو دیکھو کہ وہ بھی تجارتی ذریعہ سے دنیا مین پھولا پھلا ہے اور ہندوستان جب سے اوسکے قبضہ مین ہے اوسکی آمدنی سے اوسکی دولتمندی بے انتہا بڑھ گئی ہے اور اونکا قومی اتحاد اور تجارت حکومت کے اشتراک نے اوسکو اس درجہ پر پہونچا رکھا ہے اور

اسمین بھی شک نہین ہے کہ اسکے حکومتی تاریخی اصول نے ہندوستان کی شخصیت کو مٹا دیا ہے اور بجاے
اسکے قومیت کو قایم کیا ہے مدتون سے ہندوستانی خواب غفلت مین پڑے ہوے تھے اب اونکی قومی
بیداری حاکم و محکوم کے درمیان گویا ایک طرح کی انقلابی فضا پیش کئے ہوے ہے اور سچ پوچھئے تو انگریزی
حکومت کا قیام ہندوستان کے واسطے بہتر ہے اسکے قیام سے ہندوستانیون مین بھی قومیت کا اثر بجلی کی طرح
دوڑ رہا ہے اور قومی خمیر اوٹھ رہا ہے اگر انگریز اس ملک سے رخصت ہوجائین تو پھر وہ قومیت کا نہال
جو جڑ پکڑتا جاتا ہے پژمردہ ہوکر رہ جائیگا۔ اس قوم کا خاصہ ہے کہ غیر مذاہب اور غیر قومون کا ملک فتح کرتی
ہے مگر تعلیم دیکر قومی جھگڑون کی نشو نمائی کا سبب ہوجایا کرتی ہے اور کوئی وجہ نہین ہے کہ جب ہندوستانیون
سے وعدہ کئے گئے ہین اونکا ایفا نہ کیا جائے یہ وہی قومی اغراض اور خود غرضی کی تاریخی تکرار ہے اور جو قوم قابض ہے
اوسکی غرض یہ ہے کہ ہندوستانی مغلوب رہین تو اونکی مغلوبیت سے ہماری حکومت کا قیام و بقا ہے اور
محکوم رعایا کی یہ خواہش ہے کہ انگریزی قوم کا رہنا اچھا ہے مگر اپنے حقوق قومی مین ہمکو بھی مساوی حیثیت سے
شریک کرے اسی سے اونکے ایک لیڈر اعظم نے سوراج کا جھنڈا بلند کر رکھا ہے اور جو دلائل ان لیڈرون
کی جانب سے پیش کئے جاتے ہین وہ اب اوس حد پر پہونچ گئے ہین کہ اونکا جواب دبی ہوئی زبان سے
دیا جاتا ہے جس سے بجائے اعتماد کے اور بے اعتمادی بڑھتی جاتی ہے یہ مطالبہ سوراج اگر نہ پیش کیا جاتا تو یہ
باہمی خونریزی جو ہندو مسلمانون مین ہوچکی ہے ہرگز نہ ہوتی ہندوستان مین ابتک تو کبھی نہین ہوا کہ مختلف
شہرون مین بلوے و فساد ہوے ہون اور کہا یہ جاتا ہو کہ اُمین ابھی وہ قابلیت کہان ہے کہ اُنکو سوراج
عطا کیا جائے اس سوال کا جواب کہ اس خونریزی کی تحریک کا بانی کون ہے اسکے دو جواب ہین ایک یہ ہے
کہ شردھانند کی جد و جہد اور آریہ سماج کے مذہبی جوش سے یہ فسادات ہوتے رہتے ہین اور دوسرا جواب یہ ہے کہ
حکومت کی قومی رنگ برنگ کی پالیسیان مین منجملہ اونکے ایک یہ بھی ہے کہ مختلف اقوام مین اتفاق نہ ہو خیر یہ
اپنی اپنی مذہبی و سیاسی اغراض کی گتھیان ہین کبھی سلجھانے سے نہ سلجھینگی مگر اوس وقت خود بخود سلجھ جائینگی جبکہ
ہندوستانی قومیت کے وہ مدارج طے کر لینگے جو یورپ کی شائستہ قومون مین پائے جاتے ہین مگر مہذب و شائستہ
ہوون تو کیونکر ہون اونکی ترقی کے اسباب مین ایسے رخنے ہین کہ اونکا ابھرنا اور حکومت سے سوراجی حقوق کا حاصل
کرنا دشوار ہو رہا ہے اور نیشنل کانگریس ہے جسکا قیام اسی غایت سے ہے مگر خود اوسکے ممبرون مین اختلاف
رہتا ہے اور اون مین ایک پارٹی سوراجی ہوگئی ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ کونسلون مین شریک ہوکر ایسا تعطل
پیدا کیا جائے اور انگریزون کو مجبور کرے کہ وہ ہندوستانیون کے حقوق کیجانب متوجہ ہون یہ ہر دو فریق
کی خود غرضانہ حجت و تکرار چلی آتی ہے اور یہ بھی تھا کہ حکمران قوم بغیر جھگڑا کئے ہوئے کسی مغلوب قوم کے

مطالبہ حقوق پر توجہ نہین کرتی اور کیون متوجہ ہو ہندوستان بھی تو اپنے کو قابل و لائق بنائے اور تاریخ
کے اس مقولہ پر عمل کرے کہ جیسا رنگ زمانہ کا ہو وہی رنگ اختیار کیا جاے دیکھئے تو سہی ایک جانب
ہندوستانی لیڈر حصول سوراج کا آوازہ بلند کئے ہوے ہین دوسری جانب جنکی حمایت کیواسطے یہ غلغلہ
ہے اور لیڈران قوم جیل کے مصائب اٹھا رہے ہین۔ اور اپنا روپیہ صرف کر رہے ہین وہ دوسرے
اسکے خلاف خونریزی مین مشغول ہین جنکا نتیجہ بجز ملکی و قومی نقصان کے اور کچھ بھی نہین ہے پھر یہ ہم
کہ ہندوستانیون کے اغراض کی تعمیل تو حکمران قوم کردے آخر اوسکے اغراض بھی کچھ ہین یا نہین بارہا
یہ ذکر ہو چکا ہے کہ پہلے مختلف اقوام متحد و متفق ہون اوسکے بعد دیکھنا ہے وہ کون حکمران قوم ہے جو ایسی
قوت و طاقت کیحالت مین اونکو اپنے ملکی حقوق سے محروم کر سکتی ہے اب ہتھیارون سے جنگ کا
زمانہ نہین ہے بلکہ ایک عالم تاریخ دان حکمران قوم کا زمانہ ہے اور اسکو ہر مورخ تسلیم کریگا کہ انگریزی
قوم خود ہی محکوم اقوام کو تعلیم دیتی ہے اور جب وہ لائق ہو جاتے ہین تو طالب حقوق ہوتے ہین اور
یہی طلب حقوق حاکم و محکوم کے درمیان کشمکش کا سبب ہوتی ہر حکومت مین یہی کشمکش رہتی ہے اور
ایک عرصہ سے ہندوستان اسی مین مبتلا ہو رہا ہے ہندوستان کیا چاہتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ انگریز
ہندوستان مین بدستور قایم رہیں اور حکومت مین اسکو بھی خود مختارانہ طور پر شریک کرین کہ وہ
بجٹ وغیرہ پر قابو پاکر اپنے ملک و قوم کی ترقی و بہبود کیواسطے اوس دروازہ کو کھولے جو بند کر لیا گیا ہے
اور جس کے کھولے بغیر ملک صنعت و حرفت مین ترقی نہین کر سکتا تاوقتیکہ بجٹ مین روپیہ منظور نہو
چند عہدون کے ملنے اور نوکری و چاکری سے کہین ترقی ہو سکتی ہے صدہا اور ہزارہا بی اے مارے مارے
پھرتے ہین اونکو ایک تو نوکری ملتی نہین اور اگر مل بھی گئی تو کیا عام طور پر اسکو ترقی کہہ سکتے ہین ترقی اوس
صورت مین ہو سکتی ہے جب کلون کے ذریعہ سے اونکی تجارت کو فروغ ہو اس خالی خولی علم کے ہونے
سے تو کبھی ہندوستان معراج عروج و کمال پر نہین پہونچ سکتا۔

یہ مناقشات مذہبی و سیاسی جدید نہین ہین بلکہ ہمیشہ رہا کئے ہین اور ہمیشہ رہینگے اس قصہ کو یاد
رکھنا چاہیے جو توریت کے باب الخروج مین ہے جسکا یہ منشا ہے کہ ایک لڑکا پیدا ہوگا جو فرعون کی ساری
فرعونیت کو خاک مین ملا دیگا اور اسکی حکومت اوسکے قبضہ قدرت سے جاتی رہیگی چنانچہ وہ لڑکا پیدا ہوا
جسکی سرگذشت عجیب و غریب ہے یہ حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے جب آپ پر حافظ شیراز کا یہ شعر
صادق آچکا۔

شبان وادی ایمن گہے رسد بمراد کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

توحضرت ہارون اور آپ مصر مین تشریف لیگئے اور بغیر کسی طرح کے خوف وہراس کے فرعون سے مکالمہ کیا کہ بنی اسرائیل کو رہا کرنا چاہیے جنکو غلامی مین رکھکر بیگار ریجاتی ہو اور خدا کی ہستی اور ہے وہ وحدہٗ لاشریک ہے اسکی قبول کرکے اپنی خدائی کو ترک کردو فرعون بنی اسرائیل پر جس غرض سے ظلم وستم کرتا تھا وہ سیاسی اغراض سے تھا کہ فرعون کی حکومت قایم رہے اور یہ طبقہ ترقی نکرنے پائے ورنہ فرعونی حکومت کا زوال ہوجائیگا مگر اوسنے ایک نہ سُنی اور بالمقابل سامری کو لاکر کھڑا کردیا اب ایک تاریخ مقرر ہوئی اور منادی نے تمام ملک مصر مین یہ ندا ہوجائی کہ فلان تاریخ سامری اور اوس ساحر کنعانی سے مقابلہ ہوگا ناسخ التواریخ مین بیان ہے کہ تاریخ مقررہ مین جو میدان تجویز کیا گیا تھا وہان سارے ملک کی خلقت اُمنڈ آئی تھی کہ دیکھین آج کیا ہوتا ہے جب مقابلہ کی نوبت آئی تو وہ عصا جسمین انبیاء کی روحانی طاقتین سرایت کئے ہوے تھین اوسنے اپنی معجز نمائیون کا منظر پیش کیا اور سامری نے بھی اوسی طرح پر اپنی سحر کاریون سے کام لیا مگر جب آپکا عصا اژدہا بن گیا اور اسکے مُنہ سے آگ کے شعلہ نکل کر بلند ہونا شروع ہوے تو وہ ساری مخلوق جو اس تماشہ کے لیے جمع ہوئی تھی اوس پر ایسا خوف طاری ہوا کہ آخر کار بھاگ کھڑی ہوئی اور ہزارہا آدمی ایک دوسرے پر گر کر ہلاک ہو گئے اور فرعون جو برسر بام کمرہ مین بیٹھکر یہ تماشہ دیکھ رہا تھا جب یہ اژدہا منہ کھولے ہوے اور شعلہ بلند کرتا ہوا اوسکی [illegible] ب جھپٹا تو بھی سو مصاحبین بھاگ کھڑا ہوا اور اس طرح پر حق نے باطل پر فتح پائی۔ اور جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا کا آوازہ مصر کی ہر چہار جانب بلند ہوگیا۔

اسی طرح پر اور بھی سیاسی وروحانی مناقشات ہین جو ہمیشہ دین پرست اور دنیا پرست حکومتون مین ہوا کئے ہین اور ہوتے رہینگے تاریخ کا یہ فتویٰ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر ملک مین جب کبھی کسی پیشوائے دین کے پاس خلقت کا میلان ہوا اور جوق درجوق خلائق کی آمد و رفت جاری ہوئی اور اوسکا اثر پبلک پر ہوا تو حکومت کے حاشیہ نشینون اور خوشامد پسندون نے حکمران کو اشتعال دیکر آمادہ کیا کہ ایسے اثر کا قلع وقمع کرنا چاہیے مبادا یہ اثر بڑھکر کہین حکومت کو نیست ونابود نکردے یہی وہ نیرنگی تھی کہ جو بنی اسرائیل تھے اور یہودی کہے جاتے تھے کہ یہودیہ مقام مین اونکی سکونت تھی جیسا کہ مسیح تھے بنی اسرائیل مگر ناصریہ کی سکونت سے ناصری لکھے گئے اونہین یہودیون نے رومہ والون سے ملکر اور تیس روپیہ حضرت عیسیٰ کے ایک حواری کو دیکر آپکو دار پر چڑھوا دیا تھا دوسری نیرنگی میدان کربلا کا معرکہ ہے جو بھی روحانیات وسیاسیات کو لئے ہوئے ہے ایک وقت تھا کہ اسلام کے تحت سیاسیات تھی بعہد یزید اسلام تابع بالکل دنیاوی حکومت کے ہوگیا اور زناکاری اور تشراب خواری

یہانتک کہ حلال وحرام مین مطلق امتیاز نہ رہا تھا یزید کی رفتار یہی تھی اور وہ پابند احکام خدا و رسول نہ تھا
اور جو پابندی احکام شرعی نہین کرتا اور نہ عقبیٰ کا خوف اُس سے جو معاصی ہون کم ہین ایک طرف
یہ ظلمت پہیلنا شروع ہو گئی ہے اور دوسری جانب ایک مقدس و نورانی ہستی کی خواہش یہ تھی کہ اگر
یہ تاریکی قائم رہی تو نور اسلام باقی نہ رہیگا بس ظلمت و نور مین مقابلہ ہو پڑا اور یہ مقابلہ دنیا مین ایسا ہوا ہے کہ
اپنی آپ ہی مثال ہے ہر چند کہ انبیا اور رسولان ماسبق پر بھی اونکے زمانہ مین حکومتی مظالم و شداید ہو چکے ہین
مگر وہ ذاتی و شخصیت لیئے ہوے تھے جیسے کہ حضرت یحییٰ و ذکریا اور دیگر نبیون اور رسولون پر ظلم ہوا کیئے ہین
اور یہ مظالم بھی اوسی اندیشہ کے سبب سے ہوتے رہے جنکا ذکر ہو چکا ہے اور تاریخ کا یہ بھی مقولہ ہے کہ حکومت
نے اون پر بظاہر خفیف الزام لگائے اور پھر اونکو ہلاک کیا خواہ یہ ظلم مذہبی و قومی تعصبات سے ہون لیکن
اصلی و حقیقی غایت حکومت کی یہی تھی کہ انکا قیام حکومت کی تباہی کا ہمیشہ سے سبب قرار پایا ہوا ہے یہ
سب کچھ ہوتا رہا مگر اون برگزیدگان خدا نے حق کو نہین چھوڑا جو امام نے اونکی ذات خاص مین ودیعت کر رکہا
تھا اور یہ وہی ظلمت و تاریکی ہے جو یزید کے ظالمانہ و جابرانہ عہد مین پہیلی ہوئی تھی مورخین اسلامیہ نے
کئی سو برس وسی طرح بضمن حالات و واقعات کربلا اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ جو ظلم و ستم یزید و یزیدیون
نے کیا وہ کسی اہل فرنگ نے نہین کیا یعنے مسلمان ہو کر اونہون نے اپنے پیغمبر کی اولاد کا کچھ بھی احترام نہین
کیا اور یزید نے بغرض تحفظ حکومت اور یزیدیون نے بطمع و حرص دنیاوی وہ کر دکھایا جس سے اچھی
طرح پر ثابت ہو گیا کہ دنیاوی اغراض دینی و مذہبی جذبات کو مغلوب کر دیتے ہین تو پھر کم و بیش وہی ہوا
کیا ہے جو پہلے ہوتا رہا تھا یہ کربلا کا معرکہ دنیا کے اون سب معرکون سے بڑھا ہوا ہے جو پہلے گذر چکے ہین
اور پہلے ہوے تو ہین مثلاً فرعون و حضرت موسیٰ کا معرکہ ہے مگر وہ بھی اس معرکہ کے مقابل نہین ہے کربلا کا معرکہ
وہ ہے کہ اوسکی بنیاد اول بیعت کی چھیڑ چھاڑ سے ہوئی اور بیعت کیونکہ اور کس طرح ہو سکتی تھی جبکہ ایک نورانی
و مقدس ہستی کا دست حق پرست تھا اور دوسرے کا ہاتھ نجس و کفر کی آلائش سے پاک نہ تھا اس سوال کا
جواب نفی مین دیا گیا اس سے پہلے امارت شام یعنے یزید کے باپ نے اس امر مین بڑی کوشش کی تھی کہ آپ
یزید کی ولیعہدی کو تسلیم کر لین مگر آپ نے اسکو قبول نکیا تھا اور امیر شام نے مرنے کے قبل ایک وصیت نامہ
مرتب کیا تھا جسمین یہ لکہدیا تھا کہ حسین بن علی سے میرے بعد در گذر کیجائے لیکن جسکو وصیت کی تھی وہ
کب اسپر عمل کرنیوالا تھا اس مقام پر یہ بیان کر دینا ضروری ہوا کہ تاریخ عمل کو دیکھتی ہے نہ خالی مبالغہ
آمیز اعتقادی الفاظ کو اور انسان کی حالت یہ ہے جیسا کہ ایک فلسفی نے بیان کی ہے کہ اگر صبح کو نہایت
راستباز اور دیانتدار ہے تو شام کو اپنے اغراض کے سبب سے بے ایمان و دروغ گو ہو جایا کرتا ہے یزید کی یہ

حالت کہاں تھی کہ صبح کو ایماندار تھا اور شام کو بے ایمان ہو گیا تھا صبح و شام کیا وہ تو مدتون سے
احکام خدا و رسول کا ماننے والا نہ تھا اگر کربلا کا معرکہ نہوتا تو وہ ساری امت اسلامیہ کو اپنی حکومت
مین اپنا بنا لیتا اسی سے ایک شاعر یہ شعر خوب نظم کر گیا ہے۔

سر داد نداد دست در دست یزید　　　حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

اصل کتاب مین یہ شعر لکھا گیا ہے اور اس موقع پر بھی درج کر دینا مناسب معلوم ہوا ہے اب پھر
اس امر کی توضیح کی جاتی ہے کہ کربلا مین آپ نے جو خطبات ارشاد فرمائے ہین اونمین یہ بھی ذکر ہے کہ مین
موت سے مطلق خوف نہین کرتا بس ظاہر ہے کہ انسان جب موت سے خائف نہین ہوتا تو وہ شجاع
و بہادر و دلیر بھی ہے اور صابر و شاکر بھی اور برضائے خداوند تعالے جان دینے والا سمجھا جاتا ہے اور یہی
مراتب و مدارج روحانیات وہ ہین جن سے آپکا کامل الایمان ہونا ثابت ہے اور یہ بھی بدرجہ اعلیٰ ثبوت
کو پہونچ چکا ہے کہ ایک امر کا اظہار جسکو آپنے ایک مذہب اسلام کے خلاف کرنے والے جابر بادشاہ
کے مقابل کیا تھا اوسکو آپ نے کس طرح انجام کو پہونچایا یزید کیجانب سے تو وہی ہوتا رہا جو ہمیشہ ایسی حالتون
مین ہوا کیا ہے مگر دنیا مین وہ کون ایسا ہوا ہے کہ اوسنے اس طرح اپنی روحانی قوت سے احقاق حق و ابطال
باطل مین روشن و نمایان مکالمہ کیا ہو تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب کبھی ایسی طور پر بزمانہ سلف ظلمت و نور
مین معرکہ ہوا ہے تو ظلمت کے مقابلہ مین نور بظاہر مغلوب ہو کر رہگیا ہے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اس شکست کا
انتقام لیجانا ممکن تھا یہ خیال مادہ پرستون کا تھا اور اب بھی ہوا کرتا ہے جنکے خیالات محسوسات تک
محدود ہو کر رہ گئے ہین اور غیر محسوس روحانی قوتون پر اونہون نے غور نہین کیا اور نہ ایسے احساس
کی اونمین قابلیت تھی اور ہے کہ اس آغاز کا انجام کیا ہے دیکھئے کہان فرعون اور کہان حضرت
موسیٰ علیہ السلام پھر غور کیجئے کہ اسکا انجام کیا ہوا یہ ہوا کہ وہ اور اوسکا سب لشکر رود نیل مین غرق
ہو کر رہ گیا اور کربلا مین جو مظالم ہوئے اور خون ناحق بہایا گیا اوسکا نتیجہ یہ تھا کہ یزید کی ساری حکومت
جاتی رہی مدتون یہ اثر سرایت کرتا رہا یہانتک کہ مختار کے اقتدار نے بہتون کو تباہ کر دیا حال کی جنگ
مین جب انگریزون کا اقتدار عراق مین ہوا تو اونہون نے یہ بھی تحقیق کرایا کہ قدیمی قبائل کی نسل مین
کوئی قبیلہ باقی ہے یا نہین تو ثابت ہوا کہ ایک بھی قبیلہ اب نہین ہے مگر اون بعض قبائل کی
نسل اب تک ہے جنہون نے شہدائے کربلا کو دفن کیا تھا یہ کربلا کا معرکہ وہ ہے کہ دنیا مین آجتک
ایسا کبھی نہین ہوا کہ ایک کثیر لشکر نے میدان مین کسی نبی یا رسول کا معہ انکی اولاد و عزیز و اقربا و رفقا
کا محاصرہ کیا ہو اور پانی بند کر کے سبکو شہید کر دیا ہو اور یہی نہین کیا بلکہ اجساد مطہرہ پر گھوڑے

دوڑا کر اونکو کچل ڈالا ہو اور سر دن کو کاٹکر نیزون پر بلند کیا ہو اور اپنے مردون کی تجہیز و تکفین کی ہو اور راہ خدا میں شہید ہونیوالون کے اجساد کو ریگ گرم پر چھوڑ دیا ہو اور یہ ہی تو ہوا ہی کہ سب چھوٹے و بڑون کے سرہائے شہدا کے آگے آگے ایک سر طویل نیزہ پر امام قافلہ سالار کا ہو اور آپکے سر مقدس کے عقب مین اُن سرون کی قطار چلی جاتی ہو جنکو بھی اشقیا نے نیزون پر کیا تھا آگے آگے سرون کا سلسلہ تھا اور پیچھے اُنکے وہ مخدرات عصمت و طہارت تھین جنکو آپ اپنے ہمراہ لیگئے تھے وہ سب گریہ و بکا کرتی جاتی تھین اور اشقیائے اُمت کا تذکرہ ہو تمین ایک وہ بھی تھین جنکا نام حضرت زینب سلام اللہ علیہا تھا یہ آپ کی ہمشیر تھین

اونھون نے مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک تو جو کچھ دیکھا تھا وہ دیکھا پھر اون سب قیدیون کی قافلہ سالار تھین جو شتران برہنہ پر مظلومیت کے ساتھ شام تک گیا تھا اور شام مین جو کچھ ہوا اوسکو دیکھا اور بعد اوسکے شام سے مدینہ وہ قافلہ واپس آیا کیا دنیا کی کسی قوم کی تاریخ بتا سکتی ہے کہ ایسا ایسا ظلم و ستم ہوا ہے اگر آپ بھی مثل اور اصحاب اور دیگر یزید پرست مشاہیر کے ہو جاتے اور حقیقی اسلام پرستی کو چھوڑ کر یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے جو ایسے موقع پر بکثرت دنیا پرست کیا کرتے ہین اور کرتے رہتے ہین تو آپکا بھی ایک نہ زندگی بسر کر نیوالون مین شمار ہو جاتا اسواسطے بھی افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری ہوا تھا لیکن آپ کے اسکو منظور نفرمایا کہنے والے کہہ گئے ہین کہ یزید کے ذاتی افعال سے آپ نے کیون درگذر نہ کی ایسا ہو جاتا تو یہ جھگڑہ ختم ہو کر رہ جاتا یہ وہ لوگ کرتے ہین جو ذاتی رسوخ پیدا کر کے حکومت سے اپنی ترقی مدارج کے خواہان رہا کرتے ہین نہ کہ وہ برگزیدہ بندگان خدا جنکی تقدس مآب ہستی مین روحانیات کا جزو اعظم شریک ہوا کرتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ذاتیات سے کیون نہ درگذر کی اور کیون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریون نے بعہد حکومت رومیا مذہبی تبلیغ کو جاری رکھا اور انپر اوس حکومت کی جانب سے کس درجہ مظالم ہوتے رہے مگر اونھون نے اوسکی ذرا بھی پرواہ نہ کی اور اپنا فرض ادا کرتے رہے منجملہ اون فرائض کے یہ فرض بھی ہونا چاہیے تھا کہ نور اسلام اوس ظلمت سے محفوظ رہے جو یزید کے زمانہ مین پھیلتی ہوئی چلی جاتی تھی اور جس زمانہ مین ایسا ہوا کیا ہے کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ کھڑا ضرور ہو گیا ہے کہ نور کو مبدل بہ ظلمت ہونے دے مگر حکومت کے مقابلہ مین کھڑا ہونا کیا آسان ہے اور کھڑے ہو کر یہ کہنا اور بھی مشکل ہے کہ حکومت اپنا مذہب تبدیل کر کے ہمارا مذہب قبول کرے یا حکومت اون اصول و قواعد کو موقوف کرے جن سے اون مذاہب کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے جو انبیاء و رسول پھیلا چکے ہین ایسا کہنے والے غریب ہوا کرتے تھے لیکن اونکی روشنی و صداقت شعاری کا اثر خداداد تھا اونھون نے بڑے سے بڑے بادشاہون کا مقابلہ کیا خود مٹ گئے لیکن مٹنے کے بعد جس نے اونکو مٹایا وہ بھی مشکل رہگیا اور وہی روشنی تاریکی پر غالب آئی جو تمام عالم مین پھیلی ہوئی نظر

آرہی ہے اور یہی جلوہ وہ تھا اور ہے جو ہمیشہ سے اپنی تابانی اور درخشانی دکھاتا ہوا چلا آرہا ہے وہ بھی یہی تھا
کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے ایک قریہ سے بوجہ اوس زمانہ کی حکومت کے ہجرت کر کے شام مین
چلے گئے تھے اور جب ایک دریا کو عبور فرمایا تھا تو آپ عبرانی ہو گئے تھے اور آجتک یہودیون کو اسی اضافت
سے عبرانی بھی لکھتے ہین اور یہی جلوہ روحانی وہ ہے کہ آپ جب شام سے مصر تشریف لیگئے تو فرعون
اور آپ سے حضرت سارہ کا جھگڑا پیش آیا مگر روحانی تاثیرات سے آپ کامیاب ہوکر واپس آئے
اور فرعون نے بہت سے تحفہ و تحائف دیکر رخصت کیا اور حضرت ہاجرہ کو بھی ساتھ کر دیا جنکی نسبت
یہودی لکھتے ہین کہ وہ فرعون کی کنیز تھین مگر مولوی سید احمد خان صاحب نے تاریخ سے ثابت کیا ہے
کہ وہ شاہزادی تھین اور اونکا حسب و نسب اور بزرگی اس سے ثابت ہے کہ توریت مین بشارت
موجود ہے کہ حضرت سارہ و حضرت ہاجرہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اس کثرت سے دنیا
مین پھیل جائیگی جس طرح پر آسمان پر ستارہ پھیلے ہوے ہین دونون کے متعلق یہ الہامی بشارت دیگئی
ہے اور یہ بیویان ہین جنکا نام نامی عالم مین مشہور ہے ایک وہ تھین جو شام سے مصر گئی تھین اور حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے بوجہ اسکے ہجرت کی تھی کہ شام مین قحط پڑا ہوا تھا مگر مصر مین بھی آپکا قیام عرصہ
تک نہ رہا فرعونی قانون تھا کہ جو عورت حسینہ و جمیلہ ہوتی تھی وہ فرعون کی محل سرا مین داخل ہو جایا کرتی
تھی اور یہی وہ قانون تھا جس سے محفوظ رہنے کے لیے جب فرعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو
طلب کیا اور حضرت سارہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو میری ہمشیرہ ہین نہ کہ زوجہ اب فرعون
کیا کر سکتا تھا بجز اسکے کہ وہ اوس حرکت سے باز رہے جس سے دباؤ ڈالکر اپنی مطلب برآری
چاہتا تھا دوسرے بیوی حضرت صفورہ ہین وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ تھین جبکہ آپ تبلیغ
کیواسطے روانہ ہوے تھے مگر اونپر بھی کوئی ظلم و ستم نہوا تھا اور نہ فرعون کے دربار مین گئی تھین تیسرے
حضرت ہاجرہ ہین کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اونکو اوس سرزمین پر چھوڑ آئے جہان بالکل زراعت
نہوتی تھی اور وہ اپنے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر ادھر ادھر پھرتی تھین کہ کوئی
ملجائے تو اونکی اعانت کرے اور بہت پریشان تھین اور یہ حج کے ارکان وہی ہین جو آپ نے قائم
کیے تھے اوسوقت قبیلہ جرہم نے آپکی مدد کی اور حضرت اسمٰعیل کو پرورش کیا مگر حضرت زینب نے
تو وہ مظالم برداشت کیے جو دنیا مین کسی باعصمت بی بی نے نہ برداشت کیے ہونگے کسی تاریخ
مین یہ نہین دیکھا گیا اور نہ پتہ چلتا ہے کہ مخدرات عصمت و طہارت مین کوئی بھی بی بی ایسی گذری
ہو کہ اونھون نے مدینہ سے مکہ تک اور مکہ سے کربلا تک اون مصائب کا تحمل کیا ہو اور کربلا مین

اپنے بہائی وعزیزون اور خود اپنی اولاد کو شہید ہوتے دیکھا ہوا اور بعد ان واقعات کے دمشق تک اثنا راہ مین جو کچھ گذرا اوسکا حال صدر مین بیان ہو چکا ہے پہر یہ بھی تو گذر چکا ہے کہ کوفہ مین جب ایک شقی ازلی نے ابن زیاد کے روبرو سر اقدس کو پیش کیا تو طالب صلہ ہوا اور کہا کہ بہر دو میری رکابی سونے وچاندی سے مین نے اونکو قتل کیا ہے جنہون نے قبلتین کا سجدہ کیا ہے اور نسب مین اونکے برابر دنیا مین کوئی نہ تھا ابن زیاد نے کہا کہ جب تو ایسا جانتا تھا تو پہر کیون ایسی حرکت کی اور حکم دیا کہ اسکو بھی قتل کر دیا جائے پہر اوس مقدسہ بی بی نے یہی نہین دیکھا یہ بھی تو دیکھا ہے کہ جب قیدی یزید کے دربار مین پیش ہوے اور تمام اوسکے افسران فوجی وملکی اور سفرائے غیر ممالک جمع تھے تو یزید نے دربار مین یہ عجیب فقرہ کہا کہ مین نے کچھ نہین کیا اور نہ مجکو معلوم ہوا کہ کیا اور کیونکر معرکہ کربلا ہوا تو اوسوقت آشنا وصدقنا کا آوازہ بلند کیا کہ آپ کا ہیکو کرتے یہ سب ابن زیاد کا قصور تہا مگر ایک افسر فوجی جو راستگو اور راستی پسند تہا وہ یہ سنکر پکار اوٹھا کہ کیا خوب آپنے حکم فوجی افسران کو دیا اب کہتے ہو کہ مین نے کچھ نہین کیا گویا ہر چہ کرد سگ کرد یہ سننا تہا کہ یزید غصہ مین آیا اور حکم دیا کہ فوراً یہ قتل ہو یہ اس سے کہا کہ یہ خوشامدی نہ تہا اور سچا تہا اسلیے بہرے دربار مین یزید کو جہوٹا قرار دیا تہا اور یہی تاریخی نکتہ وہ ہے کہ ہمیشہ حکومت پرست عہدہ دار اور وزرا حق کو چھپاتے رہے ہین اور خوشامد کے ذریعہ رسوخ پیدا کر کے برگزیدگان خلائق کی چغلیان کہا کہا کر اونکے قتل کے باعث ہوا کیے ہین پس دنیا کی تاریخ یہی تکرار کرتی ہوئی چلی آتی ہے اور یہی تکرار ہمیشہ ہوا کریگی اب ہم روحانی جلوہ نمائیون سے اگر در گذر لیجائے تو اس تاریخی تکرار پر غور ہو کہ یزید نے جاسوس مقرر کیے تھے جو اس زمانہ مین خفیہ پولیس کے نام سے مشہور ہین کہ امام عالیمقام کو دیکھتے رہین اور رپوٹ کرتے رہین کہ یہ کہان جاتے ہین اور کیا کرتے ہین اور یہ بھی وہی تہا کہ کوفہ مین جب حضرت مسلم کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا تو ابن زیاد نے ایک شخص کو جامع مسجد کوفہ مین بہیجا کہ تم شیعہ بنکر دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے وہ آیا اور سب نمازیون مین ملکر نماز پڑھی اور واپس جاکر جو کچھ دیکھا تہا ابن زیاد سے کہدیا پہر ابن زیاد نے حضرت مسلم کے ساتھ کیا جو کچھ کیا یہ تاریخی تکرار حکومت کے مقابلہ مین گرم وسرد ہمیشہ رہیگی اور یہ بکر ملا کی حقانی سرگذشت جسکو ہم بیان کر آئے ہین یہ دنیا کی تاریخ مین بیمثال ہے کہان ایسے جانباز اور جان نثار ہو گذرے ہین کہ اونکے امام وپیشوا بار بار یہ فرماتے تھے کہ یزید کا تعلق مجھسے ہے نہ کہ تم لوگون سے تم چلے جاؤ وہ کہتے ہین کہ آپکو چھوڑ کر ہم نجاویںنگے اگر ہزار مرتبہ قتل ہون اور پہر زندہ ہون تو آپکا ساتھ نچھوڑینگے آپکے یہ اصحاب بھی ایسے تھے کہ جو وعدہ کیا اوسکو پورا کر دکھایا کہان

انبیا ردادصیا رکوایسے اصحاب کہانتک ملے ہین جنہون نے اس طرح پر فرائض حقانیت ادا کئے ہون اور
یہ خصوصیت ایسی معرکہ کی ہے کہ اوسکی تعلیم کسی مذہب اور قوم کے منافی نہین ہے سب اقوام اور
ملل اسکی تعلیم سے فیضیاب ہوسکتے ہین پھر دیکھیئے کہ اون خطبات سے کیسی تعلیم دینا و دین کے متعلق
نکلتی ہے جسکو حضرت زینب وحضرت امام زین العابدین نے فرمایا ہے اور باوجود اسکے کہ یہ تمام نظام
دیکھ رہے تھے کہ یزید کیسا سفاک اور جابر ہے تاہم بغیر کسی خوف کے یزید کے دربار مین اسکو برا کہا
اور کوئی دقیقہ ابن زیاد اور یزید کے برا کہنے مین اوٹھا نہین رکھا اور یہ وہی ہین جو موت سے خوف نہین
کرتے تھے اور حق پرستی کو ترک کرکے باطل پرستی اختیار کرنیوالون مین نہین تھے کیا کربلا مین وہ نہ تھے
جنکے اعزہ واقربا یزید کے لشکر مین تھے اونہون نے میدان مین آکر اون حق پرستون سے باواز بلند
کہا کہ تم سب چلے آؤ ہم یزید سے تمھاری خطا معاف کرادینگے بجواب اسکے اونہون نے کہا کہ ہم حق کو
چھوڑکر باطل کی پیروی نکرینگے یا یون سمجھیے کہ جنت کو چھوڑکر دوزخ قبول نکرینگے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ
شخصیت کا دور تھا اب یورپ نے قومیت کا دور قائم کر رکھا ہے اور سیاسیات وقومیت کے سلسلہ
مین مذہب کو بالائے طاق کر دیا ہے یعنے مذہب سیاسیات کا تابع ہوگیا ہے اور قومیت ومادہ پرستی
نے روحانیات کو مسمی کر رکھا ہے اور جبکہ صدر مین یہ ذکر ہوچکا ہے کہ اقوام یورپ مادہ پرست ہوکر
رہگئی ہین تو اسکا ایک سبب یہ بھی ہے کہ علوم ربانی متضمن بروحانیات والہامات بعد حضرت آدم حضرت
شیث پر منتقل ہوے اور وہی تعلیم الہامی وہ تھی جو حضرت ابراہیم کی اولاد پر منتقل ہوا کی یعنے اون علوم
سے حضرت اسحاق وحضرت اسمعیل کی اولاد متاثر ہوئی پس روحانیات کا دعوی اگر یہودی اور
عرب کرین جو حضرت اسمعیل کی اولاد مین تھے اور مین حق بجانب ہے نہ کہ مذہبی امتون کا دعوی صحیح
سمجھا جائے جیسا کہ یورپ کے عیسائی ہین اور دیگر مسلمانون کے طبقات اور یہی وجہ ہوئی کہ یورپ
کی تعلیم کا اثر ایشیا مین جس طریق سے پھیل رہا ہے اوسنے یکر رکھا ہے کہ دنیا کی ہر قوم کے افراد مین
مذہبی روحانی تعلیم بطور نمایش باقی رہگئی ہے اور عورتون مین تو مذہب کی پابندی کا کچھہ شائبہ پایا
جاتا ہے مردون مین مذہبی عمل جیسا چاہیے وہ اب نہین ہے اس زمانہ مین بطلب حقوق سیاسی سر نذر
نہین کیا جاتا ہے جیسا کہ پہلے قومون مین دستور تھا اور یہ دستور محمد شاہ کے عہد تک قائم تھا جب
آخر تو امیر الامرا نواب حسین علی خان بہادر کو ہلاک کر دیا گیا اور اونکا سر کاٹکر محمد شاہ کو نذر بھیجا گیا اب
ہندوستان مین انگریزی حکومت نے اس نذرانہ کی ممانعت کر دی ہے اور بجاے اسکے جیل عبور دریا
شور کی سزا قائم رکھی ہے یہ تخفیف سزا کیون عمل مین آئی اور ایسا کیون ہوا ہے اس سبب سے اسواسطے

ہوا ہے کہ ایک زمانہ میں خود انگلستان میں شخصیت کا زور شور تھا تو انگریزی قوم نے بڑی قومی کشمکش سے پارلیمنٹ قایم کرائی تھی یہ وہی تاریخی تکرار ہے جس سے ہندوستان بھی متاثر ہو رہا ہی اور یہ امر مسلمہ ہے کہ ہر زمانہ کی تاریخ ایک محور ہوا کرتی ہے جس پر حاکم و محکوم کے اغراض گردش کرتے رہتے ہین اس سے دنیا مین کوئی حکومت خالی نہین ہے اور جبکہ اعلیٰ حکمران جس سے مراد بادشاہ اور شہنشاہ ہین اپنی رعایا کی حالت ادھر ادھر پھر کر نہین دیکھ سکتے اور نہ رعایا کے حقوق کی اصلاح قرار واقعی کر سکتے ہین رعایا کی اصلاح کا دارمدار تو اعلیٰ عہدہ دارون کی اقتداری شرکت پر رہے یہ وہی تاریخی دفتری اقتدار ہے جو شخصیت و قومیت کے زمانہ مین تکرار کرتا ہوا چلا آتا ہے اور یہ بھی ہے کہ عہدہ دارون کے اغراض اور ہوجایا کرتے ہین اور بادشاہون کے اغراض و مقاصد تو ہمیشہ سے یہی رہے ہین کہ اونکی رعایا مرفہ الحال رہے اب یہ وہی شترکہ اقتدار ہے جس نے شکایت انگیز غوغا بلند کر رکھا ہے اور محکوم اقوام کا بیان ہے کہ جب تک اس قومی کشمکش مین ہمارے لیڈرون کو آزادی کے ساتھ شریک حکومت نہ کیا جائیگا اوسوقت تک ہمارے حقوق حاصل نہونگے یہ حکومت کے مقابلہ مین ایک ایسا قضیہ ہے کہ اس پر خار میدان مین لیڈران قومی مرد میدان ہوکر قدم رکھ سکتے ہین جو بخوف و نڈر ہوکر ہر طرح کے مصائب و تکلیفات کا بار اٹھا سکتے ہین نہ کہ وہ حضرات جنکا لقب پہلے زمانہ مین منافق تھا اور اس زمانہ مین دورنگی اختیار کئے ہوئے ہین یعنے جب حکام کے پاس جاتے ہین تو اونکی ایسی کہتے ہین اور جب مکان پر واپس آتے ہین تو اونکی وہ تاریخ بدلکر رہجاتی ہے اور انگریز تو ایک شائستہ و تعلیم یافتہ معزز قوم ہے وہ جانتے ہین کہ محکوم اقوام مین بہت سے افراد ایسے ہی ہوا کرتے ہین انگریز بھی اونسے اخلاقی باتین کر لیا کرتے ہین اور جبکہ مذہبی و قومی اختلاف حاکم و محکوم کے درمیان ہوجاتا ہے تو فاتح مفتوحہ رعایا پر اعتبار اوس طرح پر کیونکر کر سکتا ہے جو اپنے ہم مذہب و ہم قوم پر کرتا رہتا ہے اور اسکے متعلق ایک مثال بھی پیش کیجاتی ہے کہ نادر شاہ نے یہ بہت بڑے غلطی کی تھی کہ مفتوحہ قوم پر بھروسہ و اعتبار کرکے اونکے رسوخ کو بڑھا رکھا تھا جس غلطی کا نتیجہ ایسا ظہور پذیر ہوا جسکو تاریخ کے جاننے والے بخوبی جانتے ہین مگر اس مثال کے پیش کرنیوالے یہ نہین سمجھتے کہ اوس زمانہ کی تاریخ اور تھی اور اس زمانہ کی تاریخ بدلکر اور سے اور ہو گئی ہے انگریزون نے اپنی حکومتی تاریخ کو بالکل بدل دیا ہے اور یہ اوسی متبدلہ تاریخ کا نتیجہ ہے جس نے انڈیا کے ہر گوشہ مین قومی و سیاسی چرچا پھیلا رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی قومی و سیاسی لیڈر گورنمنٹ سے اون حقوق کے طالب ہین اور طلب بھی آزادی کے ہاتھ ہے اور اونکا یہ بھی خیال ہے کہ ایک زمانہ

مین جبکہ انگلستان مین شخصیت کا دور تہا تو رعایانے اسی طرح پر کوشش کر کے اپنے حقوق حاصل کرلئے تھے ہمارا مطالبہ بھی اگرچہ باختلاف قومی و مذہبی ہے تاہم غالب و فاتح قوم کا کیا یہ فرض نہین ہے کہ ہمکو بھی شریک حکومت کرے ان مطالبات کو تکمیل کے درجہ تک پہونچانے کے واسطے جو آزادانہ طرز عمل لیڈران قوم نے اختیار کر رکہا ہے وہ ازمنہ ماضیہ مین کہان تہا جبکہ ادنیٰ سیاسی خلاف ورزی مین سزائین بھگتنا پڑتی تھے اور بخوف قتل و ہلاکت اور سخت سزاؤن کے اوس زمانہ کے لیڈر بھی دم بخود ہوکر رہجاتے تھے یہ ہندوستانی لیڈر کیا ہندو کیا مسلمان ابھی اوس آزمایش مین پورے نہین اوترے ہین اور یہ زمانہ جابر گورنمنٹون کا بھی نہین ہے کہ اونکو ایسا موقع ملتا جیسا کہ سر ولیم میور صاحب نے اپنی تاریخ کلیسا مین بیان کیا ہے کہ مسیح کے حواریون نے روما کے عہد مین کیسی کیسی سختیان اٹھائین تب بھی مسیحی مذہب کی تبلیغ سے باز نہ آئے اور اپنی حق پرستی کو نہ چھوڑا در نہ یہ لیڈران مسلمان پیشواؤن کی یادگار ہین جنہون نے بنی امیہ کے عہد اور اس سے بیشتر قتل و ہلاکت برداشت کی یہانتک کہ اونکے ہاتھ پاؤن کاٹ ڈالے گئے اور بوٹی بوٹی جدا کی گئی مگر انہون نے حق کو نہین ترک کیا وہ مذہبی لیڈر تھے یہ سیاسی وقومی لیڈر ہین اور اپنی گورنمنٹ کی طرف دست سوال دراز کئے ہوئے ہین انہون نے مدت سے ایک کانگریس قایم کر رکھی ہے اور ہمکو یاد ہے کہ اس کانگریس کو قایم ہوئے ابھی چند سال گذرے ہونگے کہ اوسکے بالمقابل ایک اینٹی کانگریس کا قیام ہوا تھا جب لکھنؤ مین اسکا جلسہ ہوا تو اوسمین مولوی سید احمد خان صاحب میر مجلس ہوے تھے اوسمین راجہ شیو پرشاد بنارسی بھی آئے تھے سید صاحب تو نہین مگر راجہ صاحب کا یہ منشا تہا کہ کانگریس والے علی الخصوص بنگالی فتنہ و فساد پھیلاتے پھرتے ہین یہ سب توپ دم کردیئے جائین تو باغیانہ جوش دفع ہوسکتا ہے اوس زمانہ مین یہ راجہ صاحب عجیب رنگ کی پالسی اختیار کئے ہوئے تھے اونہون نے جو اسپیچ البرٹ بل کے متعلق کی تھی اوسپر بنگالیون نے برافروختہ ہوکر اونکا گڈا بنا کر اوسکو بھی پھونکدیا تہا اب کانگریس تو قائم ہے مگر اینٹی کانگریس کا پتہ بھی نہین ہے یہ ایک چراغ روشن کرایا گیا تہا مگر کانگریس کے جھونکون نے چشم زدن مین بجھادیا اس نوعیت کے کل ملکی جلسون مین یہ دلچسپ نظارہ رہتا ہے کہ انمین سے بعض جلسون کے اصلی محرکین کا سراغ نہین ملتا اور جو لوگ ہان جلسہ مین شریک ہونیوالے کہتے ہین کہ فلان صاحب نے اس جلسہ کی تحریک کی ہے اور ہمکو شرکت کی دعوت دی تھی اس سے حاضر ہوے ہین اور جب محرک سے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہین کہ مین نے کسی سے نہین کہا تہا کہ اس جلسہ کو قایم کرو اب یہ وہی بات ٹھہری کہ ایک گلفانہ

مین دو پاگل تھے ایک کہتا تھا کہ مین خدا ہون اور دوسرا کہتا تھا کہ مین رسول ہون مگر جو اپنے کو خدا کہتا تھا اوسکا یہ بیان تھا کہ تمکو رسول کس نے بنایا ہے اور تم رسول کیا ہو سکتے ہو مین نے اپنی وحی تم پر کہان اور کس زمانہ مین بھیجی تھی یہ اوسوقت کا ذکر مذکور ہے جب کانگریس اور اوسکے خلاف جلسہ ہوا کرتے تھے اور کانگریس والے باغی کہے جاتے تھے اس زمانہ مین یہ لفظ متروک کر دیا گیا ہے اور حقوق کے مطالبات اور نظم و نسق کی اصلاحات کے متعلق لیڈرون کیواسطے اس کا استعمال و اطلاق ہمیشہ ہوا کرتا تھا اور یہ اونھین کا خیال تھا اور وہی کہتے رہتے تھے جنکو اپنے ذاتی و خود غرضانہ جذبات مین انہماک تھا اور اپنی ذاتی قومی و ملکی ترقی کا خیال تھا اگر یہ بات نہوتی تو انگلستان کا ایک فلسفی عالم و فاضل و مورخ لیڈر مسٹر مارلے اپنے عہدہ وزارت مین یہ جامع و مانع فقرہ اپنی ایک اسپیچ مین کبھی استعمال نہ کرتا جسکا مفہوم یہ تھا کہ جب کبھی قومی و ملکی مطالبات کے اغراض اور کشمکش کا چرچا ہوا کرتا ہے اور حاکم و محکوم مین اس طرح کا جھگڑا آ پڑتا ہے جنکے فوائد پر مضر اثر پڑتا ہے وہ چیخ اوٹھا کرتے ہین کہ یہ لوگ حکومت کے باغی ہین وہ کہنے کو تو یہ کہہ گئے مگر اب یہ افسانہ بہت کم سنا جاتا ہے اور اس لفظ کا استعمال متروک ہو کر رہگیا ہے اور موجودہ حکومت نے اسکی سزا بھی کم رکھی ہے زمانہ گذشتہ کی تاریخ مین تو سر قلم ہوا کرتے تھے اور وہ سر بریدہ بادشاہونکی نذر کیے جاتے تھے تاکہ وہ شناخت کرلین کہ ہمنے ادسی کو قتل کیا ہے جو آپکا باغی تھا اب انگریزی حکومت کی تاریخ نے آزادی کا سبق دیرکہا ہے اور یہی تعلیم وہ ہے کہ کثرت سے قومی لیڈر پیدا ہو گئے ہین جنھون نے اپنے حقوق کا مطالبہ ایک عرصہ سے جاری کر رکہا ہے اور ہندوستان مین یہ قومی و سیاسی کشمکش کا وہ درجہ پہونچ گیا ہے کہ ایک فریق بالکل بیخوف ہو کر سخت سے سخت سزاؤن کی بھی پرواہ نہین کرتا اور قید ہوکر جب جیل سے رہا ہوتے ہین تو پھر باز نہین آتے اور قومی سرگرمی کا اظہار کرتے رہتے ہین یہ صادق القول و صادق العقل بھی ہین گرفتار ہوتے ہین عدالت مین پیش کیے جاتے ہین جیل کی سختیان اوٹھاتے ہین مگر عدالت مین صفائی وغیرہ سے انکار کر جاتے ہین قید قبول کر لیتے ہین پھر اسمین اونکا کوئی ذاتی فائدہ بھی نہین ہے یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے صرف ملک و قوم کیواسطے ہے اس ملک مین جہان مختلف المذاہب اور مختلف الاقوام کی بود و باش و سکونت ہے اور ایکدوسرے کے اغراض مذہبی و قومی ہین اور زبان بھی علیحدہ ہے اگر انگریزی زبان کی تعلیم نہوتی تو ایک زبان سے وہ کام یہان ہو سکتا جو اس زمانہ مین اقوام و ملل کے متحد و متفق کرنے مین ہو رہا ہے اور کہنے والے یہ کہتے چلے آتے ہین کہ مسٹر گاندھی ایک ایسا عجیب لاثر شخص ہے کہ اوسنے ایک ایسا افسون پھونک دیا ہے کہ جسکو دیکھا گرویدہ کر دیا یہانتک کہ مارے جاؤ

اور جیل جاؤ اور اونکی پیروی کرنے والے برابر اونکے حکم کی تعمیل کرتے رہتے ہین سامری تو شعبدہ باز تھا اوسکے
شعبدے ذاتی تھے یہ کیسا سامری ہے کہ اسکے جادو شعبدون کا اثر کل باشندے تسلیم کرتے ہین یہانتک
کہ حکمران قوم کے افراد بھی اونکو اچھا جانتے ہین اور کیون نجانین اونکی ایثار نفسی کا یہ صلہ ہے کہ عام طور
پر اونکا اثر پھیلا ہوا ہے اونکا ایک اونی اثر یہ تھا کہ کہدر پتی دکھتی ہے اور دیگر حضرات کیا ہندو اور
کیا مسلمان سب کو حکم دیرکھا ہے کہ اپنے ہاتھ سے سوت تیار کرین اور ہر ماہ مین ایک مقدار کا سوت
داخل کرتے رہین اسکو زبانی جمع خرچ نہ سمجھنا چاہیے اسپر بخوبی عمل بھی ہو رہا ہے وہ کون ہے جسکا
ایسا اثر ہندوستان مین ہے اور پہلے سے بھی دنیا کی تاریخ نے آگاہ کر رکھا ہے کہ وہ پیشوائے مذہبی
جو گذر گئے ہین اور وہ قومی وسیاسی لیڈر بھی جو پہلے تھے اور اب بھی ہین اونکا اور اونکی امت وقوم
کے عمل توافق وتطابق کی میزان کے پلّہ برابر ہو گئے ہین اور یہ کبھی نہین ہوا اور نہ اب بھی ہونا چاہیے
کہ لیڈران قوم تو عمل نکرین اور اپنے پیروی کرنے والون سے عمل کرائین مثلاً مسٹر گاندھی اور
مولوی محمد علی صاحب وغیرہ جیل ہو آئے ہین تو اونکی پیروی کرنے والون نے بھی وہی کیا جو اون کے
لیڈرون کی تعلیم کا اثر تھا اب رہا یہ امر کہ ہر شخص مختلف الرائے اور مختلف الاغراض کیون اور
کب ہو جایا کرتا ہے یہ اس سبب سے ہوا کرتا ہے کہ انسان کا جب تک تعلق کسی عہدہ اور ملازمت
سے نہین ہوتا یا اوسکے اغراض کسی سے وابستہ نہین ہوتے تو اوسکی رائے آزاد ہوا کرتی ہے اور جب
تعلق ہو جایا کرتا ہے پھر اوسکی رائے بھی اس تعلق سے وابستہ ہو کر رہجاتی ہے ہندوستان مین
بھی یہی حالت دیکھنے مین آرہی ہے کہ عہدہ داران سرکاری اور دیگر ایسے اشخاص کی رائین آزاد در
پروقعت نہین ہین کیونکہ اونکے اغراض حکام وگورنمنٹ سے وابستہ ہین اور جب پنشن پاکر اپنے
مکان پر آتے ہین تو یہ پنشن مانع اونکی آزاد رائے کی ہوا کرتی ہے یورپ مین عہدہ دار بھی آزادانہ
رائے نہین رکھہ سکتے اونکی ذاتی رائے اور ہوا کرتی ہے مگر بوجہ ملازمت کے اونکی رائین بھی
گورنمنٹ کی پالیسیون کی موید رہا کرتی ہین اور یہ وہی امر ہے کہ جب تک مسٹر مکڈانلڈ وزیر اعظم نہ تھے
ہندوستان کے حقوق کے موید تھے جب وزیر اعظم ہو گئے تو اونکی سابقہ رائے کہان باقی رہی تھی
اونکی وہ ذاتی رائے قوم کی رائے کے تابع ہو گئی تھی وہ بھی قومی وسیاسی پالیسیون کی نغمہ سرائی کرنے
لگے تھے غرضکہ انسان اپنے ذاتی اغراض کا بندہ وغلام ہوا کرتا ہے مگر ردّی کے معاملہ مین وہ اپنی
ذاتی رائے کو چھوڑ کر دوسرے کی غلامی کو پسند کر لیتا ہے ہان آزاد رائے رکھنے والون مین بھی
قومی لیڈر رہین یہ اپنی قوم وملک پر فدا ہین اور اونہی کی غلامی مین اپنا فخر سمجھے ہوئے ہین انکیجانب

تو یہ اثر اپنا کام کر رہا ہے اور دوسری جانب اسکے خلاف کوشش ہوا کرتی ہے مگر افسوس
کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب یکسی سے نہین مٹیگا البتہ لیڈرون مین بعض امور مین اختلاف ہو
جب تک اسکا قیام وبقاہے کامیابی کی راہ مین روڑے اٹکتے رہینگے اور جب تک یہ روڑے رہینگے
کامیابی کسی طرح سے نہین ہوسکتی کامیابی تو اوسی صورت مین ہوسکتی ہے جب کل سیاسی پارٹیان مذہبی
اور قومی تعصب و نفسانیت کو چھوڑکر محض ہندوستان کی بہبود و سرسبزی کیواسطے کوشش کرین
اس خیال کے ٹھیک و درست ہونے مین کسی کو شک و شبہ نہین ہے مگر لاجپت رائے جی اور
مالوی جی اور دیگر اونکے ہم خیال ہندو لیڈر بھی خاصکر آریہ سماج والے اور بعض مسلمان لیڈر بھی جب
متفق ہون تو یہ ہوسکتا ہے۔ ایسے لیڈران قوم کے قلوب ابھی تک مذہبی عصبیت سے پاک وصاف
نہین ہین ابھی تک اونکی گردش زبان و قلم سے وہ الفاظ نکلا کرتے ہین کہ اون سے ہندوستان مین
قومی و مذہبی تفرقہ پیدا ہوا کرتا ہے یہ موقع اور وقت ایسی باتون کے اظہار کا نہ تھا لیکن معلوم نہین کہ
یہ وطیرہ کیون اختیار کر رکھا گیا ہے مسلمانون کی بھی یہ عادت ہے اور اختلافات تو اونکے خمیر مین ہین
کہ اونکے مذہب کے خلاف کبھی کسی غیر قوم وغیر مذہب والے نے ظاہر کیا بس یہ بھڑک اوٹھے اور انکو جو نہ کہنا
تہا وہ کہہ گذرے افغانستان مین قادیانی سنگسار کے گئے مسٹر گاندھی نے اسکے خلاف بیان کیا بس
اونکو بھی برا کہنے لگے یہ مذہبی شگوفہ کاریان ایک طرف دوسری جانب قومی قلت و کثرت کی بوقلمونیان
پھیلی ہوئی ہین جنکی غایت یہ ہے کہ کونسلون اور میونسپل کمیٹیون اور ڈسٹرکٹ بورڈون کے
ممبرون کے انتخاب کے زمانہ مین کہا یہ جاتا ہے کہ مسلمان اور ہندو لیڈرون کو ایک ہو کر منتخب ہونا
چاہیے جب تک یہ رہیگا کہ ہندؤن کو ہندو منتخب کرین اور مسلمانون کو مسلمان اوسوقت تک یہ امر
ایک تفرقہ بین الاقوام ضروری سمجھا جاتا ہے جسکی نسبت کہتے ہین کہ ایسا نہونا چاہیے مگر کیا کیا جائے جبکہ
قلوب مذہبی تعصب و نفسانیت کے رنگ سے صاف نہین ہوئے اگر ایسا نہوتا تو ہندؤن کا انتخاب
بکثرت ہوا کرتا شاذ و نادر مسلمانون کو جگہین ملا کرتین یہی حال شیعون کو بمقابلہ سنیون کے ہے شیعون کا
شمار بالمقابل اہلسنت وجماعت قلیل جماعتون مین ہے اور مسلمانون کے انتخاب کے وقت جبکہ
اہلسنت یہ بھی کہا کرتے ہین کہ فلان صاحب شیعہ ہین انکا انتخاب نہونا چاہیے بس یہ کہنا تھا کہ شیعہ صاحبان
محروم ہوکر رہجاتے ہین اور یہی سبب ہوا ہے اور رہا کرتا ہے کہ کونسلون مین شاید ہی ایک یا دو شیعہ
ممبر ہون تو ہون یہ انتخاب ایک مدت معینہ کے بعد ہوا کرتا ہے اور جبکہ انتخاب کنندون کی جماعت کا
قابلیت اور عدم قابلیت ولیاقت پر انحصار ہے تو ووٹرون کو قابل ہونا چاہیے اور جب وہ عدم قابلیت

انتخاب کرتے ہین تو ممبرون کی بہرتی سے پبلک کو کچھ بھی فائدہ نہین پہونچ سکتا یہی بت بنے ہوے بیٹھے رہتے ہین اور بجاے ملک و قوم کو فائدہ پہونچانے کے ان سے ضرر پہونچ جایا کرتا ہے اسی سے کہا گیا ہے کہ جیسے انتخاب کنندہ ہونگے ایسے ممبر ہونگے اس کہنے سے مطلب یہ ہے کہ لائق و قابل اشخاص ممبر ہون جو فائدہ پہونچانے کی قابلیت رکہتے ہون اسمین مسلمان ہون یا ہندو ہون اور ایک زمانہ تہا کہ جبکہ ہندو اور مسلمان روسا بہی کونسل واضع آئین و قوانین مین ممبر ہوا کرتے تہے اور متوسط درجہ کے مسلمان اور ہندو بہی مگر وہ سب حکومت کا تائیدی راگ گاتے رہتے تہے ہان بنگالی ممبر کبہی کبہی اختلاف کرتے رہتے تہے اور سید احمد خان صاحب نے تو ایک دو ایکٹ کے مسودہ بہی پیش کئے تہے اور جب مسٹر گوکہلے ممبر ہوے تو بجٹ پر ان کی تقریر قابل داد و لائق صاد ہوا کرتی تہی اور اب کیا کہنا سب ہندو لیڈر اور بعض مسلمان بہی وہ موشگافی سیاسی و قانونی مسائل مین کیا کرتے ہین کہ اینگلو انڈین حضرات اوسکو سنکر دنگ رہجاتے ہین اور بعض ممبر ایسے بہی ہین کہ وہ کام بگاڑتے رہتے ہین اب دوسرے رخ پر نظر غور کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی قومی رفتار ترقی مین وہ کون قوم ہے جسکو سر برآوردگی حاصل ہے ہمکو تو یہی ہندو نظر آتے ہین انکی تعداد بہی زیادہ ہے اور اپنی تعداد بڑہاتے بہی جاتے ہین اور تجارت و کاشتکاری اور اس زمانہ کے مزدوری پیشہ ہونے کے لحاظ سے بہی اور قابلیت و لیاقت مین بہی اونہون نے وہ نمایان امتیاز پیدا کر رکہا ہے کہ اونکے مقابلہ مین فاتحین اول یعنے مسلمان پست نظر آرہے ہین وہ بلحاظ زمینداری بہی تعداد مین زیادہ مین اور باعتبار خود مختار روسا ہونے کے بہی اونکو فوقیت ہے اور جبکہ ہندوستان مین مختلف زبانین تہین کہ ایک کی زبان دوسرے ملک کے باشندون کو بہی فائدہ رسان نہ تہی تو تبادلہ خیال کا موقع کہان مل سکتا تہا اور یہی انگریزی زبان وہ ہے جو اپنے ساتھ قومی اتفاق و اتحاد بہی لائی تہی بس اوسکی اشاعت کی بدولت جس طرف نظر اوٹہاکر دیکہیے ہندوستان مین قومی اتحاد کا خمیر اوٹھ رہا ہے اول اول بنگال مین اسکی ترقی ہوئی پہر مرہٹہ واری مین اور اخیر مین مسلمانون نے مدت کے بعد اس زبان کو سیکہنا شروع کیا اور مختلف زبانون کے اخبارات کی اشاعت کے ذرائع نے اور آزادی کے ذریعہ نے بہی قومی ترقی کی رفتار کو بڑہادیا اور رفتہ رفتہ وہ نتایج پیدا ہوے جنکو سب محسوس کر رہے ہین جب ہندون نے ان جملہ ذرائع ترقی پر قابو پالیا تو اون مین قومی لیڈر پیدا ہوگئے جنہون نے اپنے ملک کی بہبود و ترقی کیواسطے دعوے شروع کئے اور اپنے دعوی کی تائید و ثبوت مین جو دلائل پیش کئے جاتے ہین کہ ہم کاشتکار ہین اور ہمین تاجر و مزدور بہی ہین اور ہماری اعانت و امداد سے گویا گورنمنٹ کا قیام

دیقا ہے ہم بھی اون حقوق کے مستحق ہین جو زمانہ کی رفتار کے لحاظ سے دنیا کی گورمنٹون نے اپنی محکوم
رعایا کو دیرکھے ہین اور یہ تاریخی صداقت ہمیشہ سے چلی آتی ہے کہ جب رعایا کا کوئی عظیم طبقہ نفرادی
ذاتیات اور شخصیت کو چھوڑکر قومیت کے وسیع دائرہ مین آجاتا ہے تو حکومت انگور کی بیل کیطرح
اوسکی کاٹ چھانٹ کی فکر کیا کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ اوسمین کبھی سرسبزی و شادابی نہو اور یہ پھولنے
پھلنے نپائے مگر وہ اور بڑھتی ہوئی اور سرسبزی و شادابی لیتی ہوئی چلی جاتی ہے اور بجز اس نتیجہ کے اور
کوئی نتیجہ ظہور مین نہین آتا کہ آخرکار حکومت کو اونہین حقوق کی تائید کرنا پڑتی ہے جنکو طلب کیا
جاتا ہے ایک زمانہ جو گذر چکا ہے اوسکی تاریخ شخصی حکومت کی تھی اوسمین رعایا بھیڑون کے
ریوڑ سمجھے جاتے تھے اور حکمران جس جانب اونکو لیجانا چاہتا تھا وہ چلی جایا کرتی تھین اب وہ زمانہ
نہین رہا بلکہ قومیت کی نشونمائی کا زمانہ ہے اور ہندو جو ہین اونکے لیڈرون نے لیاقت و قابلیت
پیدا کرکے ہندوستان کے ہر گوشہ مین ہلچل مچا رکھی ہے اب اول نمبر ہندوٗن کی قومیت کا ہے وہ
اپنی قومیت کو بڑھاتے ہوئے چلے بھی جاتے ہین اور دوسرا نمبر اوس فاتح قوم کا ہے جو انگریزون سے
پیشتر یہان حکمران تھی اوسکی تعداد قلیل یعنی سات کروڑ سے کچھہ زیادہ بیان کیجاتی ہے اور یہ بھی ہے
کہ اونکو ابھی مذہبی نفسا نفسی سے فرصت نہین ہے یہ اوس سیلاب کو کیونکر روک سکتے ہین جو
ہندوٗن کا قومی سیلاب ہے اور یوماً فیوماً بڑھتا ہوا چلا جاتا ہے وہ حکومت سے تو رکتا ہوا
معلوم نہین ہوتا ہم مسلمانون کی ہستی کیا ہے جو اوسکو روک سکین اب سوال یہ ہے کہ انکو کونسا
ہوا کا رخ اختیار کرنا چاہیے اگر حکمران قوم کی جانب ہوتے ہین تو اونکی تعداد کی حیثیت سے
اونکو حصہ ملیگا اور اگر گورمنٹ کو چھوڑکر وہ اپنے ملکی بھائیون یعنے ہندوٗن کی تائید کرتے ہین تو
ابھی انکے اور اونکے قلوب مین مذہبی صفائی نہین ہے اور عجیب بات ہے کہ ابھی مال غنیمت حاصل
نہین ہوا ہے قبل اسکے حصول کے کبھی کبھی تقسیم حصص مین جھگڑا ہوا کرتا ہے ابھی تک یہ قضیہ طے
نہین ہوا اور نہ طے ہوتا معلوم ہوتا ہے اور طے کیونکر ہو ایک فتاح قوم ہے دوسری محکوم قومین
ہین انگریز چاہتے ہین کہ ہم ہی قایم رہین اور دوسرے محکوم اقوام کی یہ خواہش ہے کہ آپ بھی رہین
اور ہمکو بھی ہمارا حق دیا جائے اس متضاد کشاکشی کا نتیجہ اوسیوقت قابل اطمینان نکل سکتا ہے جب
حکومت اپنی قومی جنبہ داری مین کمی کرے یہ کمی کرنا اور مساوی نظر سے سب کے حقوق دیکھنا
کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ بعض وایسرائے یہ کہہ گئے ہین کہ بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ایک قوم کی
تائید کی جاتی ہے تو دوسری قوم چین بجبین ہو جایا کرتی ہے جب یہ ہے تو معلوم نہین یہ حالت

کب تک رہیگی حق کا دینے والا دینے مین تامل کرتا ہے لینے والا بھی اپنے مذہبی جھگڑون مین پڑا ہوا ہے
جب تک یہ نہوگا جیسا کہ صدر مین ہم لکھ آئے ہین کہ دینا کوئی نہین ہے لینے والے مین قابلیت ہونا
چاہیے تاوقتیکہ مثل یوریبن اقوام کے یہ اپنے مذہبی تعصب کو ترک کر کے اور علیحدہ رکھکر باتفاق اپنے
ملکی حقوق کے حصول کیواسطے پیروی نکرینگے اس بین الاقوامی تصفیہ مین۔ انگریزون اور ہندون اور
سلمانون کی وہی حالت رہیگی جو اُن تین مینڈکون کی تھی جنکی نسبت مشہور ہے کہ ایک مینڈک
تھا اوپر دوسرا مینڈک بیٹھ گیا دوسرے نے کہا کہ چہ غم نیچے والے نے کہا کہ ہیچ نہ غم اب دوسرے
پر تیسرا بیٹھا اوسنے کہا چہ غم دوسرے نے کہا کہ ہیچ نہ غم تیسرا بولا کہ مرے تو ہم یعنے حکمران قوم کا
بار ہندؤن کو جو کچھہ تکلیف دہ نہوا جب تو اونہون نے کہدیا کہ ہیچ نہ غم اب رہی تیسری قوم
مسلمان اونکو بالمقابل اپنے ہندو بھائیون کے ابھی وہ ترقی کے مدارج کہان حاصل تھے اونکو
مجبور ہوکر کہنا پڑا کہ مرے سو ہم اور یہ تحقیق کیا نہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ فاتح جو کسی غیر ملک کو فتح کرتا ہے
اوسکی تعداد کم ہوا کرتی ہے جیسا کہ ہندو و مسلمانون کے تناسب سے انگریزون کا شمار بہت ہی کمی
کے ساتھ ہے لیکن اقوام یورپ اپنی قومی جفاکشی اور عرق ریزی اور اس سے بڑھکر اون مین
انتظامی سلیقہ بھی ہے اور وہ باضابطہ کام کرنے کے لحاظ سے بھی مشہور ہین اور یہی امور وہ ہین
کہ ہندوستان مین وہ کئی کرور باشندون پر حکومت کرتے ہین اور اپنی عالی دماغی و روشن خیالی سے
تمام ہندوستان مین اپنی حکومت کا سکہ جمائے ہوئے ہین یہ ہندوستان وہ ہے جہان مختلف اقوام
اور مختلف مذاہب اور مختلف و متضاد ذاتون کا مجمع ہے اور ایک سے دوسرے کا جھگڑا و فساد رہا
کرتا ہے اسی قوم کا دل و دماغ ہے کہ ایک جانب ان قضیون کا فیصلہ کرتی ہے اور دوسری جانب
اوس قومی و سیاسی سیلاب کو جو ہندوستانی لیڈرون کی بدولت پھیل رہا ہے اوسکا مقابلہ کر رہی ہے
یہ سیاسی و قومی قضایا پہلے کہان تھے اور کب تھے خود ہی یہ حکمران قوم ان قضیون کی بانی ہے اور
خود ہی یہ بار اوٹھائے ہوئے ہے اب یہ قومی و سیاسی چھیڑ چھاڑ اوس حد پر پہونچ گئی ہے کہ حاکم
و محکوم اقوام مین اعتبار باقی نہین رہا ہے محکوم جب یہ سُنتے ہین کہ فلان انتظامی معاملات زیر غور ہین
تو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ بہ لطائف الحیل ٹالدینا ہے بہر لا دلیل کیونکر کسی بات کو تسلیم کر لیا جائے
اور دلیل کیحالت یہ ہو رہی ہے کہ وہ ایک کمزور جواب بلا کسی دلیل کے ہوتا ہے امر واقعی یہ ہے
کہ ہندو لیڈر اس زمانہ مین تعلیمیافتہ ہوکر ایسے سوال و جواب پیش کرتے رہتے ہین کہ اون سے یہ سوال
پیدا ہوتا ہے کہ کیا گرو گڑ ہی رہے گا اور چیلے شکر ہو جائینگے اور اسپر حیرت بھی نکرنا چاہیے اسواسطے

کہ ہندوستان وایران دنیا مین ایسے ایشیائی ممالک ہین کہ یہ اپنے فاتحین کے ذریعہ علوم و فنون مین بھی اور اونکی زبان سیکھ کر ایسی عجلت کے ساتھ ترقی یافتہ ہو جایا کرتے ہین کہ پھر اونکا مقابلہ دشوار ہوا کرتا ہے اوس زمانہ مین بزور تلوار ملک ایران کو عربون نے فتح کر لیا تھا مگر ایرانیون نے اونکو رہنے کہان دیا اس زمانہ مین تلوار سے یورپ کی اقوام فاتحین سے کون مقابلہ کر سکتا ہے اب جو قومی و سیاسی جنگ قلم و زبان سے ہوا کرتی ہے اور دنیا مین حاکم و محکوم مین جو اکھاڑے بنے ہوے ہین اونمین کسی نہ کسی طرح پیچ ہوتے رہتے ہین اور زبردست کا پلہ سب سے بالا رہتا ہے اسواسطے کہ ایک زمانہ مین جب شخصیت کو غلبہ تھا تو زیردست بکری سے یہ کہا جاتا تھا کہ تو کشتی مین خاک کیون اوڑاتی ہے اور یہ کہکر وہ زبردست بکری کا لقمہ کر جاتا تھا اب اس قومی زمانہ مین بکری قائم رہتی ہے اور اوسکو موقع دیا جاتا ہے کہ اپنے عذرات پیش کرے خواہ اونکی سماعت اور اونپر عمل ہو یا نہو اب انگریزی ہندوستان مین جس شان و قوت کے ساتھ حکمران ہین اونکے مقابلہ مین وہ کونسا لیڈر ہے جو اونکے روبرو چند پیاز کی انڈیان اور سوکھے ہوئی روٹی کے ٹکڑے رکھدے گا اور وہ کون ہے اور کہان لیڈر رہے جو ایران کے صفاری خاندان کے ایک ممبر کی طرح جسنے خلیفہ بغداد کے سفیر سے کہا تھا کہ اگر خلیفہ مجھ پر غالب ہوا تو مین یہ کھا کر بسر کر لونگا اور اگر مجکو غلبہ ہوا تو میرا مقابل جو عمدہ سے عمدہ کھانا کھایا کرتا ہے وہ یہ پیاز کی انڈیان اور سوکھے ٹکڑے نہ کھا سکیگا اور جب ہمایون کا زمانہ تھا تو راجپوتانہ کے ایک راجہ نے یہ کہلا بھیجا تھا کہ میرا ملک اگر آپ فتح کر لینگے تو مین باجرے کی روٹی کھا کر بسر کر لونگا اور اگر مین غالب آیا تو آپکو شیر مال نصیب نہو گی اب ایسی باتون کے کہنے والے اور سننے والے کہان رہے اب تو تاریخ نے اپنی شخصی رفتار کو تبدیل کر دیا ہے اور قومی رفتار نے وہ جادہ اختیار کر رکھا ہے کہ قومی قافلہ سالار اپنے قافلون کو اوسی جادہ پر لئے پھرتے ہین اونہون نے جس رفتار کو اختیار کیا ہے اوس سے ابھی اونکی منزل مقصود دور ہے لیکن وہ کہتے ہین کہ جو کھٹکھٹاتا رہیگا اوسکے واسطے دروازہ ضرور کھولا جائیگا مگر ابھی تو پالیسیون کا وہ عمل دیکھنے مین آرہا ہے جو انگریزی ڈاکٹرون کے ایک آلہ کا ہے کہ پہلے وہ ہاتھ مین آیا پھر بغل تک پہونچا بعد اسکے بقول مولوی نذیر احمد خان صاحب اب دیکھیں کہان سے کہان پہونچتا ہے۔

اب دوسرے رخ کے نقش و نگار پر غور کرنا ہے وہ ہندوستانی خود مختار ریاستون کے سلسلہ سے متعلق ہے جب سلاطین مغلیہ کا عہد تھا تو رؤسا اونکی تقلید پر دالہ و شیدا رہتے تھے جیسے وہ چاہتا ہوا اور انگریزون کا عہد آیا تو اونکی حکومت کا اثر قبول کیا اور پھر سیاسی و قومی

خمیر جو اُٹھ رہا ہے اُسکا اقتدار ایک اور ہی رنگ لیے ہوئے ہے اور ہمنے جو اوپر بیان کیا ہے کہ مذہبی ظلمت ناک تعصب سے ابھی نفوس پاک نہین ہوئے ہین اونکا اثر مسلمانون کی ریاستون مین بہت ہی کم نظر آتا ہے مگر ہندون کی بعض پارٹیون کے ممبر صاحبان اپنی قومی ریاستون مین اوس تعصب کی سیلابی لہرین دوڑا رہے ہین شلاً گلبرگہ کے ہندو مسلمانون کے فساد مین شولاپور اور پونہ کے ہندو لیڈرون نے اپنے شور و غل کو گورنمنٹ حیدرآباد ہی تک محدود نہین رکھا بلکہ ویسرائے اور وزیر ہند تک پہونچادیا اور لندن ٹائمز جو انگلستان کا ایک سربرآوردہ اخبار ہے اوسنے اپنے ایک نامہ نگار کی بالکل جھوٹی اور مبالغہ آمیز تحریر چھاپی تھی کہ اس بلوہ مین تین سو آدمی ہلاک ہوگئے ہین حالانکہ اس سے بڑھکر انگریزی مین اور ہندون کی ریاستون مین بلوہ ہوتے رہتے ہین اونکے متعلق یہ ہوم دہامی مبالغہ آمیز مضامین کبھی شائع نہین کیے جاتے ہین اور لطف یہ ہے کہ حیدرآباد کے ہندو جنکو اشتعال دیجاتی تھی وہ اور مسلمان باہم شیر و شکر رہتے ہین اور وہانکے ہندون کا یہ قول ہے کہ جو حقوق بلا امتیاز ہمکو اس سلطنت آصفیہ مین حاصل ہین وہ ہمکو دوسری ریاستون مین کبھی نہ حاصل ہوتے وہان کی یہ ادنی مثال ہے کہ گلبرگہ مین جو بت شکنی ہوئی اور اوسکے ساتھ فتنہ و فساد بھی اوسمین جن مسلمانون نے فساد کیا تہا تحقیقات کے وقت اونپر جرم ثابت ہوا اور ہی گرفتار کیے گئے اور ایک بھی ہندو گرفتار نہوا تہا اور پھر گورنمنٹ حضور نظام نے پچیس ہزار روپیہ کی کثیر رقم عطا فرماکر اُس نقصان کو پورا کرادیا یہ حسن سلوک اور مساوات قومی و مذہبی خود انگریزی حکومت مین کہان ہے اور ہندو ریاستون مین بھی اس سلوک اور مساوات کا کہین پتہ نہین ملتا ابھی کل کی بات ہے کہ ایک ہندو ریاست مین کئی مسجدین شہید ہوگیئن اور جب جمعیت علماء نے شکایت کی تو اونکو ایسا جواب دیا گیا جو ہرگز تشفی بخش نہ تہا سلطنت عالیہ آصفیہ مین کبھی کسی بادشاہ کو تعصب مذہبی نہین رہا ہے اور عیسائیون و ہندؤن اور مسلمانون کے حقوق مساوی سمجھے جاتے تھے اور موجودہ عہد مبارک عہد مین جس بادشاہ کے سایہ مین گورنمنٹ ہے اوسمین ہندو بھی شریک ہین علاوہ اسکے مساجد د شوالون اور گرجاؤن کیواسطے سالانہ ہزارہا روپیہ مقرر ہین اور ہر مذہب کو آزادی عطا کررکھی ہے اور ہر ہندو کاشتکار مرفہ الحال رہتا ہے اور اضلاع مین بہت سے ہندو دفترون مین ملازم ہین اور عہدہ دار بھی ہندو ہین باوجود ان مساوی مراعات کے جو کسی ہندو ریاست مین نہین ہے اور یہ بھی ہے کہ لاکھون روپیہ پانیوالے جاگیردار بھی ہین جو مدارالمہام بھی ہوتے آئے ہین اور اب بھی ہوتے رہتے ہین پھر بھی باہر کے رہنے والے ہندو جنکو دعوی ہے

کہ ہم تعلیمیافتہ ہین وہ بے سروپا شکایات کرتے رہتے ہین۔ اب بالمقابل اسلامی حکومت کے اگر میسور و کشمیر وغیرہ ہندو ریاستون پر نظر کیجائے اور وہان مسلمانون کی جو سقیم حالت ہے اوس پر غور ہو تو بجز افسوس کے اور کیا کہا جائے ہندو صاحبان اپنے ہم مذہب اور ہم قوم ریاستون کی خرابی انتظام اور عدم مساوات مذہبی پر ذرا بھی غوغا نہین کرتے بجائے اسکے جب اسلامی سلطنت مین یہ تمام خوبیان ہین اوسکی بیجا شکایت کرتے ہین کیا وہ اس مصرعہ پر عامل ہین ہوتا آیا ہے کہ اچھون کو برا کہتے ہین۔ اور حافظ شیراز بھی یہ شعر خوب کہہ گئے ہین۔

نیک باشی و بدت گوید خلق　　به که بد باشی و نیکت گویند

یعنی حضور رسیدگان عالی توسیکی زمار ہے ہین اوسکا ثمرہ ہندون کیجانب سے یہ مل رہا ہے کہ وہ نیکی بدی پر محمول کیجاتی ہے اور اگر دوسرے مصرعہ پر عمل ہو تو کیا وہ ہندو جو معترض ہوا کرتے ہین اوس امر کو پسند کرینگے اب تیسرا رخ اس سے بھی زیادہ غور طلب ہے وہ سیاسیات کو لیئے ہوے ہے حضور نظام کیجانب سے جب بہر استرداد برار کا دعوی پیش ہوا اور حضور ممدوح الشان نے اپنے زمان شاہی کے ذریعہ اشاعت فرمائی کہ بصورت واپسی برار صرف ہمارا ایک گورنر وہان رہیگا اور برار برار والون کو پورے طور پر آزادی کے ساتھ سپرد کردیا جائیگا مگر سوراجی فرقہ والے اہل ہنود اور تمامی مسلمان باشندگان برار نے حضور نظام کی تائید کی اور باقی ہندون کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اونہون نے برار کی واپسی کو پسند نہین کیا اور انگریزی گورنمنٹ کے زیرسایہ رہنا منظور کیا یہ عجیب بات ہے کہ پہلے جب برار لیا گیا تھا تو اوسوقت پبلک کی رضامندی کا تذکرہ نہوا تھا اب واپسی کے دعوی کی صورت مین یہ عذر کیا جاتا ہے خود براری ہندو لیڈر جو ایسے عذرات پیش کرتے رہتے ہین وہ ایک زمانہ مین منظور کرتے تھے کہ برار کا دعوی بیجا نہین ہے اوسکو ضرور واپس ہونا چاہیے اب یہ افسون کس نے پھونکا ہے کہ جس کے اثر سے یہ عذرات ظاہر کیئے جاتے ہین یہ صدا صرف برار سے سُننے مین نہین آئی بلکہ سوڈان و موصل کی واپسی کا دارومدار انہین عذرات پر موقوف ہے اسی سے زاغلول پاشا نے کہا تھا کہ سوڈان کے رہنے والے ایک وقت مین مصر کی ماتحتی قبول کرتے تھے اب کہتے ہین کہ ہم انگریزون کے زیرسایہ رہینگے اور موصل مین بھی یہی جھگڑا رہتا ہے اب سوڈان و موصل کے جھگڑے کو تو جانے دیجیئے برار کا دعوی تو اپنی نوعیت کے اعتبار سے علیحدہ ہے اور براری اختلاف کرتے ہین اس حالت مین تا وقتیکہ ایک کمیشن کے ذریعہ اسکی تحقیقات نہ کرائی جائے معلوم نہین ہو سکتا کہ امر واقعی کیا ہے محض زبانی غل و شور سے منصفانہ نتایج کہان پیدا ہو سکتے ہین اور پھر لطف یہ ہے کہ وہ ہندو صاحبان جو حضور نظام کے دعوے کے

خلاف مرہٹہ اخبارون مین لکھا کرتے ہین اور جلسون مین بھی مخالفت کرتے ہین وہ ایک جانب
تو دست سوال بڑھا کر گورنمنٹ انگریزی سے طالب سوراج ہین اور دوسری جانب جب
اونکو سوراج عطا کیا جاتا ہے تو کہتے کہ ہم نہ لینگے اور ایک ہندو وکیل جو حیدرآباد مین وکالت
کرتے تھے جب اونکی سند وکالت کسی قصور پر چھین لیگئی تو وہ برار کے ہر گاؤن مین پھرتے ہین
اور کہتے رہتے ہین کہ برار واپس نہ لیا جائے اور ایک اور لیڈر مرہٹہ ہین کہ پہلے وہ اس دعوی
کے موید تھے اب اونکی صدا بھی خلاف رہتی ہے اور اس مخالفت نے اونکے دل و دماغ مین
ایسا سودا بھر دیا ہے کہ ایک مسلمان فرمانروا کا منصفانہ دعوی سرسبز ہونے پائے اور اس
مخالفانہ تعصب کی ظلمت نے اونکو برار کی تاریخی حالت اور عہدنامجات سے بھی محروم کردیا ہے

جس کتاب کا یہ مقدمہ ہے اوسمین ریاستون کے حالات سے بھی بحث کیگئی ہے اسلیئے
برار کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے ورنہ تاریخی اصول کا اثر عام ہونا چاہیے نہ کہ مخصوص کسی ریاست سے
متعلق اور یہ اسواسطے بیان ہوا ہے کہ ہندوستان مین عہدنامجات جب فیمابین گورنمنٹ انگریزی
اور والیان ملک ہوا کرتے تھے تو ایک انگریزی نقل انگریزون کے پاس رہتی تھی اور دوسری نقل
دوسری زبان مین والیان ملک کے دفتر مین رہا کرتی تھی مگر یہ کہا جاتا ہے کہ فارسی عہدنامہ مین برار کی
نسبت امانی کا لفظ لکھا ہے اور کہتے ہین کہ انگریزی مین اسکے خلاف ہے اور یہ بھی مشہور ہے اور
واقف کارون کی زبان سے سننے مین آیا ہے کہ لارڈ ڈلہوزی صاحب گورنر جنرل ہند نے اپنے
ایک مراسلہ مین جو اوس زمانہ کے وزیر ہند کے نام تہا یہ لکھا ہے کہ مین مبارکباد دیتا ہون کہ برار
ہمیشہ کیواسطے ہمارے قبضہ تصرف مین آگیا ہے حالانکہ اوسی زمانہ کے فارسی عہدنامہ مین امانی لکھا
ہوا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ زبردست بازبردست کے عہدنامہ کی تاریخ اور ہے اور زبردست او رزیردست
کے عہدنامہ کی تاریخ دوسری ہوجایا کرتی ہے ۔

اب بلحاظ مسبوق الذکر حالات اور واقعات اور بخیال ہندوؤن کی قومی اور ملکی ایثار نفسی اور
لیاقت و قابلیت کے کیا یہ پیشینگوئی نہین ہوسکتی کہ آئندہ زمانہ مین ہندوؤن کی ایک عظیم قومی متحدہ
جماعت ہوجائیگی اور روز بروز جس طرز عمل سے اونکی تاریخ بتدیل ہوا کرتی ہے یعنے ابھائو ہے زمین سے
جھگڑا ہے آسمان سے کیا یہ بغیر نتیجہ رہیگا اونکی جماعتون مین اگرچہ اختلافی پارٹیان ہین مگر وہ ایسی ہین
کہ جنمین اتفاق کامل ہوجانے کی امید ہے اور جب حکمران قوم اونکے مطالبہ حقوق کا فیصلہ قابل اطمینان
نہین کرتی ہے تو یہی ذریعہ اون مین اتفاق پیدا کرنے کا ہے جو آج کسیقدر مخالفت کا بازار گرم

گئے ہوئے ہے مگر کل جب متفق اور متحد ہوگا انگریزی دون کیواسطے ضرور مشکل روحما ہوجائیگی اور اب بھی
بہ نظر غور دیکھا جائے تو اونکی مشکلات بڑھتی ہوئی چلی جاتی ہین اونکے پاس صرف اسلحہ سے اور قید
کرنے کا جبروتی دباؤ باقی رہ گیا ہے اور یہ بھی ہے کہ کبھی وہ مسلمانون سے ملکر اور کبھی ہندؤن سے کام
نکالنا چاہتے ہین - مگر یہ کب تک رہے گا ہندؤن کی قابلیت کو دیکھو کہ جب کوئی کمیشن مقرر ہوتی ہے
اوسمین ایسے اظہار ہوتے ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کی نظم ونسق کی تاریخ کو یہ ضرور
بدل دینگے یہ تو نہین کہا جاتا کہ انگریز ہندوستان کو خالی کر دین اونکا رہنا ضرور ہے ورنہ یہ قومی روشنی
جو پھیل رہی ہے پھر مبدل بہ تشخصی تاریکی ہو کر رہجائیگی ہندؤن کے زیر سایہ مسلمانون نے بھی یہ کر رکھا ہے
کہ اونھون نے شہرون اور اضلاع مین ڈسٹرکٹ بورڈ اور منیوسپلیٹون مین اپنا اقتدار بڑھا کر ایک طرح
پر سوراج حاصل کر لی ہے اور خود مختار ریاستون مین جو تیس چالیس برس اوس طرف رزیڈنٹ
صاحبان کی مداخلتون کا اخبارون مین شور وغوغا رہا کرتا تھا اب وہ رنگ دھیما نظر آتا ہے اور
جب کونسلون مین کل پارٹیان متحد ہو کر کام کرینگی تو کب تک منظور شدہ رزولیوشن نامنظور رہا
کرینگے پارٹیون مین ایکطرح پر اتفاق تو ہے مگر بعض وقت ایسا اختلاف ہو جایا کرتا ہے جو ملکی
حقوق کو بغیر ضرر پہونچائے نہین رہتا اور دوسرے مالوی جی اور لالہ لاجپت راے کی صداؤن سے انتشار
رہتا ہے اور ہکو تو یہ صدائین وہی معلوم ہوتی ہین کہ ایک صاحب کی عادت تھی کہ وہ ہر کوچہ برزن اور
بازار مین بھی یہ صدا بلند کرتے رہتے تھے کہ کوئی ہے جو ہم سے کام بگڑ والے پھر یہ بھی ہے کہ ہندؤن نے
اپنے باہمی مناقشات کم کر دیئے ہین اور یہ تاریخی بات ہے کہ اعلی حکومت کا میلان اوس آبادی کیجانب
زیادہ تر ہوا کرتا ہے جو کثیر التعداد ہوا کرتی ہے جیسا کہ ہندؤن کے مقابلہ مین مسلمانون کی قلیل تعداد ہے
اور مسلمانون مین اہلسنت کے مقابلہ مین شیعہ صاحبان کی تعداد ہے اور یہ قلت وکثرت طبقات کی ایسی
ہے کہ جس طبقہ عظام کے قابو مین ذرائع آمدنی کے زیادہ ہین اور زمانہ حال مین وہ اپنی قابلیت
ولیاقت کے اعتبار سے سربرآوردہ بھی ہے بس اوسکے مقابلہ مین یہ قلیل طبقات کہان ٹھہر سکتے ہین
جن کے پاس نہ روپیہ ہے اور نہ ذرائع آمدنی اور قابلیت ہے اب بہت سے ہندو وہ ہین جنھون نے
افغانستان کا ہوا تیار کیا ہے مگر یہ خیال اونکا غلط ہے اول تو افغانستان اب وہ افغانستان
نہین رہا ہے جو پہلے تھا اب افغانستان مین کثیر التعداد ہندو ہین اور آزادی کے ساتھ اپنے
مذہبی ارکان ادا کرتے ہین اور امن وامان کے ساتھ اپنے کاروبار مین مشغول ہین - یہ توہمات
اور خیالات کیا اونہین ہندو لیڈرون نے اونکے دماغون مین نہین ٹھوس رکھے ہین جو ادھر ادھر

کہتے پھرتے ہین کہ کام بگڑوا لو اور بے محل اور بے موقع صدائین لگاتے پھرتے ہین یہ افغانستان کا ذکر کس واسطے کیا جاتا ہے کیا اونکے نزدیک ابھی تک افغانستان وہی ہے جو اشرف دمحمود کے وقت مین تھا جنھون نے ایران پر چڑھائی کی تھی ملکم صاحب اپنی تاریخ ایران مین لکھتے ہین کہ اون دونون کی سرپرستی مین جب ایران پر حملہ ہوا تو سارا اصفہان جسکو نصف جہان کہا جاتا تھا ان افاغنہ کی دحشیانہ سفاکی اور خونریزی اور خونخواری سے ویران ہوکر رہ گیا تھا اور ایرانی شہرون کی بھی وہی حالت ہوئی تھی جسکو پڑھکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین علی حزین صاحب نے بھی اپنے سفرنامہ مین باختصار اس ظلم وسفاکی کا حال لکھا ہے اس زمانہ مین تاریخ کے اوراق اولٹ پلٹ کر رہ گئے ہین اور افغانستان ہرگز وہ نہین ہے جو پہلے کسی زمانہ مین تھا ہندو صاحبان پر تو کبھی ابدالی اور نادرشاہ کے حملون کے وقت وہ ظلم نہ ہوا تھا جو افاغنہ نے ایران کے شیعون پر کیا تھا کہتے ہین کہ تیمور نے اس درجہ ہندؤن کو قتل کیا تھا کہ اونکے سرون کا پہاڑ بنا دیا تھا مگر یہ سب غلط تاریخی حکایات ہین جنکو دشمنون نے رنگ آمیزی کے ساتھ تاریخون مین درج کردیا تھا یاد رکھئے کہ جب تک انگریزی حکومت دبدبہ وشان و شوکت کے ساتھ ہندوستان مین قایم ہے کسی خارجی حکومت کی کیا ہستی ہے کہ وہ ہندوستان کی روشن تاریخ کو شخصی تاریکی سے تبدیل کردے البتہ یہ بات لائق تسلیم ہے کہ افغانستان نے انگلستان کی حکومت بظاہر خیر وشکر معلوم ہوتی ہے اور افغانستان نے بھی اوس بڑی جنگ مین انگریزون کی مدد کی تھی جسکے صلہ مین اوسکی خودمختاری کو قبول کرکے اوسکو وہ درجہ عطا ہوا کہ تمام دنیا کی سلطنتون مین اب اوسکے بھی سفیر مثل اور خودمختار بادشاہون کے رہتے ہین تاہم اکثر مدبرین کا یہ خیال ہے کہ اتحاد تو افغانستان سے ہے لیکن یہ اتحاد واتفاق ایسا تو نہین ہے جو ہارون رشید اور جعفر برمکی مین تھا کہ بظاہر کوئی نہین کہہ سکتا تھا کہ انکے دلون مین عناد ہے جب دونون حج کو گئے تو اس راز کے فاش ہونے سے کہ خانہ کعبہ کے پردہ کو پکڑکر ایک نے دوسرے کیواسطے بددعا کی اسوقت دیکھنے والے حیرت مین ہوگئے غرضکہ یہ خیال آرائیان کبھی تو ختم ہونگی اتبو ہندوستان کے ہر گوشہ سے قومی اور سیاسی لیڈرون کے قافلہ کے قافلہ اوٹھ کھڑے ہوئے ہین اور قومی کشش وکوشش کی صدا ہر جانب سے سننے مین آتی ہے اور کہنے والے یہ بھی کہتے ہین کہ ابھی منزلِ مقصود کا پتہ نہین ہے خیر یہ ہو یا نہو یہ کیا کم ہے جیساکہ حافظ شیرازی کہہ گئے ہین ۔

کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجاست — این قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

اب وہ وقت نہین رہا ہے کہ گداگرون کا کاسۂ گدائی توڑ پھوڑ کر پھینکدیا جائے بلکہ زمانہ خود گرہیٹ لیفارمر ہے وہ حق کے مطالبہ کرنے والون کو ضرور منزل مقصود تک پہونچا دیگا اور انگریزی مین بھی تو خوبی ہے کہ وہ بعد جھگڑون کے لینے والون کی قوت کو دیکھکر حقوق عطا کرتی ہے۔

سید محمد حسین آغا غالب موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

قدیم اور جدید تاریخ

تاریخ کے بقا اور قیام کے ذریعہ علم تاریخ جس کا شمار افضل اور اشرف علوم میں ہوتا ہے اسکا
سرچشمہ قدیم اور جدید امتون اور قومون کے حالات اور واقعات سے پیدا ہوا ہے اور وہی اس سے
فیضیاب ہونے کا استحقاق رکھتی ہین اور ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کے
حالات کے دریافت کرنے کا یہی ذریعہ پیش نظر رکھتی تھی اور جبکہ زمانہ سابق مین پریس کا رواج نہ تھا
تو جو حالات قومون کے ہوتے تھے وہ اخبارات وغیرہ کے ذریعہ سے شایع نہ ہوسکتے تھے جن کو اس
زمانہ مین خبر سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنے جبتک وہ حالات اخباری دنیا مین تازہ بتازہ گشت کرتے رہتے
ہین تو ان کو اخبار کہتے ہین اور جب انپر ایک زمانہ گذر جاتا ہے تو وہی اخبار قومون کی تاریخ ہوجاتے
ہین اور یہ اخبار اور علم تاریخ صرف بادشاہون اور امرا کے کارنامون اور افعال اور اقوال تک محدود نہین
ہین۔ بلکہ کل انسانی طبقات کی فطرتی تاریخ ایک ہی ہے اور ہمیشہ سب مین تاریخی رد و بدل ہوتا رہا ہے
اور ہوتا رہے گا۔ ایک خاندان ہے کہ جب اسکا کوئی رکن وفات پاجاتا ہے تو اس کے پسماندگان کی
تاریخ مین تبدل اور تغیر ضرور ہوجایا کرتا ہے۔ اسی طرح سے بادشاہون کے خاندانون مین ہوا کرتا ہے یہانتک
کہ علاوہ انسانی نسل کے دنیا کی کوئی شے ایسی نہین ہے جس کے تاریخی حالات نہ ہون اور انمین تغیرات واقع
نہون اس تاریخی تغیرات کی نسبت صرف ہمارا ہی خیال نہین ہے بلکہ سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس مسئلہ کو
بالکل صاف کردیا ہے جیسا کہ کربلا مین گروہ اشقیا کی جانب مخاطب ہوکر ایک خطبہ مین یہ فقرہ بھی ارشاد فرماتے ہین جسکا
ترجمہ یہ ہے کہ یقین کرلو کہ دنیا محض فنا اور زوال پذیر ہے اور ساعت بساعت ایک حال سے دوسرے حال پر متغیر ہوا کرتی ہے اور
دوسرے خطبہ مین فرماتے ہین کہ مین اس خدا کی تعریف کرتا ہون جسنے دنیا کو پیدا کیا اور اسکو دار فنا و زوال قرار دیا اور اسکے

انحراف احوال کو ایک حالت سے دوسری حالت میں اور ایک صورت سے دوسری صورت میں بدل جانیوالا پیدا کیا بعد اس کے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ہر انسان کے جذبات غم و رحت وغیرہ کی تاریخ ایک ہی ہے اور دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو رنج و خوشی کی انقلابی تاریخ اور تبدل شدہ تاریخ نہ لیے ہوئے ہو یعنے انسان جبتک کمسن ہوتا ہے اُس کی تاریخ اور ہوتی ہے اور جب جوان ہوتا ہے تو پھر تاریخ میں تبدیلی آجاتی ہے اور بڑھاپے میں تاریخ اور ہو جایا کرتی ہے غرضکہ انسان جبتک زندہ رہتا ہے اسکی تاریخ تو نذر سے کے مطابق ہوا کرتی ہے وہ تمام جذبات قلبی اور دماغی اپنے میں جمع کرلیتا ہے اور دنیاوی تفکرات اور تردوات میں مبتلا ہو کر اور آخر میں فنا کے درجہ پر پہونچکر منتشر ہو کر رہجاتا ہے، خیال کرنا چاہیے کہ اورنگ زیب سا بادشاہ ایک روز خیمہ میں تنہا بیٹھا ہوا خود اپنی تصنیف کا ایک شعر پڑھ رہا تھا۔

بہشتاد و نود چون در رسیدی بسا سختی کہ از دوران کشیدی

وز آنجا چون بصد منزل رسائی شود مرگ بصورت زندگانی

میر خان جو اُس کا بڑا مقرب تھا وہ خیمہ کے باہر یہ شعر سُن رہا تھا جب خیمہ کے اندر گیا تو اس نے دیکھا کہ عالمگیر رنجیدہ سر بیٹھا ہے، عالمگیر نے میر خان کو دیکھکر منہ پھیر لیا۔ یہ اس واسطے کیا کہ خود بادشاہ شعر و شاعری کو پسند نہ کرتا تھا اور میر خان اُس کے اِس خیال سے واقف تھا، بادشاہ یہ سمجھا تھا کہ میر خان اپنے دل میں کہتا ہوگا کہ آج یہ کیا حالت ہے، اب میر خان نے بادشاہ کو اپنی طرف متوجہ ہونے کے لیے یہ کہا کہ قبلہ عالم نظامی گنجوی نے ایک شعر خوب کہا ہے۔ فرمایا کہ پڑھو۔ اس وقت اُس نے پڑھا۔

پس آن بہتر کہ خود را شاد داری دران شادی خدا را یاد داری

اب عالمگیر نے اسکی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ مکرر اِس شعر کو پڑھو اُسنے مکرر پڑھا اُسوقت فرمایا کہ میر خان تو نے رفتہ مرا باز آوردی[1]

اسی طرح سے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے زمانہ مذہبی اوقاف کی بھی تاریخ تبدیل کرتا رہتا ہے دیکھئے شہنشاہ تیمور[2] نے عراق میں جو اوقاف مقررہ کئے تھے وہ اب کہاں باقی ہیں وہ اپنی تزک میں لکھتے ہیں کہ میں نے مزار پر انوار حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے واسطے محال حلہ اور نجف وقف کیا اور کربلائے معلیٰ کے لیے اس کے مواضعات اطراف و جوانب کو اور روضہ امام اعظم صاحب اور سید عبدالقادر جیلانی کے لیے مواضعات متفرقہ اور حضرت امام موسیٰ کاظم و امام محمد تقی و سلمان فارسی صلوات اللہ علیہم کے واسطے محال حربوعہ اور جزائر و محاصل مدائن وقف کئے گئے اور روضہ حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کے واسطے محال طوس۔ اب محالات طوس تو باقی ہیں بوجہ حکومت ایران کے باقی کُل مزارات کے اوقاف کی تاریخ تبدیل ہو کر معلوم نہیں کیا سے کیا ہو گئی ہے اور یہ سب مسلمانوں کی بدولت ہوا ہے اور میسر طالبی[3] میں تو یہ لکھا ہے کہ ترکوں نے اپنے پیشوایان مذہب کے مزارات کی خوب زیب و زینت

[1] مآثر الامرا مطبوعہ کلکتہ۔ [2] تزک تیموری قلمی نسخہ موجود کتب خانہ آصفیہ [3] میسر طالبی

کر رکھی ہے بمقابلہ اس کے دوسروں کی مزارات مقدسہ کی کچھ بھی نہیں -

جس زمانہ تک کتابت کا فن ایجاد نہ ہوا تھا تو یہ اخبار و اخبار کی حیثیت سے مختلف انسانون کی زبانون پر جاری و ساری رہتے تھے اور انسانی نسلین بطور تاریخ کے انکو یاد رکھتی تھین اور یہی سرمایہ ان کے پاس تاریخ کا تھا جو افسانون اور قصے کہانیون مین بھی ظاہر ہوتا رہتا تھا مگر کبھی کبھی اُس مین مبالغہ کر دیا جاتا تھا اور رنگ آمیزی سے کام لیا جاتا تھا اور یہی تاریخی داستانین بھی تھین جو اشعار یا اور ذریعون سے یاد رکھی جاتی تھین جب فن کتابت کی ایجاد ہوئی تو وہ مختلف قومی افراد جو لکھ پڑھ سکتے تھے انھون نے تاریخی حالات کو لکھ کر محفوظ کر دیا تھا لیکن اس کے اشاعتی ذریعے کے مفقود ہونے سے یہی کام رہ گیا تھا کہ اُس کی نقل اُتار کر دوسرا رکھ لیتا تھا اور اس طرح پر جو طریقہ حفاظت کا قرار دیا گیا تھا اُسکا نتیجہ تھا کہ مختلف قومون کی جنگ و جدل کی حالت مین بہت سی تاریخ کی کتابین معدوم و مفقود ہو گئین اور جو باقی رہین اور یورپ کی ترقی کے زمانہ مین اُن کا سُراغ لگا کر بدوستیابی چھاپ کر شائع کر دی گئین جن کی نسبت اب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ قائم و برقرار رہین گی یہانتک کہ انسان فنا ہوتے جاتے رہین مگر وہ تا قیامت فنا نہ ہونگی -

علم تاریخ کی تعریف علم تاریخ کی تعریف کتاب کشف الظنون کے مصنف اور مولف نے جن مختصر الفاظ مین کی ہے وہ یہ ہے کہ اس علم سے گذشتہ زمانہ کے واقعات اور حالات معلوم ہوتے ہین اور ان سے آیندہ کے واسطے انسان کو تجربہ اور تعلیم ہوتی رہتی ہے اور تاریخ فیروز شاہی جسکو ضیاء الدین برنی[1] نے لکھا ہے اسمین علم تاریخ کے فضائل اور اس کی تعریف اس طرح پر کی ہے

پہلی فضیلت علم تاریخ کی یہ ہے کہ کلام خدا یعنی کتب آسمانی مین سلاطین اور انبیاء کے اخبار اور حکایات مذکور ہین اور جو لوگ کہ حاکم و امرء بنی آدم تھے انکی جباری و قہاری کا تذکرہ یہی علم تاریخ ہے جو باعث عبرت ہے

دوسری فضیلت یہ ہے کہ علم حدیث اور علم تفسیر کے بعد نفیس اور نافع ترین علوم سے تاریخ ہے علم تاریخ کو

---

[1] اس مورخ اور سلطان محمد تغلق سے بمقام ٹھٹھہ واقع سندھ جب ملاقات ہوئی تو محمد تغلق نے اُن سے سوال کیا کہ میری سلطنت مختلف امراض مین مبتلا ہو گئی ہے مثل اس مریض کے جو مختلف امراض مین مبتلا ہو جایا کرتا ہے جب ایک مرض کا علاج کیا جاتا ہے ہنوز وہ اچھا نہ ہوا تھا کہ دوسرا مرض پیدا ہو کر رہ جاتا ہے یعنی میری حکومت مین لوگ ہمیشہ فساد و بغاوت کیا کرتے ہین اس فتنہ و فساد کا دفعیہ نہین ہوتا کہ دوسری جانب سے فساد و اٹھ کھڑا ہوتا ہے تمنے سلاطین سلف کی تاریخ دیکھی ہے بتاؤ کہ وہ کیونکر علاج کیا کرتے تھے برنی نے عرض کیا کہ سلاطین متقدمین پر یہ کرتے تھے کہ ان باتون کو ترک کرتے تھے جن سے بغاوت اور فساد پیدا ہوتا تھا یا ایسے ہی خاموشی کیساتھ سلطنت سے علیحدہ ہو جاتے تھے اور بجائے اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیتے تھے یہ سنکر محمد تغلق نے کہا کہ مین مخالف لوگون کو سزا دیے سے کبھی باز نہ رہونگا خواہ مجھ کو کیسی ہی تکلیف و مصیبت برداشت کرنا پڑے اور مین اس واسطے کرتا رہونگا کہ میرا کوئی رشتہ دار ایسا نہین ہے کہ مین اسکو جانشین کرون اپنا بھتیجا فیروز تغلق اسمین سعدرجہ قابلیت نہین ہے کہ وہ سلطنت کو سنبھال سکے تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیاء الدین برنی مطبوعہ کلکتہ

حدیث سے اس لیے ضروری تعلق ہے کہ تاریخ سے راویون کے حالات وماجرائے درد واحادیث اور معاملات جہاد اور تقدیم وتاخیر زمانہ احادیث وآیات کے ناسخ ومنسوخ کا علم ہوتا ہے۔ ائمہ حدیث نے لکھا ہے کہ "علم الحدیث وعلم التاریخ توامان" یعنے حدیث وتاریخ کے دونون علم توام ہین۔

تیسری فضیلت یہ ہے کہ علم تاریخ سے عقل وشعور مین ترقی ہوتی ہے دوسرے کے تجربہ معلوم کرکے آدمی صاحب تجربہ ہوتا ہے اور ارسطاطالیس اور بزرجمہر کا قول ہے کہ علم تاریخ معین ومویدرائے کا ہے۔

چوتھی فضیلت یہ ہے کہ علم تاریخ سے زمانہ کے واقعات وحوادث کا علم ہوتا ہے اور وزرا اور سلاطین کو اگر کوئی دقت پیش آتی ہے تو وہ بھی تاریخ کی مدد سے وہی تدبیرین اختیار کرسکتے ہین جو متقدمین نے کی ہون اور انکا دل قوی رہتا ہے۔

پانچوین فضیلت یہ ہے کہ جب انبیاء کے حوادث اور مصائب اور ان کے صبر کا حال معلوم ہوتا ہے تو آدمی کو اپنے مصائب مین صبر کرنے کا خیال ہوتا ہے اور جب انکا بلاؤن سے نجات پانا معلوم ہوتا ہے تو تاریخ کے جاننے والون کو بھی امید کا وسیلہ ہوتا ہے۔

چھٹی فضیلت یہ ہے کہ علم تاریخ سے عادل اور نیک کردار لوگون کے اعلی مدارج اور جبار وقہار لوگون کی ناکامی اور برائی معلوم ہوتی ہے جس سے خلفاء اور سلاطین نیک طینت خیر کی جانب مائل ہوتے ہین

ساتوین فضیلت یہ ہے کہ علم تاریخ کے لیے صدق اور راستی لازم ہے اور بزرگان سلف وخلف کا قول ہے کہ تاریخ کی بنیاد سچائی پر ہے اور چونکہ تاریخ مین حدیث کی طرح سند نہین بیان ہوتی لہذا مورخ کو مشہور بصدق وعدالت اور اہل اعتبار سے ہونا چاہیے جیسا کہ بعض علماء وفضلاء گذرچکے ہین مثلاً خواجہ نصیر الدین محقق طوسی کے حالات مین لکھا ہوا ہے کہ جب ہلاکو خان نے بغداد کو فتح کرلیا تو محقق طوسی حلہ مین آئے جہان تمام علماء وفضلا جمع تھے خواجہ نے علامہ حلی سے دریافت کیا کہ انمین سب سے بڑھکر عالم کون ہے علامہ نے فرمایا کہ شیخ سدیدالدین اور فقیہ سعیدالدین بھی دونون اعالم ہین لعلم کلام اور باصول فقہ یحیی بن سعید جو چچازاد بھائی علامہ کے تھے انھون نے کہا کہ آپ نے مجھکو نہ کہا کہ یہ اعالم ہین اسپر یہ رنجیدہ خاطر ہوے اب علامہ نے کہا کہ مین تمکو کیونکر کہہ سکتا تمکو وہ علمی مرتبہ حاصل نہ تھا اگر خواجہ تم سے اصول فقہ کے متعلق سوال کرتے تو تم جواب نہ دے سکتے پھر میری قدر ومنزلت باقی نہ رہتی۔ (کتاب قصص العلماء مطبوعہ ایران)

قدیم علم تاریخ | یہ قدیم علم تاریخ تھا جس کی تعریف وفضیلت کا بیان اس واسطے کیا گیا کہ موجودہ زمانہ مین فلسفہ تاریخ کا قرار پایا ہوا ہے وہ بھی اس قدیم علم تاریخ کی صداقتون کو لیے ہوئے ہے اور صدہا قدیمین کم وبیش متقدمین طرف طرز عمل مین فرق ہوگیا ہے اس طرح پر کہ قدیم زمانہ مین علم تاریخ کا موضوع رزم وبزم کے

واقعات کا جمع کر دینا تھا اس لیے ہم ان مورخین کو خواہ عبرانی ہوں یا یونانی ہوں یا عرب وغیرہ کے مورخ ہوں قابل
فخر اور اس علم کا موجد سمجھتے ہیں جنھوں نے واقعات تاریخی کو جمع تو کر دیا تھا جب ایک علم موجود نہ تھا تو اسکا موجود
کر دینا دشوار ہوتا ہے مگر جو لوگ اس کو جمع کر جاتے ہیں اور اپنے زمانہ کے اعتبار سے اُس علم کی تعریف بھی لکھ جاتے
ہیں وہ ضرور قابل قدر ہیں اور قابل فخر بھی ہیں وہی مورخ جنھوں نے اس علم کی بنیاد قائم کی ہے مثلاً
مسلمانوں میں بقول ضیاء الدین برنی امام محمد اسحٰق ایک صحابی کے فرزند تھے اور وہ ائمہ حدیث شمار کیے جاتے
ہیں انکی کتاب سیرۃ النبی و آثار الصحابہ ہے اور امام واقدی بھی صحابی کے فرزند تھے اور ائمہ
حدیث میں ان کا بھی شمار ہے مغازی واقدی ان کی کتاب ہے اور کلبی اور مقدسی اور دینوری
اور طبری یہ مسلمانوں میں بہت بڑے بڑے مستند مورخ ہو گذرے ہیں عجم کے مورخ بھی اپنے زمانہ کے اکابر و معارف
سے تھے چنانچہ فردوسی و بیہقی اور صاحب تاریخ یمینی اور مولف تاریخ کسروی اور مولفات تاریخ یمینی و
عینی ہر ایک اپنے زمانہ میں اکابر و اشراف و ... سے تھے اور ہندوستان کے مورخ بھی اپنے زمانہ کے
معتبرین سے تھے چنانچہ خواجہ صدر نظامی مصنف تاج المآثر اور مولانا صدر الدین عوفی مولف جامع الحکایات
اور قاضی صدر جہان منہاج جرجانی مولف طبقات ناصری اور کبیر الدین ولد تاج الدین عراقی یہ چاروں مورخ
معتبر اور معظم و مکرم تھے آخر الذکر نے عہد علائی میں سلطان علاء الدین کے فتح نامے لکھے ہیں۔

جدید علم تاریخ

یورپ کے فلسفہ تاریخ نے اپنے علوم و فنون کو ترقی کے ساتھ ہی ساتھ قدیم بنیاد
تاریخ کو با ضابطہ کر دکھایا اور اگرچہ مسلمانوں میں ابن خلدون[1] نے تاریخ کی تعریف وہی کی ہے جو مورخین
یورپ نے اختیار کر رکھی ہے یعنے تاریخ میں صرف واقعات ہی نہ ہوں بلکہ ان واقعات کو جرح و قدح
کے بعد درج کرنا چاہیے اور ان سے نتائج پیدا کر کے رائے قائم کرنا چاہیے مگر بعد اس کے کہ مسلمانوں
میں یہی پہلا شخص ہے جس نے کہ تاریخ نویسی کے متعلق اپنے مقدمہ میں چند اصول لکھے ہیں جو مشرقی و
مغربی مورخین کے واسطے قابل قدر دستور العمل ہو سکتے ہیں اور بیشک اس زمانہ میں جب کہ جرح و قدح
اور تنقیح و تنقید واقعات کا زمانہ کہہ سکتے ہیں بمقابلہ اس کے کہ پرانے زمانے کے واقعات کو تیرہ و تار
سمجھا جاتا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ ابن خلدون نے لکھنے کو تو اصول لکھ

[1] یہ مورخ جس وقت تیمور نے حملہ کیا حلب میں قاضی تھا اور تیمور کے قبضہ میں آ کر مقید و اسیر ہو گیا مگر
امیر تیمور کے ساتھ رہتا تھا اور انھیں کے ساتھ سفر کرتا تھا پھر ان کے ساتھ سمرقند گیا ایک دن امیر تیمور سے کہا
کہ میں نے ایک بڑی کتاب تاریخ کی تالیف کی ہے جس میں تمام واقعات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں اور وہ مصر
میں ہے اور قریب ہے کہ وہ تاریخ برقوق کے قبضہ میں آ جائے پس امیر نے کہا کہ کیا اسکی تلافی ممکن ہے اور کتاب
مل سکتی ہے اس کے بعد ابن خلدون کو اجازت دی کہ وہ مصر میں جا کر کتاب لائیں کشف الظنون در بیان تاریخ ابن خلدون۔

لکھ دیے ہین مگر اُن پر عمل نہین کیا ہے ورنہ وہ اُس کی روشنی سے محروم رہا ہے یعنے مقدمے کے علاوہ اپنی تاریخ کی اور جلد وضع ہین اُس نے جیسا کہ چاہیے تھا اُن اصولون پر عمل نہین کیا اس کے بعد اہل یورپ نے علم تاریخ مین بھی قابل تعریف ترقی کی ہے انھون نے تاریخ ہی کا نام رکھ دیا ہے کہ واقعات ہون اور اُنپر رائین ہون یہی فلسفہ تاریخ ہے اور اسپر انکا عمل بھی ہے اور اس کے مطابق انکی تاریخی تصنیفات ہین مثلاً گبن کی تاریخ ہے جو انھون نے روما کی سلطنت کے زوال و عروج کے متعلق لکھی ہے اور ہندوستان کے متعلق بھی انگریزی مورخین نے تاریخین لکھی ہین اور ان مین انھون نے اپنی عالی دماغی اس طرح صرف کی ہے کہ انکے دیکھنے سے انکی لیاقت اور قابلیت کا بخوبی تمام اندازہ ہو سکتا ہے مگر ان مین جو عیب ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوم پرستی کے جوش مین دوسری قومون کے محاسن کا اخفا کر دیتے ہین اور اپنے قومی محاسن کو مبالغہ کے ساتھ ظاہر کرتے رہتے ہین اور بعض ایسے ہین جو مذہبی تعصب سے واقعات کا اظہار کیا کرتے ہین۔

قدیم طرز تاریخ نویسی | وہ طرز تاریخ لکھنے اور پڑھنے کا صرف واقعات پر محدود تھا اور وہ زمانہ اُس کے واسطے موزون بھی تھا اس واسطے کہ مثل اس زمانہ کے علوم و فنون مین ترقی کہان تھی قدیم مورخ جو اپنے ملک کی تاریخ لکھتے تھے یا اور ممالک کی تاریخ لکھنے بیٹھتے تھے تو انکی عادت مین داخل تھا کہ وہ ہر ملک کے واقعات کو دوسری تاریخ کی کتابون سے نقل کیا کرتے تھے اور اپنے زمانہ کے حالات و واقعات بغیر کسی بڑی تحقیقات کے درج کرتے رہتے تھے اور ان کی تاریخین کیا ہوتی تھین۔ بادشاہون اور حکمرانون کے رزم و بزم کے متعلق ہوتی تھین یہی بہت بڑا حصہ اُن تاریخون مین پایا جاتا ہے اور اس مین جو عیب تھا وہ یہی تھا کہ اُس وقت مین کسی کو یہ جرأت حاصل نہ تھی کہ وہ انتظام اور حکومتون کی کمزوری پر نکتہ چینی کر سکتا وہ اپنے وقت مین جو حالات و واقعات گذرتے تھے ان کے عیب و صواب سے ضرور واقف ہو جاتے تھے اور جانتے سب کچھ تھے مگر زبان سے کچھ کہہ سکتے تھے اور نہ قلم سے لکھ سکتے تھے اپنے بادشاہون کے مخالف کو تو برا بھلا کہہ بیٹھتے تھے اور اُس کو بھی برا کہتے تھے جو اُن کے مذہب کے خلاف ہوتا تھا اس طرح پر کہ اس کے محاسن کو چھپا دیتے اور برائیون کو درج کر دیتے تھے اور اُس زمانہ مین کبھی یہی پایا جاتا ہے۔

مسلمان مورخین نے علم تاریخ مین بہت بڑی ترقی کی ہے اور فن درایت حدیثون کے جانچنے کے واسطے تو ہم کہہ سکتے ہین کہ انھین کا ایجاد کیا ہوا ہے انھون نے جغرافیہ کی کتابین بھی لکھی ہین جس کو بہت بڑا تعلق تاریخ سے ہے۔ اور انھون نے ملکون کی سیاحت بھی کی ہے اور سیاحت کے زمانہ مین جو حالات انھون نے مشاہدہ کیے ہین انکو لکھ دیا ہے اور اس فن درایت کی روشنی مسعودی کی تاریخی تصنیفات اور تالیفات مین جھلکتی ہے جو مسلمانون مین بہت بڑا مورخ تیسری صدی ہجری مین گذرا ہے اسنے سیاحت بھی کی ہے اور اسکے بعد چند تاریخین خاقانی ہین

لکھی ہین ان کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اسکو تحقیق وتنقید واقعات کا شوق تھا اور اُس زمانہ مین وہ اسکی
لیاقت اور قابلیت رکھتا تھا جس پر آج کے زمانہ مین فخر کیا جاتا ہے مثلاً مروج الذہب اور کتاب التنبیہ الاشراف
کہ یہی اس کی کتابین یورپ مین چھپی ہین ان مین اس نے بعض بعض مقامات پر تحقیق وتنقید واقعات کی ہے مثلاً
اسی کتاب مین اس نے یہ تاریخی واقعہ لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ اور حضرت علی سابق الاسلام ہین یا خلیفۂ اول
اور یہ لکھکر لکھدیا ہے کہ اخبار الزمان مین تحقیق وتنقید کے ساتھ اس کو فیصل کردیا ہے کہ سابق الاسلام حضرت
علی تھے اور اسی طرح پر اور واقعات بھی لکھے ہین ۔ مگر افسوس ہے کہ جو کتاب مسعودی کی ہے وہ اخبار الزمان ہے اور
اہل یورپ اس کی تلاش مین ہین اور بہت کچھ انعام دینا چاہتے ہین مگر ابھی تک دستیاب نہین ہوئی اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق وتنقید واقعات کا طریقہ اُس زمانہ مین بھی بعض مسلمان مورخون مین جاری تھا اور یہ وہ
زمانہ تھا جبکہ یورپ مین تاریکی پھیلی ہوئی تھی ۔ مگر اس طریقہ کی زیادہ اشاعت اور رواج اس سبب سے نہ تھا
کہ اُس زمانہ مین پریس کا ذریعۂ اشاعت موجود نہ تھا کہ مختلف ملکون کے مورخین کے خیالات کا تبادلہ ہوتا رہتا ۔

جدید طرز تاریخ نویسی اس زمانہ مین تاریخ کا حسن دوبالا ہوگیا ہے اور تنقیح وتحقیق واقعات کا قاعدہ ایک
معیار ہے جس کو پیش نظر رکھکر یورپ کے مورخین تاریخین لکھتے ہین اور بغیر اس طریقے کے اختیار کیے
ہوئے یورپ کا کوئی مورخ قلم نہین اُٹھاتا انھون نے تحقیقات کے طریقون کو اور بھی وسعت دے رکھی
ہے اور بہت سے قاعدے تاریخ نویسی کے متعلق اضافہ کئے ہین یعنے پبلک اور پرائیوٹ اور شاہی
کتب خانون مین قدیم وجدید سفرنامے اور تاریخ کی کتابین مختلف ملکون اور شہرون کی جمع کرلی ہین اور قومی
اولوالعزمی واعانت سے مختلف زبانون سے کتابین اپنی زبان مین ترجمہ کرکے چھپوادی ہین بس یہ سامان اُن کے
قابو مین ایسا ہے کہ اُس کی امداد واعانت سے اور نیز مختلف علوم وفنون مین ترقی ہوجانے سے وہ جس ملک
کی تاریخ لکھتے ہین وہ تاریخ اس ملک کی جمیع حالات کا آئینہ ہوجاتی ہے اور تاریخی واقعات وحالات مین
جو مختلف اور متضاد طریقہ کے پیرایہ مین مورخین لکھ دیتے تھے اُس زنگ کے چھیلنے کے واسطے جو قواعد اب تک وضع ہوچکے
لکھ دیے ہین اور ان کے علاوہ اور اصول بھی ایجاد کئے گئے ہین اُن پر یورپ کے مورخین کو ایسی قدرت حاصل ہے
کہ اُن مختلف ومتضاد واقعات کے نتائج کو بحث ومباحثہ کرکے اور قابل اطمینان حدود مین لاکر ایسا دکھلاتے ہین کہ پھر
اُن کے متعلق شک وشبہ باقی نہین رہتا بجز قومی ومذہبی وملکی تعصب ونفسانیت کے الزام کے کہ اس سے وہ ہرگز
بری نہین ہوسکتے اور کیونکر بری ہون اُن کی تو یہی عادت ہوگئی ہے ۔

اب واقعات کے جانچ کے جو طرق وقواعد ہین اُن سے بڑھکر اور کوئی ذریعہ نہین ہے جس سے واقعات
کی جانچ کیجائے واقعات کے سلب یا اس کے اعتماد کے واسطے یہی طریقہ اعلیٰ درجہ کا ہے جس کا رواج سابق

ہین بہت ہی کم تھا اور اب زیادہ ہو گیا ہے اور جو لوگ اس قاعدہ کے ماہر ہین وہ تاریخون کو پڑھتے بھی ہین اور سمجھتے جاتے ہین کہ واقعات مین صدق کذب کہانتک ہے۔ واقدی جو ایک بڑے مورخ و محدث مسلمانون مین گذرے ہین انکی نسبت صاف طور پر پہلے ہی لکھدیا گیا تھا کہ وہ حاطب اللیل ہین لینے رات کے لکڑی چننے والے جو خشک و تر لکڑیون مین کچھ امتیاز نہین کرتے اور اسی طرح رطب و یابس واقعات کو اپنی تاریخ مین لکھدیا ہے یہ سچ بھی ہے اور انکی کتاب کے دیکھنے سے اس فن کے ماہر نتیجہ نکال سکتے ہین کہ ان کے جمع کئے ہوے واقعات کی وقعت کیا ہے۔

مختلف سفرنامون سے بھی بہت مدد ملتی ہے اسواسطے کہ مورخین سابق جو پہلے لکھ گئے ہین انکین استداد زمانہ زمانہ سے اس درجہ تغیر و تبدل ہو جاتا ہے کہ وہ کچھ سمجھ گئے ہین اور سیاحون کے مشاہدہ مین اس کے خلاف ہو جاتا ہے اور یہ بھی ہوا کیا ہے کہ ایک ہی بادشاہ کے حالات اس زمانہ کے مورخون نے بھی لکھے ہین اور جو غیر ملک کے سیاح آئے انھون نے بھی اور اس ترقی یافتہ زمانہ مین انکے سفرنامے شائع بھی ہوے ہین بس ان سفرنامون کے واقعات سے جب تاریخی واقعات کا مقابلہ ہوتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ کون واقعہ صحیح اور کون غلط ہے۔

مگر بعض یورپین سیاح جو ایشیا مین سفر کرتے ہین اور ایشیا کے لوگون کے خصائل و طبائع سے اُن کی پاکیزگی و تقوی و طہارت سے محض نابلد ہوتے ہین وہ اپنے ملک کے روساء و سلاطین کے اعمال و کردار پر قیاس کرکے مشرقی لوگون پر بہتان کیا کرتے ہین دیکھیے ڈاکٹر برنیر کو جو فرانس کا مشہور سیاح ہے وہ شاہجہان و عالمگیر کے زمانہ مین آیا تھا اسکا سفرنامہ معلومات کا ذخیرہ ہے یہ پہلے فرانسیسی زبان مین شائع ہوا تھا اور پھر انگریزی مین بھی شائع کیا گیا بعد اس کے خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر پٹیالہ نے نہایت عمدہ ترجمہ اردو مین کیا تھا اس مین اس فرانسیسی سیاح نے مسلمان سلاطین و امرا پر بہت سے بہتان قائم کئے ہین جنمین سے دو کو بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے ایک یہ ہے کہ شاہجہان اپنی لڑکی جہان آرا بیگم سے ناجائز تعلقات رکھتا تھا اور میر محمد سعید میر جملہ سے عبد اللہ قطب شاہ والی گولکنڈہ کی والدہ سے تعلقات تھے اسی طرح مارکو پولو نے لکھا ہے کہ آخری خلیفہ بغداد المستعصم باللہ یہ چاہتا تھا کہ عیسائیون کو ایذا و تکلیف دینے کے واسطے کوئی راہ نکالے اسکو کوئی موقع نہ ملتا تھا ایک وزیر نے انجیل مین پڑھا کہ اگر عیسائیون مین رائی کے برابر ایمان ہے تو انکے کہنے سے پہاڑ ٹل جائیگا خلیفہ اس آیت کو پڑھکر بہت خوش ہوا اور خیال کیا کہ عیسائیون کو ایذا دینے کے لیے یہ اچھا موقع ہاتھ آیا ہے دوسرے روز اس نے یہ حکم دیا تھا کہ جتنے عیسائی بغداد مین رہتے ہین ان سب کو جمع کیا جائے بموجب حکم تمام عیسائی جمع ہوے خلیفہ نے عیسائیون سے خطاب کر کے کہا کہ تمہاری الہامی کتاب انجیل مین لکھا ہے کہ اگر تم مین رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا تو پہاڑ ٹل جائیگا لہذا تم دعا مانگو کہ پہاڑ سنجار

اپنی جگہ سے ٹل جائے اور اگر پہاڑ نہ ٹلا تو تم بے ایمان ہو تم کو ایذا دینا چاہیے اسپر عیسائی نہایت پریشان ہوئے اور خلیفہ سے چند روز کی مہلت مانگی اسی اثنا میں ایک عیسائی کو خواب دکھیائی دیا کہ بغداد کے ایک محلہ میں ایک کانا عیسائی کفش دوز رہتا ہے تم اس کے پاس جاؤ اور جاکر التجا کرو وہ دعا مانگے اُسکی دعا سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیگا چنانچہ کل عیسائی اس کے پاس گئے اور کل حال بیان کیا۔ اس کفش دوز نے جواب دیا کہ تمھاری خلیفہ سے کہدو کہ فلاں تاریخ کو عیسائی جمع ہو کر دعا کرینگے چنانچہ تاریخ مقررہ پر خلیفہ اور اس کے ہمراہ علماء بغداد سے باہر نکلے اسی طرح پر جسقدر عیسائی بغداد کے تھے وہ بھی بغداد سے باہر آئے اور ہر دونوں پارٹیاں پہاڑ کے میدان میں جمع ہوئیں اور دونوں نے ایک دوسرے کو تعجب کی نظر سے دیکھا اب کانا کفش دوز آگے بڑھا اور گھٹنے ٹیک کران الفاظ میں خدا سے دعا مانگی کہ خداوند اپنے کلام کی عزت رکھنا اور اس کانے کفش دوز کی دعا کو قبول کرنا اس کے بعد اس عیسائی نے انگلی سے اشارہ کیا بجرد اس اشارہ کے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹکر دوسری جگہ ہوگیا اس کو دیکھکر خلیفہ اور اُس کے ہمراہیوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا اب خیال کرنا چاہیے کہ مارکو پولو کا سفرنامہ ایسے ہی بے سروپا مضامین سے بھرا ہوا ہے جس کا ثبوت دوسری تاریخوں سے نہیں ملتا ہے

بابُ دوم

جدید تاریخ اور گذشتہ واقعات کی تنقیح

اب قدیم وجدید تاریخ نویسی میں جو فرق پیدا ہو رہا ہے وہ انھیں اصول کے لحاظ سے ہے جو پہلے نہ تھے اور اب اختیار کئے گئے ہیں اور واقعات کی جانچ کے اصول نے تو مردہ تاریخوں کو زندہ کر دیا ہے اور اس میں ایک تازہ روح پھونک دی ہے کہ اس سے تاریخ کو بہت بڑا فروغ ہوگیا ہے اب اس زمانہ کی تاریخ اُس کو نہیں کہتے ہیں جو واقعات کے نقل کا ذخیرہ ہوتی ہے بلکہ تاریخ اس کو کہتے ہیں جس میں صحیح طور پر واقعات جانچ کر درج کئے جائیں اور اُن پر رائیں قائم کی جائیں مذکورۂ بالا فرق کے علاوہ بحث طلب امر یہ ہے کہ جدید تاریخوں کی ترتیب و تالیف و تصنیف جن اصولوں پر اختیار کی گئی وہ قابل تسلیم ضرور ہیں مگر قرائن عقلی و قیاسات کے اعتبارات سے جس طرح پر واقعات سے نتائج کا استخراج کیا جاتا ہے وہ واقعات ایسے تو ہوں جن پر صحیح اور یقینی رائے قائم ہو سکے اور واقعات کی حالت یہ ہے کہ وہ ایسے باہم متضاد ہو جاتے ہیں کہ مورخین کو

ان سے نتیجہ پیدا کرنے مین بہت بڑی دشواری پیش آیا کرتی ہی جس واقعہ پر قیاس قائم کیا جاتا ہے اور قرائن
عقلیہ صرف کیے جاتے ہین تو ایسے قیاس سے اسی وقت کام نکل سکتا ہے اور یہ منطقی قیاس صحیح ہو سکتا ہے جبکہ
وہ واقعہ بھی صحیح کر لیا جاوے اس واسطے کہ تاریخ کا یہ اصول تسلیم شدہ ہے کہ صحیح واقعات پر صحیح راے قائم ہوا کرتی
ہی اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ مورخ قومی و ملکی تعصبات اور مذہبی و اعتقادی نفسانیت کو ترک کر کے اپنے کو
بالکل راستباز اور منصف بنا لیتا ہے اور مورخین کو ایسا ہی ہونا چاہیے گرنہ پہلے ہوئے ہین اور نہ اب ہین اور زمانہ
سابق مین تو الہام سے قومین ایسی متاثر ہوتی تھین اور پیشوایان دین سے اُن کا عقیدہ ایسا مستحکم ہو گیا تھا کہ
مختلف مذہب پیدا ہو گئے اور مذہبی مذاق کے مقابلہ مین وہ تاریخی مذاق کو کچھ بھی نہ سمجھتی تھین اور جس طرح پر
اُن کی مذہبی کتابون مین درج ہو جایا کرتا تھا اُسی پر یقین کر لیتی تھین اور یہ بھی تھا کہ جب مذہبی اعتقادات مختلف
فرقون مین تقسیم ہو جاتے تھے تو ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی صداقتون کو تسلیم نہ کرتا تھا تمامی
ادیان و مذاہب مین ہم یہی پاتے ہین اور یہ امر الہام کے واسطے مخصوص نہ تھا بلکہ غیر الہامی قومین بھی اسی راہ پر چلتی تھین
اور بمقابلہ باطل و حق مذہب کی صداقت و غیر صداقت کے وہ کسی تاریخی صداقت کے ماننے والے نہ تھے اُس
زمانہ مین تاریخی صداقتین بالکل متروک و مجہول و گمنام تھین اور جب جرح و قدح واقعات کا زمانہ آیا تو اب بھی
وہی حالت ہے مثلاً موجودہ زمانہ کے مورخین اصول جرح و قدح سے اُس تاریخی واقعہ کو تسلیم نہین کرتے جو توریت مین
لکھا ہوا ہے کہ ملک مصر سے جب بنی اسرائیل نکلے تھے تو وہ شمار مین چھ لاکھ تھے۔ اب یہ قیاس قائم کر کے اُس واقعہ
کا بطلان کیا جاتا ہے کہ اول تو اُس سر زمین مین اسقدر وسعت کہان تھی جس مین چھ لاکھ بنی اسرائیل علاوہ اور
اقوام تابعین فرعون سما سکتے ہین۔ دوسرے یہ بھی محال ہے کہ چار سو برس سے کچھ اوپر گزرے تھے یعنے اُس
زمانہ سے جب حضرت یعقوبؑ کنعان سے معہ سب بیٹے اور بیٹیون کی اولاد جن کا شمار معہ پوتے اور پوتیون
کے ستر نفوس مین کیا گیا ہے آئے یہ وہ تھے جو حضرت یعقوبؑ کے ساتھ کنعان سے ملک مصر مین داخل
ہوئے تھے۔ پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ کچھ اوپر چار سو برس کے اندر اُن ستر نفوس کی اولاد بڑھکر چھ لاکھ تک
پہونچ گئی ہو اور پھر یہ بھی تو ہے کہ ستر نفوس تھے جنمین سے کسی کو پولٹکل اقتدار و عروج ایسا حاصل
نہ تھا کہ وہ اُن کی ترقی اولاد کا باعث ہوتا جیسا کہ صاحب تاریخ روضتہ الصفا نے تاتاریون کی
کثرت اولاد کا سبب ملکی عروج قرار دیا ہے اور حال مین ممالک یورپ مین اولاد کی کثرت کا یہی سبب
قرار پایا ہوا ہے۔ صرف حضرت یوسفؑ کا اقتدار اگر مانا جائے تو وہ عارضی تھا بعد آپ کے بنی اسرائیل
سے بیگار لی جاتی تھی اور بحالت تکلیف و مصیبت کب اور کہان کثرت اولاد متصور ہو سکتی ہے
تیسرے یہ بھی ہے کہ وہ بیابان جو اب بھی موجود ہو اُسکے رقبہ کی وسعت اسقدر نہین ہو کہ ہین لاکھون

بنی اسرائیل سما سکتے ہوں۔ اب واقعہ پر جرح وقدح سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے اسکو یہودی اور انکے علاوہ اور جو
اہل ... کتابی ... مین بھی تسلیم نہ کرینگے۔ وہ اُلٹی تو تسلیم کرینگے جو توریت مین لکھا ہوا ہے اس واسطے کہ اہل
مذاہب کا ... اعتقاد ... قدیم سے چلا آتا ہے کہ الہامی کتاب تاریخ کے تابع نہیں ہے بلکہ تاریخ تابع ہے الہام کے جو کچھ الہام
مین ہے وہی صحیح اور درست ہے۔ باقی تاریخون مین جو اس کے خلاف ہے صحیح نہین ہے پھر الہام کی حالت
یہ ہے کہ توریت اور انجیل کے ہر جزو کو صحیح سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اس مین واقعات تاریخی بھی ہین اور دیگر سوانحا
بھی ہین جن کو الہام سے کوئی تعلق نہین ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات مین لکھا ہوا ہے کہ بیر شبع
مین آپ نے سات گابون کو گلہ سے نکال کر اور ان کو تقرار کے گواہ قرار دیا اور اس زمانہ کے فلسطین کے
حکمران سے بحلف معاہدہ فرمایا تھا اور کنوان کھدوایا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیر شبع کا شہر پہلے
سے آباد تھا مگر آپکی وفات کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کے حالات مین لکھا ہے کہ آپ نے بھی بیر شبع مین
کنوان کھدوایا تھا اور جب تیار ہو گیا تو یہ لکھا ہے کہ اس کنوئین کا نام شبع رکھا گیا اور اس سبب سے اس شہر کا نام آجتک
بیر شبع ہے حالانکہ یہ بھی حضرت ہاجرہ کے حالات مین لکھا ہے کہ وہ بیابان بیر شبع مین سرگردان رہین اور جب حضرت
ابراہیم نے کنوان بنوایا تھا تو اس وجہ سے بیر شبع نام ہوا یہ واقعات تاریخ سے متعلق ہین اور متضاد واقعہ سے ہرگز یہ
معلوم نہین ہو سکتا کہ بیر شبع کا نام حضرت اسحاق کے کنوئین کی وجہ سے ہوا اب شبع کے معنے عربی مین سیر ہونے
کے ہین اور بیابان مین جب پہلے سے کنوان تھا جسکو فلسطین کے حکام نے غصب کر لیا تھا تو اسی اضافت سے اس
بیابان کی آبادی کا نام بیر شبع ہو گیا ہوگا بہر حال توریت سے یہ نہین دریافت ہو سکتا ہے کہ اصلی حالت
اس واقعہ کی کیا ہے تاہم عبرانی یہ کہین گے کہ جو کچھ اس مین ہے وہ ٹھیک اور درست ہے اور اس مین ... زنی
کا موقعہ نہین ہے پھر یہ بھی تو غور طلب ہے کہ توریت مین شباعہ کے ساتھ بیر شبع کا ذکر نہین ہے بلکہ بیر شبع
تنہا ہے حالانکہ شبع کے معنے عربی لغات مین بھوکے کے ہین نہ کہ پیاسے کے جب یہ ہے تو بیر کی اضافت سے اسکے
معنے صادق نہین آتے بلکہ اس مقام پر بیر شباعہ ہونا چاہیے تھا نہ صرف بیر شبع۔ اور عربی لغت مین یہ بھی ہے کہ
شباعہ سیر شدن از آب زمزم یعنے زمانہ جاہلیت مین شباعہ زمزم کو بھی کہتے تھے اب خیال کرنا چاہیے کہ توریت
مین برخلاف حالات حضرت اسمٰعیل یہ لکھا ہے کہ بیر شبع فلسطین مین حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل کو لے گئے تھے
مگر قرآن مجید اور عربی تاریخون و احادیث اور نیز مسلمانون کی دوسری کتابون سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم
حضرت اسمٰعیل کو سرزمین حجاز مین چھوڑ آئے تھے پس شباعہ زمانہ جاہلیت مین زمزم کو بھی کہتے تھے اب
حجاز مین چھوڑ آنا درست ہو سکتا ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بیر شبع یعنے سات کنوئین تھے یہ سات
گابون کی وجہ سے ... ہے اور اس کی کچھ اصلیت نہین ہے کہ سات کنوئین تھے۔

ایسے اور بھی بہت سے واقعات ہین جو جرح قدح کے زمانہ مین صحیح ثابت نہین ہوتے مگر ماننے والے انھین کو مانتے ہین جو اون کی مذہبی کتابون مین لکھے ہوے چلے آتے ہین مسلمان بھی اس سے مستثنیٰ نہین ہین مسلمانون مین بھی جس زمانہ سے مذہبی تفرقہ ہوا ہے یہی حالت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ایک زمانہ مین عربون کی پارٹیون مین اس درجہ سازشین ہو گئی تھین اور ان سازشون کی بدولت بعض قبائل کے سرگروہ خفیہ طور پر قتل بھی کرا دیے گئے مگر کسی کو کہدیا گیا کہ اجنہ مار گئے حالانکہ اور صحیح واقعات جو اس واقعہ کے خلاف درج ہین اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات پر قتل کا الزام صحیح نہ تھا بلکہ اپنے اغراض کے قائم رکھنے اور اپنی ذاتی ترقیون کے واسطے اُن سرگروہون کو قتل کر کے اپنا مطلب نکالا گیا تھا مگر اُن سرگروہون کا تسلیم کرنے والا فریق وہی لکھتا ہوا چلا آتا ہے جو پہلے اس کے راس رئیس لکھ گئے ہین اس کے علاوہ یہ بھی غور طلب ہے کہ مسلمانون مین انبیاء کی احادیث نہایت معتبر ہے مگر قرآن مجید اور درایت سے تو ریت ثابت ہے اور یہ بھی ہے کہ بعد جب حضرت شیخ مسلمانون کی وراثت تقسیم ہوتی چلی آتی ہے تاہم وہی صحیح ہے جو صحیح نہ تھا اور صحیح غلط ہے اور بغیر اتفاقی ثبوت کے تاویلات سے کام لیا جاتا ہے۔ اور ان مختلف و متضاد مذاہب اور فرقون کی لاثبوت تاویلات سے بہت سی تاریخی صداقتین مخفی ہو کر رہ گئی ہین اور لاثبوت تاویل ایک بیکار شے ہے جو مجبوراً مختلف مذاہب نے اختیار کر رکھی ہے درحقیقت تاویل وہی ہے جو بغیر تاویل واقعہ سے واقعہ کی تردید ہو جائے جیسا کہ جناب مولوی سید احمد خان صاحب مرحوم نے اپنی کتاب خطبات احمدیہ مین جواب سر ولیم میور صاحب تاریخی واقعہ سے تاریخی واقعہ کو رد کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے لکھا تھا کہ کعبہ مسلمانون کا بنایا ہوا ایک معبد ہے نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے بتردید اس کے مولوی صاحب موصوف نے بطلیموس کے سفرنامہ سے یہ جواب دیا ہے کہ ظہور اسلام سے کئی ہزار برس پہلے جب اُس حکیم نے حجاز کا سفر کیا تھا تو اپنے سفرنامہ مین لکھا ہے کہ اُس زمانہ مین بھی کعبہ بنا ہوا تھا اور اسی اصول کی بنا پر اُس مضمون نگار کا بھی جواب ہے جنے سائکلوپیڈیا مین ایک مضمون قرآن مجید پر لکھا ہے کہ قرآن شریف مین مصر مین پانی برسنا لکھا ہے حالانکہ وہان کبھی بارش نہین ہوتی صرف رود نیل کی موسمی طغیانی سے زراعت کی سرسبزی و شادابی ہو۔ اب ہم اسکا جواب شاہزادہ فرہاد میرزا کے سفرنامہ سے یہ دیتے ہین کہ انھون نے جب مصر مین سفر کیا ہے تو لکھا ہے کہ جب مین پہونچا تو وہان ترشح ہو رہا تھا اور سب سے بڑھکر یہ ثبوت ہے کہ ابھی چند روز ہوے کہ اخبارون مین بذریعہ تار یہ خبر شائع ہوگئی کہ مصر مین اس قدر بارش ہوئی کہ طغیانی آگئی اور ہزار ہا مکان منہدم ہو کر رہ گئے۔ یہ سچ ہے کہ مصر مین بارش کا قحط اور ممالک کے بہ نسبت ہے صرف رود نیل سے طغیانی ہوا کرتی ہے مگر یہ سچ نہین کہ کبھی بارش ہی نہین ہوتی ہے اور قرآن مجید جو ہم مسلمانون

کی ایک مقدس الہامی کتاب ہے اس مین جو کچھ لکھا ہے وہ ہم مسلمانون کے نزدیک واجب التسلیم ہے اور مخالفین جو کبھی کبھی نکتہ چینی کر بیٹھتے ہین وہ کبھی صحیح نہین ہوسکتی ہے۔

باب سوم

مذہبی اور قومی تاریخی واقعات کی حالت

یہ اُس زمانہ کے حالات پر ایک تاریخی تبصرہ کیا گیا ہے جبکہ قومیت کا نام و نشان بھی نہ تھا صرف مذہبی احکام کے تابع اقوام اُمم تھین مگر اس زمانہ مین تو قومیت کا نشو و نما عروج و علمی تحقیقات اور روایات کی جانچ کا اس درجہ چرچا پھیلا ہوا ہے کہ مختلف اقوام اپنے محاسن اور دوسری قومون کے معائب کا اظہار کیا کرتی ہین اور اپنے قومی اغراض کو پیش نظر رکھ کر تمام رزم و بزم کے واقعات کو الٹ پلٹ کر اس طرح پر بیان کیا جاتا ہے کہ وہ قیاس کے خلاف اور عقل سے بعید ہوتا ہے مگر بیان کرنے والے اس کو بیان ہی کرتے رہتے ہین۔ اور یہ امر تو مسلمہ ہے کہ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز پولیٹکل معاملات مین اسی مقولہ پر عمل کسی قدر درست ہے مگر اس درجہ ترقی کر جانا کبھی درست نہین ہوسکتا کہ جس مین اک طرفہ بیان کے سوا اور کچھ بھی نہ ہو۔ یہ جنگ عظیم جو حال مین یورپ مین ہوئی ہے اُس مین مختلف جنگجو اقوام نے اپنی اپنی قوم پرستی کے لحاظ سے واقعات مین اس درجہ رنگ آمیزی کی ہے کہ دوسرے ممالک کے تاریخ لکھنے والے کوئی تاریخ بر بنائے صحیح واقعات نہین لکھ سکتے ہان اک طرفہ تاریخ کی ترتیب ہوسکتی ہے جس کی کوئی وقعت نہین ہے اور یورپ کے مختلف ممالک مین سنسر کا ایک قاعدہ ایسا ایجاد کیا گیا ہے کہ اس نے اور بھی واقعات پر رنگ چڑھا دیا۔ پس ایک زمانہ تو وہ تھا جس مین مختلف مذاہب کے اغراض نے تاریخی واقعات کو چھپا رکھا تھا اور دوسرا زمانہ یہ ہے کہ واقعات تاریخی کا اظہار قومیت کے اغراض لیے ہوئے ہے جس کی وجہ سے تاریخی واقعات تیرہ و تار ہو کر رہ جاتے ہین اور اُن اک طرفہ واقعات سے صحیح تاریخی نتائج پیدا کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ نپولین اعظم نے جو ایک زمانہ مین پولیٹکل عروج حاصل کیا تھا اس کے تاریخی حالات انگریزی مورخین نے کچھ عجیب و غریب لباس مین ظاہر کئے ہین مگر حال مین ایک تاریخ کا ترجمہ انجمن ترقی خواہ اردو کی جانب سے شائع ہوا ہے اُس مین جس درجہ الزام نپولین پر قائم کئے گئے ہین اُن سب کی تردید موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ یورپ مین تاریخ کے لکھنے والے اپنے قومی تعصب اور نفسانیت سے کس درجہ کام لیتے ہین اور یہ صرف یورپ ہی پر موقوف نہین ہے بلکہ یورپ کی ترقی کے ساتھ تقلیداً ایشیا کی اور قومون نے بھی اسکو اختیار کر رکھا ہے مثلاً ایرانیون نے جب ہرات پر حملہ کیا تھا اور انگریزون نے ہرات کی حفاظت کی غرض سے جو حملہ ایرانیون پر کیا اُس مین انگریز کہتے ہین کہ ہم کامیاب ہوئے اور ایرانیون کا بیان ہے کہ ہم نے فتح پائی ہے جیسا کہ صاحب ناسخ التواریخ نے جو ایک عظیم الشان تاریخ دنیا کی ہے اُسکی اُس جلد مین جو قاچاریون کے حالات مین لکھی گئی ہے بیان کیا ہے اور اُس مین یہ بھی ہے کہ جو عہدنامہ پیرس مین ایرانیون اور انگریزون مین ہوا ہے اُس کو ناسخ التواریخ کے مورخ نے نہین لکھا ہے اس وجہ سے کہ وہ ایرانیون کی شان و شوکت کے خلاف ہے مگر سر ایچیسن صاحب نے جو عہدنامجات مرتب فرمائے ہین اُس کی ایک جلد مین اُس عہدنامہ کو درج کر دیا ہے مگر صاحب موصوف نے بھی اُس عہدنامہ کو چھوڑ دیا ہے جو مقام ترکمانچی ایران اور روس مین ہوا ہے وہ ناسخ التواریخ مین درج ہے یہ واقعات کے مخفی کرنے اور صحت واقعات کی تحقیق نہ کرنے کے عادات جو بعض مورخین نے اختیار کر رکھے ہین وہ اس ترقی یافتہ زمانہ مین ظاہر ہوتے جاتے ہین مگر کب جب مختلف سفرنامے اور مختلف سیر و تاریخ کی کتابین تاریخ کے لکھنے والے کے پاس موجود ہون جیسا کہ یہ واقعہ ہے کعب ابن اشرف جو مدینہ مین ایک دولتمند یہودی تھا وہ معاذ اللہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا کرتا تھا اور آپ کی شکست سے خوش ہوتا تھا، اور منافقین سے سازش رکھتا تھا یہانتک نوبت پہونچی کہ محمد ابن مسلمہ وغیرہ نے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت فرمائین تو ہم اس کو قتل کر دین مگر وہ اجازت ایسی ہو کہ ہم اس کے پاس جاکر آپکو برا کہین گے تاکہ وہ ہم پر اعتبار کرے اس دھوکہ مین لاکر ہم اسکو قتل کر دین گے چنانچہ حسب خواہش ان کے اجازت دی گئی انھون نے کعب کو قتل کر کے سر اس کا پیش کیا اس واقعہ کا اظہار جب بصرہ مین حضرت علی علیہ السلام سے ایک شخص نے کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم پیغمبر پر تہمت رکھتے ہو اور اس کو قتل کر دیا اول الذکر واقعہ سب کتابون مین لکھا ہوا ہے مگر سیرت شامی اور عینی شرح بخاری مین آخر الذکر واقعہ تحریر ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے اس واسطے کہ اول تو جناب امیر المومنین نے اول واقعہ کی تردید فرمائی ہے اور دوسرے حضرت سرور کائنات کی شان کے خلاف بھی تو تھا اور یہ بھی ہے کہ ایک سفرنامہ مین لکھا ہوا ہے جس کو اس مقام پر پیش کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین غور کر کے نتیجہ پیدا کر سکین کہ جو مسافر شاہ عالم بادشاہ ہند کی جانب سے ولایت کو ایک ایلچی کے ہمراہ بھیجا گیا تھا اس کا آغاز کیا تھا اور ولایت مین پہنچکر اُس کا انجام کیا ہوا۔ اور یہی وہ واقعات ہین جن کو زمانہ سلف مین بھی اور اس زمانہ مین بھی قومی و مذہبی مورخ باغراض قومی و ملکی ظلمناک کرتے رہتے ہین جیسے اس مسافر نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ شاید ہی کسی منصف مزاج مورخ نے بیان کر دیا ہو ورنہ یہی دیکھا گیا ہے کہ معائب کا اخفا

کیا گیا ہے اور بجائے اس کے تمام سنگ رنگ آمیزی کے ساتھ مبالغہ بیان کئے گئے ہین جو اصول تاریخ نویسی کے بالکل خلاف ہین۔ چنانچہ اس سفرنامہ کو ۱۸۲۷ء مین جیمس ایڈورڈ مسرو ارترک سواران انگریزی نے اردو مین ترجمہ کیا ہے اُس نے اُس برتاؤ کو خارج کردیا ہے جو اس مسافر نے بیان کیا ہے اگر اصلی سفرنامہ دیکھا جاتا تو اس امر کا پتہ بھی نہ ملتا جو ذیل مین بصراحت لکھا جاتا ہے :-

منشی اعتصام الدین ولد شیخ تاج الدین مرحوم ساکن پرگنہ تاجپور متعلقہ ضلع ندیا کا سفرنامہ موسوم بہ شگرفنامہ قلمی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن مین موجود ہے اس سفرنامہ مین اُس کے لکھنے والے نے وہ واقعات بھی لکھے ہین جو اُس پر گذرے ہین۔ اور بعض اُن واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے جو اُس کے شورہ اور مشورہ سے عمل مین آئے ہین اور اُس کے چشم دید ہین چنانچہ وہ اپنی سرگذشت اپنے قلم سے اس طرح بیان کرتے ہین :-

مین اُس زمانہ مین میجر پارک صاحب کی سرکار مین ملازم ہوا تھا جبکہ قاسم علی خان کا دور دورہ تھا اور عظیم آباد تک ان کے ہمراہ رہا بعدہٗ ملازمت اعلیٰ حضرت شاہ عالم غازی حاصل کرکے میجر صاحب کے ہمراہ کلکتہ گیا اور جب میجر صاحب ولایت گئے تو مین مسٹر اسٹیرج صاحب کے پاس نوکر ہوگیا دو سال تک ان کی خدمت اور نواب قاسم علی خان کی جنگ مین بمقام کریا ہمراہ لشکر کے تھا اور راج محل سے ہمراہ صاحب بہادر سید فی پور آیا اور قطب پور مین بزمانہ مسٹر بروٹ صاحب ایک سال تحصیلدار رہا اور جب صاحب بہادر کا انتقال ہوگیا تو ۱۱۷۹ھ مین ناگ صاحب کی خدمت مین پہنچا اور نوکر ہوگیا اور وہ زمانہ تھا جبکہ نواب شجاع الدولہ بہادر بکسر کی جنگ مین انگریزون سے جسکے سپہ سالار میجر مرڈ صاحب تھے شکست پاکر لکھنؤ سے روہلکھنڈ بحالت پریشانی چلے گئے تھے اب مین حضرت شاہ عالم غازی کی ملازمت حاصل کرکے الٰہ آباد گیا اور وہان سے لکھنؤ آیا اسوقت نواب شجاع الدولہ بہادر کالپی مین گئے ہوئے تھے اور پچاس ہزار سوار ملہر راؤ مرہٹہ سے لیکر کوڑہ جہان آباد مین فوجکشی کی جنرل کارناگ بہادر نے فیض آباد اودھ سے مراجعت کرکے شیو راجپور کے گھاٹ سے عبور کیا اور فوج مرہٹہ سے مقابلہ کرکے ہکو شکست دی اب ملہر راؤ کالپی چلا گیا اور نواب شجاع الدولہ بہادر قنوج گئے اور صلح کی گفتگو شروع ہوئی اور قنوج سے بسمت الٰہ آباد کوچ کیا اور کڑہ مانکپور مین پہونچکر ملازمت شاہ عالم بہادر حال کی اور خلعت لیکر نواب صاحب قلعہ الٰہ آباد مین داخل ہوئے۔ اب لارڈ کلایو ثابت جنگ دوبارہ ولایت سے واپس آکر الٰہ آباد پہونچے اور یہان نواب صاحب بہادر لارڈ صاحب بہادر عہدنامہ مرتب ہوا۔ اس عہدنامہ سے صوبہ الٰہ آباد اور صوبہ کوڑہ جہان آباد جن کی مجموعی آمدنی اٹھتالیس لاکھ روپیہ تھی شاہ عالم بادشاہ کے مصارف کیواسطے مقرر ہوئے۔ اور باقی صوبہ اودھ جس کی آمدنی ایک کروڑ پچاس لاکھ تھی قبض و تصرف نواب صاحب بہادر رکھا گیا۔ اور پچاس لاکھ روپیہ نقد بغرض مصارف لشکر کمپنی نواب صاحب

کے ذمہ قرار دیا گیا دو قطعہ عہدنامے کے مکمل ہوئے جن پر دستخط اور مہرین ہوئین -

یہ عہدنامہ کس طرح پر عمل مین آیا اس کی حالت مولف سفرنامہ نے بیان کی ہے اور جبکہ مولف نے یہ لکھا ہے کہ یہ صلح نامہ بہ نواب شجاع الدولہ بہادر اور فرمان شاہی اصلاح و مشورہ میرے اور محمد میر منشی باتفاق مسٹر جارج اور مسٹر نسٹرٹ بہادر مترجم عمل مین آیا تو جس طریق سے یہ عہدنامہ[۱] ہوا اس کو بچشم دید بیان کیا ہے مولف سفرنامہ کا بیان ہے کہ اول کتاب انجیل لارڈ کلایو صاحب نے نواب صاحب کے ہاتھ مین دی اور نواب صاحب نے قرآن مجید اپنے ہاتھ مین لیکر لارڈ کلایو صاحب کے ہاتھ مین دیا اس طرح پر بحلف معاوضہ کرکے معانقہ کیا گیا اب سات روز کے بعد نواب شجاع الدولہ بہادر شاہ عالم بادشاہ سے خلعت لیکر صوبہ اودھ مین تشریف لے گئے اس کے بعد لارڈ کلایو صاحب نے کمپنی کے نام سند دیوانی کی شاہ عالم بادشاہ سے حاصل کی اور حکومت کی سند نواب نجم الدولہ ولد نواب جعفر علیخان کے نام کرائی اور یہ قرار پایا کہ سالانہ چھبیس لاکھ روپیہ خزانہ عامرہ شاہی مین داخل ہوتا رہے گا - باقی جاگیرات امرا و منصبداران سابق بازیافت کرکے دیگر کفالت اور ما حاصل صوبہ بنگالہ بطریق استعفا بنام کمپنی بہادر سند بادشاہی مین لکھوا کر سند کو لیا اور قرار دیا کہ ساٹھ لاکھ روپیہ نواب نجم الدولہ بہادر کو ملا کریگا - یہ لکھکر مولف سفرنامہ لکھتے ہین کہ ۱۱۸۹ھ ہجری مطابق ۱۷۷۵ء کو مین ہمراہ کرنل جان اپٹن صاحب بہادر واسطے صلح کرنے پونا گیا اور پیشوا کے دربار مین عہدنامہ کیا جس کی نقل میرے پاس موجود ہے -

اب لارڈ کلایو نے بعد حصول سند شاہ عالم سے رخصت چاہی اس وقت بادشاہ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ آپنے کمپنی کا تو خاطرخواہ کام انجام دیا مگر فوج انگریزی کا تا جلوس تخت دہلی اور انتظام ممالک محروسہ کی جانب لحاظ نہین کیا حالانکہ ہر جانب سے میرا محاصرہ نمکحرام دشمن کیے ہوئے ہین - لارڈ کلایو اور جنرل کارناگ اسپر متاثر اور محجوب ہوئے اور عرض کی کہ فراہمی فوج انگریزی بدون حکم بادشاہ و مرضی کمپنی ہم نہین کرسکتے مگر یہ کہ ہم نے ولایت مین لکھا ہے اس وقت تک انتظام سربراہی فوج عمل مین نہ آئے گا جب تک جواب نہ آئے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ خود بدولت الہ آباد مین رہین اور جنرل اسمتھ صاحب بہادر سپہ سالار فوج انگریزی معہ ایک

---

[۱] اس طرز سے جو معاوضہ و معانقہ فیما بین عمل پذیر ہوا اس سے ناظرین کو حیرت ہوگی کہ الہامی کتب کو ایک دوسرے کے ہاتھ مین کیون دیا گیا اپنے اپنے ہاتھ مین رکھکر کیون نہ حلف کیا گیا اس کی تشریح اس واسطے کی جاتی ہے کہ ناظرین سمجھ لین اور حیرت و تعجب باقی نہ رہے اور وہ یہ ہے کہ اس عہدنامہ سے غیریت اور بیگانگی برطرف ہوگئی اور اب سے یکجہتی قائم ہوگئی ہے یہ معاوضہ اسی غایت سے کیا اور معانقہ بھی اسی نیت سے تھا ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

پلٹن کے ہمرکاب رہیں گے اور انگریزی چھاؤنی جونپور مین مقرر ہوئی ہے جو الہ آباد سے قریب ہے بروقت ضرورت حاضر ہو جائے گی۔ پھر یہ طے پایا کہ ایک لاکھ روپیہ کے تحفہ و تحایف کپتان سوین صاحب کو دیکر بطور سفیر منجانب بادشاہ ہندوستان بادشاہ انگلستان کے پاس روانہ کیا جائے اور بارہ ہزار روپیہ مجھکو بھی دیا گیا اور ہم دونوں روانہ انگلستان ہوئے۔ اب جہاز پر ایک ہفتہ کے بعد کپتان موصوف نے مجھ سے کہا کہ بادشاہ کا خط لارڈ کلائیو نے مجھ سے لے لیا ہے اور کہا کہ بادشاہی تحفہ و تحائف ہنوز بنارس سے نہیں پہنچے ہیں صرف خط بادشاہ کا لیجانا مناسب نہیں ہے۔ مین سال آیندہ ولایت پہونچکر وہ خط تمکو و یدونگا تم پیش کر دینا مگر لارڈ کلائیو صاحب جب ولایت پہونچے تو انھون نے خود ہی تحفہ و تحائف اپنے نام سے بادشاہ بیگم کے حضور میں پیش کیئے اور مستحق مراحم ہوئے اور نام و مقام شاہ عالم غازی کا ذکر و مذکور تک نہ کیا اور نہ کسی پر اس کا حال ظاہر کیا کپتان موصوف جو لارڈ کلائیو کے قول پر اعتبار رکھتے تھے اب بلحاظ قومی وہ لارڈ کلائیو سے مایوس ہوئے مجھ سے کہا کہ تم نے جو خیال کیا تھا وہ صحیح تھا چونکہ کپتان سوین صاحب بادشاہ کے امیرون سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھتے تھے اس لئے انھون نے لارڈ کلائیو کی مخالفت مناسب نہ سمجھی، الغرض مین بعد تکلیف مصیبت بے نیل و مرام واپس آیا، سبحان اللہ گئے تھے چھبے بننے کے واسطے رہ گئے دوبے، کس طرح پر اس طرح کہ رستہ میں ایک برہمن جو چھبے بننے کے لئے جاتا تھا اُس سے ایک شخص نے کہا کہ دوبے جی کہاں جاتے ہو اُس برہمن نے کہا کہ ہم دو بڑہانے جاتے تھے تم نے تو دو اور کم کر دئے ہین، یہی مثل صادق آتی ہے کپتان سوین و منشی اعتصام الدین اور لارڈ کلائیو کی کارروائی پر کہ شاہ عالم کی جانب سے گئے تھے گویا چھبے بننے کے واسطے مگر ولایت مین جب کچھ مطلب حاصل نہ ہوا تو لارڈ کلائیو کے طرز عمل سے کچھ اور سے اور ہو گیا ہے بعد تکلیف اور مصائب بسیار دوبے ہو کر واپس آنا پڑا۔

اب سوال یہ ہے کہ تاریخ کیونکر بنتی ہے جواب یہ ہے کہ دنیا کبھی واقعات و حادثات سے خالی نہ تھی و نہ آیندہ رہے گی۔ انھین واقعات کے مجموعہ کا نام تاریخ ہو جایا کرتا ہے مگر قابل اصلاح عادت جو یورپ کے مورخین کی ہے وہ کیا ہے یہ ہے کہ وہ اپنی قومی تائید اور حمایت کے نشہ مین سرشار ہو کر جب تاریخ لکھتے ہین تو اُنکی تاریخ ایک طرفہ قومی تاریخ ہو جایا کرتی ہے یعنے اُن کے اخبارون اور تاریخون مین جو کچھ لکھا جاتا ہے اسمین بھی انصاف سے کام نہیں لیا جاتا ہے بلکہ اب اُن سے چشم پوشی کر کے ایسے مورخین کی تاریخ نویسی کا طرز تمام تاریخی اصول کو لئے ہوئے ہے لیکن وہ اپنے اور اپنی قوم کے منصب ہی نہین ہین بلکہ غیر قومون کے واسطے ان کا انصاف ہے اور ان کی تاریخین قوم پرستی کے خیالات سے مالا مال ہین اور جب تاریخی اصول پر اُن پر نظر کی جاتی ہے تو اُن کی تحریر [illegible] سے یہی ثابت ہوتا ہے جس تاریخ کو روشنی مین لانے [illegible] وہ روشنی قومیت کے خیالات مین

آکر پھر قومی خود غرضیون کی وجہ سے تاریکی سے مبدل ہوگئی ہو۔

ایک اور عیب بھی موجودہ زمانہ کے مورخین مین یہ ہو کہ وہ اپنے تمام قومی افراد کو سچا اور منصف سمجھے ہوئے ہین علی ہذا اپنے قومی اصول حکومت کو بھی - اس لئے اُن کی مزاجی حالت اور اُن کا مذاق یہی ہو کہ اور قومونکے مقابلہ مین اپنے قومی افراد کو سچا جانتے ہین اور قومی خود غرضی سے جو اصول حکومت مقرر کر رکھے ہین اُنکے مطابق قیاس کیا کرتے ہیں اور ایسا قیاس کب ہوتا ہی جب غیر قومیں اپنے مطالبات پیش کرتی ہیں تو اُن کا قیاسی نتیجہ بھی اُن کے مدعا کے موافق پیدا ہو کر رہجاتا ہی اور وہ نتیجہ ہوتا گیا ہی، اپنی قوم کی حمایت اور تائید کا صرف اسی زمانہ مین نہین، بلکہ ہر زمانہ مین حق کا مطالبہ بہت ہی ناگوار ہوا کیا ہی جہان کسی نے اپنا حق طلب کیا بس حکمران قومین بگڑ بیٹھتی ہین اور بجائے محدود حق عطا کرنے کے طالب حق پر طرح طرح کے الزامات قائم کئے جاتے ہین اور شخصی حکومتون مین بھی یہ ہوا کیا ہی اور اب قومی حکومتین بھی اسی رنگ مین ڈوبی ہوئی نظر آتی ہین اور یہ اصول جس واسطے اختیار کئے گئے ہین اُن کی تبدیلی بھی نہیں ہوتی اور نہ قومی مورخین اُن کی تبدیلی کی ضرورت سمجھتے ہین حالانکہ یہ جدید تاریخی اصول قابل عمل ہی اور منصف مورخ کے انصاف کا بھی یہی مقتضاء ہے کہ جن غیر قومون مین حکومت کی جاتی ہی وہ بھی تو قومی اُصول حکمرانی کے مدّاح و ثنا خوان ہون جب وہ تعریف نہین کرتین بلکہ شکایت کرتی ہین، تو کسی مورخ کو یہ لازم نہین ہی کہ وہ صرف اپنے قومی اصول حکمرانی کا موید رہے اور اُن کے واسطے انصاف کی تحریک نہ کرے، یہی اصول کی جھلک زمانہ سابق میں بھی تھی جبکہ مذہبی مذاق ترقی پر تھا اور قومیت کا خیال باضابطہ نہ تھا۔ اور انسان کا یہ قدرتی خاصہ تھا اور اب بھی ہی کہ وہ اپنے وطن کی ہر شئے کو اچھا جانتا ہے اور اپنے ہم مذہبوں کے اقوال و افعال کو بُرا نہیں سمجھتا۔ اسی مزاجی و قدرتی مذاق کے واقع ہونے سے یہ عجیب و غریب قیاس ابن خلدون نے جو ملک اسپین شہر اشبیلیہ کا باشندہ مدفون بمصر ۸۰۸ھ ہجری تھا ہارون رشید کی ظاہری شرعی حالت کو سُن کر کیا تھا کہ اُن پر شراب نوشی کا الزام جو لگایا جاتا تھا وہ اس وجہ سے صحیح نہین ہوسکتا کہ وہ پابند شرع تھے اور جو پابند شرع ہو وہ کبھی اُس شئے کو اختیار نہ کریگا جس سے اُس کے شارع نے منع کر دیا ہو حالانکہ واقعات کے اعتبار سے دیگر اسلامی مورخین نے لکھا ہو کہ اُن کی خلافتی ظاہری حالت یہ تھی اور باطنی حالت مثل اُن بادشاہون کے تھی جو شراب سے پرہیز نہ کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلدون نے اُن کی زندگی کے تمام واقعات کو دیکھکر نتیجہ پیدا نہیں کیا بلکہ اُن کی ظاہری شرعی پابندی پر اپنے قیاس کو ختم کر دیا مورخین کا یہ فرض ہو کہ وہ واقعات کو دیکھ کر نتیجہ نکالا کریں۔ نہ کہ صرف ظاہری حالت پر قیاس کرلیں کہ وہ ایسا تھا۔ اور بعض کا یہ خیال ہے کہ ابن خلدون آل عباس کی خلافت کا موید تھا اس واسطے خلفائے بنی عباس کا ہر ایک فعل اُس کو مستحسن نظر آتا تھا، اسی طرح پر اُس نے یہ بھی قیاسی نتیجہ پیدا

کیا ہے کہ عربوں کا اقتدار حکومت جب دنیا میں پھولا پھلا تو انھوں نے اپنی رعایا کے بہبود و ترقی کے مدارج پر پہنچانے کے لئے کوشش نہیں کی نہ ان کو علمی مذاق تھا نہ انھوں نے یہ سرمایہ دوسروں کو عطا کیا اور عرب، جو عمارتیں ہوگئے وہ بھی ناقص تھیں۔ یہ حملہ عربوں پر واقعات کی بُنیاد پر نہیں کیا گیا بلکہ ایسا صرف خیال کر لیا گیا حالانکہ تمدن عرب جو عربوں کی تاریخی کتاب ہے اور جس کو فرانس کے ایک فاضل و عالم مورخ نے جمع کیا ہے اور اُردو زبان میں اسی نام سے چھپ کر شایع ہوئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے جو کام دُنیا میں کئے وہ اُنھیں کا حصہ تھا۔ اور یہ قیاس اُس مورخ کا واقعات کی بُنیاد پر نہ تھا، بجائے اس نکتہ چینی کے عربوں کی تعریف کرنا چاہئے تھا اسواسطے کہ اُنھوں نے بڑی تکلیف اور مصیبت اُٹھا کر دُنیا میں اسلام پھیلایا، دیکھئے کہ اُن کے ملک میں منزلوں تک ریگستان ہی ریگستان واقع ہے مگر جب اُن کی فوج ایک مقام سے دوسرے مقام پر روانہ ہوتی تھی تو کبھی کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ نہ پانی ملتا تھا اور نہ دانہ بس یہ اونٹ جو عجیب الخلقت ہے اس کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ پانی پینے کے بعد دو دو تین تین ہفتہ تک اُس پر غلبہ تشنگی کا نہیں ہوتا اور پانی جو پیتا ہے اُس کو محفوظ رکھتا ہے اسی کو مجبوری کے وقت عرب ذبح کر کے گوشت کھالیا کرتے تھے اور ذبح کے وقت جو پانی نکلتا تھا اُس کو پی کر اپنی تشنگی بجھایا کرتے تھے۔

مُلّا عبدالقادر بدایونی جو اکبر کے دربار میں ملازم تھا اُس نے مذہبی متعصبانہ خیالات اکبر کے حالات کے متعلق قائم کئے ہیں۔ اُس کا یہ خیال تھا کہ اکبر جو دیندار بادشاہ تھا اُس کو ابوالفضل نے بیدین کر دیا تھا بس اُس نے اس خیال سے اپنا جو قیاس قائم کیا تھا وہ یہ تھا کہ اکبر کا ہر قول و فعل اُس کی نظر میں بدنما تھا اس کی تاریخ کے دیکھنے سے جو اُس نے اکبر کے حالات میں لکھی ہے ایسی ہی نکتہ چینیاں پیدا ہو سکتی ہیں جن سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر اکبر مثل اس مُلا کے مذہبی متعصب ہوتا جیسا کہ وہ ابتدا میں تھا جس کی تصدیق ابوالفضل بھی کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ وہ شیخ الاسلام کا جوتا اُٹھا کر رکھدیا کرتا تھا تو یہ مُلا کبھی اُس پر نکتہ چینی نہ کرتا بلکہ اُس کی بُرائیوں کی جگہ اس کے محاسن بیان کرتا، یہ سچ ہے کہ اُس زمانہ کے مورخ بادشاہوں کی برائیوں کو چھپا دیتے تھے اور اُن کی نیکیاں ظاہر کرتے رہتے تھے مگر مُلا عبدالقادر نے جو بُرائیاں بیان کی ہیں اُن میں اگر اُس کے مذہبی تعصب کی آمیزش نہ ہوتی تو وہ قابل تسلیم تھیں۔ اُس کے اس طرح پر قیاس کرنے سے اُس کے متعصبانہ حملوں پر یقین نہیں ہوتا۔ برخلاف اُس کے ابوالفضل پر یہ الزام ہے کہ جب اُس کے مذاق کے مطابق اکبر کی سرگذشت تھی تو اُس نے اکبر کی بُرائیوں کو چھپا دیا ہے اور بھلائیوں کو ظاہر کیا ہے اور اُس مقولہ پر عمل کیا ہے کہ "جس کا کھائے اُس کا گائے"۔ یہ دونوں باتیں منصف مزاج مورخوں کے واسطے زیبا نہ تھیں۔ مگر اُس زمانہ کے مورخ تو بادشاہوں کے مورخ ہوتے تھے جیسا کہ اس زمانہ کے مورخ اپنی قوم کے مورخ ہیں۔ پس بادشاہوں کے ذاتی ناموری

نسبت نہین بلکہ ان کی حکمرانی کے حالات کے متعلق اُن کے قیاسات اور خیالات کو لینا چاہئے۔ پس ابوالفضل نے اپنے تاریخی اصول یہی قرار دے رکھے تھے اور اُس کے مقابلہ مین ملا عبدالقادر نے جو اصول قرار دیا اُس سے کسی طرح کا فائدہ مترتب نہین ہو سکتا۔ اکبر اپنی ذات کے متعلق کیسا ہی کیون نہ ہو مگر ایک بادشاہ کا غیر متعصب ہونا اچھا ہوتا ہے نہ کہ متعصب ہونا۔ پھر اُس کو جو لایق وزیر مل گئے تھے انھین کی رائے اور مشورہ سے اُس نے ہندوستان کا انتظام ایسا کر دکھایا جس کی تعریف مشرقی اور مغربی مورخ دونون نے کی ہے سوائے ملا عبدالقادر کے کہ اُس کا مذاق ہی اور ہو گیا تھا جس پر اعتنا نہ کرنا چاہئے۔ انسان کی خلقت اپنے عیبون کو چھپانے کے واسطے اور اپنے محاسن کے اظہار کے واسطے ہوتی ہے۔ بادشاہ اور اُس کے وزرا و مدبرین اور کل اقوام عالم اِس فطرت کو لئے ہوئے ہین اور کسی کو ہم خالی نہین پاتے مگر ہر مورخ کا فرض یہی ہونا چاہئے کہ وہ حکومت کے متعلق واقعات وحالات لکھ دے اور ذاتیات سے تعلق نہ رکھے اور جو مورخانہ قیاسات قائم کرے وہ مذہبی و قومی تعصبات سے پاک ہون۔

یہ حالت صرف ملا عبدالقادر کی نہ تھی بلکہ اُس زمانہ اور اُس سے پیشتر کا مقتضا یہی تھا کہ مورخ اپنی مزاجی و مذاقی حالت کے مطابق تاریخی واقعات کو سمجھ لیتا تھا اور نتیجہ بھی وہی نکالتا تھا جو اُس کے مزاج اور مذاق کے مطابق ہوتا تھا یہی حالت یورپ اور ایشیا دونون کے مورخین اور سیاحون مین پائی جاتی ہے۔ اور یہی حالت اِس زمانہ کے مورخین اور سیاح بھی اختیار کئے ہوئے ہین۔ مثلاً مارکو پولو کا سفرنامہ ہے کہ اُس سے جہانتک ہو سکا ہے اُس نے اپنے تعصب مذہبی سے مسلمانون پر حملے کئے ہین۔ اور عیسائی مذہب کو فضیلت اور سبقت دی ہے۔ اسی طرح پر ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ سے کام لیا ہے کہ وہ عیسائیون کو بُرا لکھ دیتا ہے۔ اور جس اسلامی فرقہ مین وہ تھا اُس کے خلاف جو فرقہ شیعہ وغیرہ ہین اس نے اُن کو نہایت ہی بُرا سمجھا ہے۔ اور مارکوپولو اور ابن جبیر نے ایسے قیاسات قائم کئے ہین کہ جن کا تعلق واقعات سے کچھ نہین مفید ہوتا۔ علی ہٰذا اِس ترقی یافتہ زمانہ مین شبلی صاحب ایک مورخ تھے جو واقعات کی تنقیح کیا کرتے تھے اور بغیر ثبوت تاویلات سے کام لیا کرتے تھے اب ایشیا کے مورخین سے قطع نظر کر کے اگر دیکھا جائے تو یورپ کے مورخین کا بھی یہی شیوہ ہے کہ ان کو اپنے قومی محاسن کے اظہار کا بہت بڑا خیال رہتا ہے جیسا کہ ہم نے صدر مین بیان کیا ہے اور اسی خیال کے ساتھ ہی ساتھ اپنے مذہبی خیال کے بھی پابند ہین جس کو تعصب مین اکثر ظاہر کرتے رہتے ہین۔ مثال کے طور پر بطور نمونہ از خروارے دو تاریخ کی کتابون کے دیباچہ کو ظاہر کیا جاتا ہے یعنے ایک الفنسٹن صاحب کی تاریخ کے اُس حصہ کو جو انھون نے ہندوستان کے مسلمان بادشاہون کی نسبت لکھا ہے اور دوسری سرجان مالکم صاحب کی تاریخ فارس کے اُس حصہ کو جس مین انھون نے عربون کے فارس پر حملہ کرنے کے متعلق لکھا ہے۔ ان دونون

حصون کے دیباچون مین پیغمبر اسلام پر نہایت متعصبانہ حملے کئے ہین اور قیاسات وہ قائم کئے ہین جو ایک منصف مزاج مورخ کو زیبا نہ تھے یہ تسلیم کیا جاتا ہو کہ مذہب اور مذہبی اعتقادات اور ہین اور مذہبی عالم اور قومی وملکی مورخین اور ہین اگر یہ مورخ مذہبی مباحثات کے متعلق کتاب لکھتے تو اُن کا فرض تھا کہ اپنے اعتقادات کے مطابق جو چاہتے وہ لکھ دیتے اُنھون نے یہ تو کیا نہین ہو بلکہ مورخ ہو کر مذہبی علماء کی طرح پر ادرخاص کر پادریون کی حیثیت مین آکر حضرت سرور عالم کے حالات پر نظر کی ہو جو فرائض تاریخ نویسی سے بمراحل بعید ہین اور یہ وہی بات ہے کہ بغیر واقعات کے جو چاہا وہ قیاس کرلیا ہو۔

فارس اور ہندوستان پر مسلمانون کا حملہ پیغمبر اسلام کی حقیقی تعلیم کا نتیجہ نہ تھا بلکہ قومی وملکی خواہشات سے یہ نتیجہ پیدا ہوا تھا صرف اپنی کامیابی کے واسطے مذہبی پیرایہ اختیار کرلیا گیا تھا۔ پس مورخین نے جو اصول اختیار کر رکھے ہین کہ مسلمان عربون نے جو کچھ لوٹ مار فارس مین کی اور ہندوستان مین دوسری مسلمان قومون نے کی اگرچہ وہ صحیح نہین ہو مگر پیغمبر اسلام کی تعلیم کی بدولت بھی نہین ہو۔ پس ایسے تاریخی واقعات سے یہ ظاہر کرنا کہ پیغمبر اسلام الہامی رسول نہ تھے بلکہ ایک مدبر حکمران تھے صحیح نہین ہو اور صحیح کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیا مسلمان یہ خیال کرسکتے ہین کہ یورپ کی مسیحی مذہب کی پابند قومین جنھون نے دنیا مین اپنا اقتدار قومی قائم کیا ہو اور ملکی وقومی وفوجی وتجارتی حالات و واقعات اُن کے ایسے ہین کہ وہ حضرت مسیحؑ کی تعلیم کے بالکل خلاف ہین۔ پس مسیحؑ بھی ایسے ہی ہون گے ہرگز نہین۔ اور یہ بات تو ہمیشہ سے چلی آتی ہو کہ جو کسی کو نہین مانتا وہ اُس کے ہر قول وفعل کو بھی نہین مانتا اور جستجو وتلاش مین رہتا ہے کہ وہ کون سے وسیلے ہین جو کامیابی کے باعث ہون۔ پس جو وسیلے ان مورخین نے اپنے تکمیل مدعا کے واسطے اختیار کئے وہی یہودی مسیح کی نسبت اختیار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہین کہ مسیحؑ الہامی پیغمبر نہ تھے، اور حال یہ ہو کہ الہام کا دیکھنے والا کوئی نہین ہو اور نہ الہام ایسی شئے ہے کہ اُس کو کوئی دیکھ سکے۔ اب کیونکر یہودی اور عیسائی کہہ سکتے ہین کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت محمدؐ الہامی پیغمبر نہ تھے۔ یہ مباحثات مذہب سے تعلق رکھتے ہین نہ کہ قومون و اُمتون کے افعال و اقوال سے استدلال کرکے ہادیان مذہب کے بطلان کی تدبیرین عمل مین لائی جائین۔ ناسخ التواریخ کے عالم و فاضل مورخ نے یہ خوب لکھا ہو اور اس کی تحریر کا مفہوم بھی یہی ہے کہ جو مذہبی مباحثات ہین اُن کا تعلق مذہب سے ہونا چاہئے اور جو تاریخی ہین اُن کا تاریخ سے اور اسی کے قریب قریب مولنٰنا جو علامہ دہر بھی مشہور تھے یعنے مولنٰنا سید غلام حسنین کنتوری مرحوم ومغفور نے اپنا خیال اُسوقت ظاہر فرمایا تھا جبکہ علمائے شیعہ سے یہ فتوے لیا گیا تھا کہ حضرت قاسم علیہ السلام کا عقد کربلائے معلیٰ مین ہوا ہو[1] یا نہین تو مرحوم علامہ نے لکھا ہے کہ

[1] کتاب کنز الانساب مولفہ ابو مخنف لوط بن یحیٰی خزاعی مین لکھا ہو کہ عقد ہوا ہو۔

یہ تاریخی واقعہ ہی جس مین مولویون کے اجتہاد کی ضرورت نہین ہی مولویون کا فتوے تو شرعی و مذہبی احکام کے متعلق ہونا چاہیے نہ کہ تاریخی واقعات کے متعلق۔

لارڈ کرزن کا تاریخی مذاق بھی عجیب واقع ہوا ہے انھون نے بھی ایران کی سیر و سیاحت کے زمانہ مین اُن زائرون کے قافلون کا جوش مذہبی دیکھکر جو مشہد مقدس کو جاتے تھے جو کچھ لکھا ہے اُس سے پایا جاتا ہی کہ یہ وحشیانہ جوش ہوتا ہے لیکن اگر بیت المقدس کے عیسائی زائرون کو دیکھتے تو اُن کی نسبت اُن کا یہ خیال نہ ہوتا۔ اب ہم پھر اُسی جادہ پر آتے ہین جو قدرتی خیال سے پیدا ہوا ہے اور جس کا ذکر ہم کر چکے ہین کہ انسان اپنے ذاتی و قومی و مذہبی و ملکی عیوب کو چھپاتا ہی اور یہ بھی ہے کہ وہ اپنے نفس کا منصف نہیں ہی یعنی دوسرون کی آنکھ کی پھلی پر نظر ہے اور اپنی آنکھ کی شہتیر پر نظر نہین کرتا۔ تمام دنیا کی قومون مین یہی خیالات پھیلے ہوئے ہین اور انھین پر تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ دُنیا کی قومین عمل کرتی ہوئی چلی آتی ہین انھین مین مورخین بھی ہین اور وہ بھی انھین خیالات و قیاسات کے پابند ہین کہتے ہین کہ توزک تیموری و توزک بابری مین یہ فرق ہے کہ بابر اپنے ذاتی عیوب کو بھی ظاہر کر دیتے ہین اور انھون نے جو کچھ لکھا ہے وہ صاف صاف الفاظ مین لکھدیا ہے۔ امیر تیمور اُس کے پابند نہین ہین۔ ہم نے بھی ان کتابون کو پڑھا ہے اور ہماری رائے ہے کہ توزک بابری کو اس باب مین توزک تیموری پر سبقت حاصل ہی مگر تیسری کتاب توزک جہانگیری جس کو خود جہانگیر شاہ نے مرتب کیا ہے اُس مین ایک واقعہ لکھا ہی کہ مین نے ابوالفضل کو اس واسطے قتل کرادیا کہ انھون نے شہنشاہ اکبر اُن کے باپ کو بدظن کر دیا تھا۔ ان فقرات کو دیکھکر ہر شخص کو یہی خیال ہوگا کہ جو کچھ جہانگیر شاہ نے لکھا ہی وہ حق بجانب ہی۔ مگر ایک اصول پچھلی تاریخون کے واقعات کی جانچ کا ہم نے یہ بھی نکالا ہی کہ اس زمانہ کے منشیون اور وزیرون کے جو خطوط ملین اُن کو محفوظ رکھنا چاہیے اسواسطے کہ اُن مین وہ باتین ہوتی ہین جو تاریخون مین نہین ہین۔ یعنی توزک جہانگیری مین جیسا لکھا ہے وہ ابوالفضل کے اُن رقعات سے جو انھون نے دفتر ابوالفضل سے علیحدہ لکھے ہین اور جس کتاب مین جمع ہین اس کا نام رقعات ابوالفضل ہی اور یہ مقام کانپور منشی نولکشور کے مطبع مین چھاپی گئی ہی۔ اُس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ اکبر کے بدظن کرنے کا الزام ابوالفضل پر غلط ثابت کیا گیا ہے اور جہانگیر نے اپنے عیوب کو چھپایا ہے جو لوگون کے کہنے سننے سے ابوالفضل کی جانب سے اسکے دل و دماغ مین پیدا ہو گئے تھے جہانگیر نے بدظن کرنے کا الزام یون ہی قائم کر دیا حالانکہ پولیٹکل وجوہ سے ابوالفضل سے جناب عداوت رکھتے تھے اس واسطے ابوالفضل کو بہت بڑا تقرب اکبر کی حضوری مین حاصل تھا اور اس زمانہ مین یہ قضیہ پیدا ہو گیا تھا اور مشہور بھی ہوا تھا کہ اکبر جہانگیر سے ناراض رہتے ہین، اور خسرو بابا سے خوش ہین وہ خسرو بابا کو ولیعہد کرنا چاہتے ہین۔ اور جو لوگ ابوالفضل سے حسد و عداوت رکھتے تھے انھون نے جہانگیر کو

بھڑکانا شروع کیا کہ یہ سب کرشمے شیخ ابوالفضل کے ہین وہ روز بروز ابوالفضل سے برہم ہوتے جاتے تھے۔

جب شاہزادہ دانیال دکن کی فتح کے واسطے مقرر ہوئے اور عبدالرحیم خانخانان بھی وہین تھے تو عنبر گجراتی نے جس کے افعال نہایت بُرے تھے اُس نے ان دونون کو ایسا غافل کر دیا کہ دکن کا فتح کرنا کیسا شاہزادہ دانیال خود ہی اس درجہ غافل ہو گئے کہ شرابخواری مین مشغول ہوئے اور اُن کو دنیا و مافیہا کی کچھ بھی خبر نہ تھی، اکبر نے جو خط شیخ ابوالفضل سے شاہزادہ دانیال کے نام لکھوا کر بھیجا ہے وہ رقعات ابوالفضل مین موجود ہی اُس مین بہت سی نصیحتین کی گئی ہین اور یہ بھی لکھا گیا ہی کہ عبدالرحیم بدکار نے سیاہ رو عنبر حبشی سے مل کر یہ فیلسوفی کر رکھی ہے، تم کو ہوشیار رہنا چاہئے اور جو فرائض ہین اُن کو پورا کرنا چاہئے، اور ابوالفضل نے اپنی جانب سے یہ بھی لکھا ہے کہ بیسوین تاریخ امرداد الٰہی کو جبکہ غسل خانہ مین حضرت ظل سبحانی تشریف رکھتے تھے تو مجکو طلب کر کے یہ فرمایا کہ ابوالفضل مین مہم دکن پر جاؤن یا تم اس کے سوا اور کوئی صورت نہین ہے۔ اگر تمھارا جانا ہو تو یقین ہے کہ شہزادہ دانیال تمھارے کہنے کو قبول کرے گا اور جب تم اس کے پاس ہوگے تو وہ دوسرے سے مشورہ نہ کرے گا اور کسی کوتاہ اندیش بے شعور سے مشورہ نہ لے گا۔ ابوالفضل کہتے ہین کہ مین نے خدمت اقدس مین عرض کیا کہ گوسفند قربانی کے واسطے ہو یا بریانی کے واسطے مجکو جانے مین عذر نہین ہی۔ مین نے بسر و چشم قبول کیا، مین فلان تاریخ کو روانہ ہونگا اور آپ سے مشرف ہونگا۔ مناسب ہے کہ ابوالفضل نے جو کچھ نصیحتین آپ کو اس عریضہ مین لکھین وہ پذیرہ ہون۔

یہ خط بتاریخ نوزدہم شہریور ماہ الٰہی سنہ ۴۷ کو دارالخلافہ آگرہ سے لکھا گیا تھا جب ابوالفضل روانہ ہو کر شاہزادہ دانیال کے پاس پہونچے تو اُنھون نے وہان بہت سی خرابیان دیکھین اور پوست کندہ حالات وہان کے لکھکر شہنشاہ اکبر کے پاس بھیجدئے یہ عریضہ بھی انھین رقعات مین درج ہی اور جب اس عریضہ کا جواب شہنشاہ اکبر نے نہ لکھا اور ابوالفضل وہان کی حالت دیکھ کر دفور خیر خواہی سے کباب ہو رہا تھا تو اُس نے اکبر شاہ غازی کی والدہ کو ایک عرضداشت لکھی کہ وہی متوسط ہو کر ابوالفضل کے عریضہ کو پہونچا دین، ان مین ابوالفضل نے لکھا ہی کہ نمک حرام ہین جو بظاہر خیر خواہ ہین اور باطن مین بدخواہ۔ خاصکر عبدالرحیم بیرم کہ دوست اس خاندان کا نہین ہی بلکہ دشمن جانی و مالی ہی۔ مگر یہ عریضہ بھی اکبر تک نہ پہونچا اور پہونچا کیونکر۔ معلوم ہوتا ہے، کہ ابوالفضل کے دشمنون نے ایک جال پھیلا رکھا تھا کہ ابوالفضل کی تحریر بادشاہ تک نہ پہونچنے پائے۔ اب اسنے ایک عریضہ شاہزادہ سلیم کو لکھا۔ یہی شاہزادہ سلیم وہ ہین جن کو جہانگیر کہتے ہین اور ان کو شیخو بابا بھی کہتے تھے اور یہی اکبر کے ولیعہد بھی تھے۔ اس مین ابوالفضل لکھتے ہین کہ مین نے چند عریضے بارگاہ خسروی مین روانہ کئے مگر سب کے جواب سے محروم رہا۔ اب مین چاہتا ہون کہ آپ متوسط ہون اور میرے معروضات بادشاہ

تک پہونچا دین۔ اوّل یہ کہ مین نے دکھنیون کی نسبت پیشتر یہ لکھا تھا کہ وہ سرکشی و شوخی کرتے ہین۔ انھون نے کئی مرتبہ شاہی فوج کو تکلیف پہونچائی، اور گھوڑے اور اونٹ جو گھاس اور لکڑی کے واسطے باہر جاتے ہین اُن کے ساتھ جو سپاہی ہوتے ہین وہ قتل کیے جاتے ہین اور اُن کے گھوڑون اور اونٹون کو دکھنی لے جاتے ہین۔ سپاہی گھاس کی تلاش مین رہتے ہین اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہوتے ہین بھاگ جاتے ہین۔ بارہا ایسے واقعہ ہو چکے ہین اور ناکامی ہوئی ہے۔ مین نے چند مرتبہ درگاہ والا مین عرائض لکھے مگر قبول ہو کر جواب نہ آیا۔ تو اب مین کہتا ہون کہ یہ کیا شیوہ ہے جو ارکان دولت نے اختیار کر رکھا ہے اور معلوم نہین کہ اس سے غرض اور مطلب کیا ہے یہ سبب بدنامی کا ہے حضرت خود متوجہ ہون آپ میری جانب سے جاکر عرض کرین ورنہ روز بروز بدتر حالت ہوتی جاتی ہے ابھی علاج کا موقع ہے پھر علاج بھی محال ہو جائیگا۔

دوسرے یہان خزانہ خالی ہو گیا ہے اور لشکر کی بسر اوقات فاقہ پر ہے دو تین مہینہ سے سپاہی اور شاگرد پیشہ آتے ہین اور کوئی اُن کی حالت پر غور نہین کرتا وہ برہنہ اور بھوکے پھرتے ہین اور اُن مین سے بہت سے ہلاک ہو چکے ہین۔ مین نہین جانتا کہ خزانہ نہ پہونچنے کا سبب کیا ہے، اس باب مین حضرت اقدس و اعلی بہت بے پروا ہین اور دیوانی کے لوگ غافل۔ اس غفلت سے ایک عالم برہم ہو جائے گا۔ اکثر آدمی برداشتہ خاطر ہوئے ہین۔ مین اطلاع دیتا ہون تاکہ پھر حضرت اعلی کو موقع اس کہنے کا نہ ملے کہ مین نے ابو الفضل کو اپنا قائم مقام کرکے بھیجا تھا اُس نے کیون خبر نہ لی، اور آپ پر فرض ہے کہ خود بدولت حضرت اعلی و اقدس کے پاس تشریف لے جائین اور کلمات حق بادشاہ کے گوشگزار فرمائین۔ ایسی ہی اور باتین لکھ کر پھر ابو الفضل جہانگیر کو لکھتے ہین کہ اس دعاگو کو کبھی جواب شافی سے سرفراز نہ فرمایا مین نہین جانتا کہ اس کا باعث کیا ہے اور بندے سے کون قصور ظاہر ہوا ہے جو سبب ملال کا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ جو کچھ دشمنون نے میری جانب سے آپ سے کہا ہے وہ جھوٹ ہے یہ میری بدبختی ہے کہ باوجود خیر خواہی اہل غرض نے آپ سے میرے خلاف جو پایا ہے کہدیا ہے مین اس کا کیا علاج کر سکتا ہون بجز اس کے کہ یہ کہون کہ جو کسی کی بدی چاہتا ہے اُس کو اُس کی جزا خود ہی مل جاتی ہے۔ مین آپ کو یہ بھی لکھتا ہون کہ آپ اپنی والدہ مریم مکانی کے فاتحہ خوانی کے واسطے آگرہ تشریف لے جائین اس سے بادشاہ بھی خوش ہونگے اور خوشنودی خدا بھی ہے۔ مجھ سے بادشاہ نے کہا بھی تھا کہ تم نصیحت کے طور پر شاہزادہ سلیم کو لکھو کہ وہ ایسا کرین۔ اور میری جانب سے شیخو بابا کو یہ بھی لکھو کہ حضرت کہتے ہین کہ مریم مکانی اس جہان سے کوچ کر گئی ہین اور مین بھی کوچ کرنے والا ہون، آخر الامر دولت اور بادشاہت کو تمھارے سپرد کرونگا ان کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ اُن کے سوا اور کسی کو تخت و تاج عطا نہ ہوگا، اگرچہ خلق اللہ کی نظر خسرو بابا کی طرف ہے۔ مجھ سے بھی لوگ کہتے رہتے ہین لیکن یہ کب ہو سکتا ہے کہ خاندانی ترتیب ساقط کر دی جائے اور دوسرے

بیشک آدمیون کے کہنے سننے کا اثر ہی کیا ہے۔ جب بادشاہ ایسا کہتے ہین تو آپ عبدالصمد کے لڑکے کے کہنے پر کیون
عمل کرتے ہین وہ کیا اور اُس کا مشورہ کیا ہے آپ کو یاد ہوگا کہ فتحپور مین اُسوقت جب عبداللہ خان کا ایلچی آیا
تھا اور آپ بھی حضور ہی مین تھا تو آپ نے میرے کان مین کہا کہ عبدالصمد کے لڑکے کے دماغ مین خبط ہے اور
اُس کے خبطی ہونے کا مجھ کو یقین ہے، بندہ نے عرض کیا کہ کس دلیل اور برہان سے، خود بدولت نے فرمایا کہ اگر
یہ مخبوط الحواس نہین ہے تو اور کیا ہے اس نے بادشاہ کی نسبت کلمات ناشایستہ کہہ کر مجھ کو اُن کا دشمن کرنا چاہا
دو تین مرتبہ مین نے منع بھی کیا کہ اُن کی غیبت نہ کرو میرے دل مین بھی بدی آتی ہے مگر اُس نے نہ مانا۔ اب بندہ
نے عرض کیا کہ آپ اُس کے کہنے پر عمل نہ کرین۔ پس جب آپ اُس کی حماقت کو تسلیم کرچکے ہین تو اب اُس کی باتون
پر عمل کرنا مناسب نہین ہے۔ مجھکو جو کچھ لکھنا تھا لکھدیا ہے۔ اب آپ جانین اور آپ کا کام۔ پھر اور خطوط ابوالفضل
نے لکھے ہین۔ مگر جب ایک کا بھی جواب نہ گیا تو مجبور ہوکر ابوالفضل شہزادہ دانیال کے پاس سے روانہ ہوگئے اور
راستہ مین خود جہانگیر کے اشارہ سے ایک اورچھہ کے راجہ نے جو اب ٹیکم گڈھ مشہور ہے شیخ ابوالفضل پر حملہ کرکے
اُن کو قتل کردیا۔ جب اکبر کو یہ خبر پہونچی تو نہایت افسوس کیا اور کہا کہ شیخو بابا کو یہ میرے ساتھ کرنا چاہیے
تھا نہ کہ ابوالفضل کے ساتھ کہتے ہین کہ ابوالفضل کی تلوار اور خنجر اب تک بطور یادگار اس ریاست مین موجود ہے
اور جہانگیر شاہ کا ایک فرمان بھی ہے جس مین اُس زمانہ کے رئیس کو اس صلہ مین اعزاز و انعام عطا ہوا ہے۔

علی ہذا شاہ جہان کے زمانہ مین ایک واقعہ میر جملہ محمد سعید پرورش یافتہ قطب شاہ والی گولکنڈہ کا ہے
جو قطب شاہ سے منحرف ہوکر شاہ جہان سے جا کر مل گیا تھا۔ اور بادشاہ نے برخلاف عہدنامہ اُس کو پناہ دی
تھی تاریخون مین اس کے متعلق واقعات اس طرح پر درج نہین ہین جو منشی عبدالعلی وزیر دول خارجہ عبداللہ
قطب شاہ کے مراسلہ مین ہین جو انھون نے اُس عہد مین طہماسپ شاہ ایران کے نام لکھا ہے اس مین درج
ہے کہ میر جملہ کی پرورش عبداللہ قطب شاہ کی سرکار مین ہوئی ہے وہ بھاگ کر شاہ جہان سے مل گیا ہے، اور
شاہ جہان معاہدہ شکنی کرنا چاہتے ہین جو انھون نے اس دولت سے کر رکھی ہے اور جس کو لوح محفوظ کا مرتبہ
دے رکھا ہے۔ عبداللہ قطب شاہ نے چند مرتبہ لکھا کہ میر جملہ تو ہمارے حوالہ کرنا چاہیے اور آپ نے کیون پناہ
دے رکھی ہے مگر بہ لطائف الحیل یہی جواب ملا کہ اُس کو ہم اسوجہ سے پناہ سے خارج نہین کرتے کہ وہ عادل شاہ
والی بیجاپور سے جا کر مل جائے گا۔ حالانکہ شاہ جہان کے فرامین مین جن کی بنیاد پر دونون بادشاہون کے
درمیان عہدنامہ ہوا ہے یہ لکھا ہوا ہے کہ تمھارا نوکر اگر بھاگ کر آئے گا تو ہم دیدین گے اور اگر ہمارا نوکر بھاگ
کر جائے گا تو تم دیدینا اور یہی قول تھا یہ عہدنامہ دوامی تھا جیسا کہ شرط مین ہے مگر زبردست نے زبردستی
چھیڑ چھاڑ کرکے بغرض ملکگیری میر جملہ سے ساز کیا اور آخرکار چڑھائی کرکے عبداللہ قطب شاہ سے ایک عہدنامہ

لکھوایا گیا کہ سب صحابہ بند کیجائے اور جبر کرکے ائمہ اثنا عشر کے نام خطبہ سے خارج کرلیئے اور شاہ ایران کا نام خارج
کراکر اپنے نام کا خطبہ جاری کرایا - یہ تو میر جملہ کے قضیہ کی حالت مختصر طور پر بیان کی گئی ہے - اب شاہجہان
نے جو عہد نامہ عادل شاہ والئ بیجاپور سے کیا ہے وہ ۲۲ ذی الحجہ سنہ ۱۰۴۳ھ مطابق نہم سن جلوس مقدس موسوم
بہ لوح طلائی ہے جس مین ایک شرط یہ درج ہے کہ "اگر بندہ از درگاہ والا از روی بے سعادتی فرار نماید و در ملک
خود جائے ندہد" مگر عادل شاہ کی عرضداشت پر جو فرمان شاہجہانی ہے اُسمین طرفین کی شرط ہے کہ اگر عادل
شاہ کے ملک سے فرار ہوکر شاہجہان کے ملک مین جائے گا تو وہ بھی پناہ نہ دین گے - مگر تاریخ سلسلہ آصفیہ
جلد سیوم مین صرف ایک ہی شرط پر اکتفا کیا گیا ہے حالانکہ فرمان ہی عہد نامہ تھا مگر مولوی عبد الغفور خان
رامپوری نے برخلاف فرمان جو صورت عہد نامہ کی لکھی ہے اُس سے اُن کی مولفہ تاریخ خلط ملط ہوکر رہ گئی ہے
بادشاہ نامہ مین ملا عبد الحمید مقرب شاہجہان نے بھی یہی لکھا ہے اور کوئی شرط علیحدہ نہین لکھی ہے اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ رامپوری صاحب اگرچہ انگریزی اور عربی مین اچھی دستگاہ رکھتے ہین مگر اُن کے مزاج مین مورخانہ
انصاف نہین ہے اور ایک مذہبی و قومی پاسداری اور حمایت کا غلو اُن مین اس درجہ ہے کہ وہ ترجمہ کرتے
وقت اپنی جانب سے ایسے فقرات لکھ جاتے ہین جن مین تاریخی صداقتون کو اُلٹ پلٹ کر مخفی کردیتے ہین -
اُن کا یہ شیوہ ہرگز قابل تسلیم نہین ہے - اور یہ بھی اُن کا خیال ہے کہ دُنیا مین قومی و ملکی شان و شوکت صرف
افغانون کے حصہ مین تھی کسی اور قوم و قبیلہ اسلامی کے حصہ مین نہ تھی اور دوسرے فرق اسلامیہ کے متعلق
جو کچھ وہ لکھتے ہین خاصکر اولاد رسول مقبول صلعم کی نسبت وہ ایک منصف مورخ کی شان کے بالکل خلاف ہے -

---

باب چہارم

کن اصول کے ساتھ تاریخ لکھنا چاہئے

مذکورہ بالا بیان نے اب ہم کو اُس حد پر پہونچا دیا ہے کہ ہم نے جو اصول تاریخ نویسی اور تاریخ خوانی کے
متعلق قرار دئے ہین اُن کو لکھدین تاکہ لوگ اُن سے فائدہ اُٹھائین -

اوّل یہ کہ جب تاریخی واقعات پیش نظر ہون تو عقل و قیاس سے کام لینا چاہئے نہ کہ سرسری طور پر
واقعات تاریخی پڑھ لئے جائین اور تنہا لفظ پرستی سے تعلق رکھا جائے اور واقعات کے جانچنے مین دماغ

صرف نہ کیا جائے۔ جو عقل کو صرف نہین کرتے وہ صرف واقعات کے پڑھ لینے والون مین ہین۔ اور جو عقل کو دخل دیتے ہین اور جرح و قدح واقعات پر کرتے رہتے ہین وہ اُنھین واقعات کو صحیح سمجھتے ہین جو عقل مین آسکتی ہین اور اس طرح کے واقعات کو وہ ہرگز صحیح تسلیم نہ کرین گے جیسا یہ واقعہ ہے اور روضتہ الصفا مین درج ہے کہ فرعون نے ایک عالیشان مکان اس خیال سے بنوایا تھا کہ اُس پر چڑھ کر خدا سے جنگ کریگا اور اُس مکان کی بلندی ڈیڑھ برس کی مسافت پر ختم ہوتی تھی۔ اب جو لوگ عقل سے کام نہین لیتے وہ تو ایسے واقعات کو صحیح اور سچا سمجھتے ہون گے اور جو عقل کو دخل دیتے ہین وہ اس واقعہ کو اور مثل اس کے اور واقعات کو ہرگز صحیح نہین سمجھ سکتے۔ مگر اب جب سے ہوائی جہازون کی ایجاد ہوئی ہے ممکن ہے کہ حکمائے مصر نے کوئی ایسی ایجاد کی ہو جس کو مورخین نے مکان سمجھا ہو۔

دویم۔ ہر مورخ کو لازم ہے کہ اس اصول کو بھی مدنظر رکھے کہ دنیا کے بادشاہون اور حکمرانون کے نظم و نسق کے تاریخی حالات کیونکر لکھے گئے ہین۔ اور اب کیونکر لکھنے والے لکھتے ہین یہ بات ایسی ہے کہ اُنھین کے لکھنے پر یقین نہ کر لینا چاہیے بلکہ دیکھنا چاہیے کہ جن قومون پر وہ حکومت کرتے ہین اُن کے لائق افراد اُس حکومت کو کیا سمجھتے ہین۔ یہ ایک اصولی نتیجہ تاریخ کا ہے جو نہایت ضروری ہے اور کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ تاوقتیکہ اِن دونون کو ملا کر حکومت پر رائے قائم نہ کی جائے اُس حکومت کی وقعت ایک طرف قومی و مذہبی افراد پر نہین ہو سکتی ہے۔ ہم مثال کے طور پر یہ پیش کرنا چاہتے ہین کہ تمام ہندوستان مین برٹش حکومت کا آفتاب درخشان ہے مگر قومی حقوق اُس حکومت مین ایسے شریک کر لئے گئے ہین جن کے مقابلہ مین غیر ممالک کی رعایا کے حقوق پست نظر آتے ہین اور اُن کو ہندوستان کے باشندے اچھا نہین سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ قومی امتیاز کے متعلق پیش آجاتا ہے تو قومی خصوصیات سے سیاہ و سفید رنگ مین ایسا امتیاز کر دیا جاتا ہے جس سے کہ حاکم و محکوم کا انصاف علٰحدہ علٰحدہ نظر آتا ہے اور ایک دوسرا جب ملک کی تاریخ لکھتا ہے تو وہ تاریخ بھی عجیب و غریب ہوتی ہے اور یہ بھی ہے کہ جو اخبارات انگریزون کے ہاتھون مین ہین اُن مین شاذ و نادر کوئی اخبار ایسا ہو کہ وہ انصاف سے تحریر کرتا ہو ورنہ سب کے سب قومی ترانہ سنجی اور نمایشی قصیدہ خوانی مین مشغول رہتے ہین۔ اور جب اُن کا جواب کوئی غیر ملک کا باشندہ لکھ کر اُنکے پاس بھیجتا ہے تو اُس کو چھاپ کر شائع نہین کرتے اور جب وہ اپنے اخبار مین لکھتا ہے تو اُس کو جھوٹ سمجھتے ہین اور اُس پر عمل ایک گناہ عظیم ہے۔ جب اخبارون کی یہ حالت ہے جن کے لکھے ہوئے واقعات ایک زمانہ مین تاریخ ہو جایا کرتے ہین تو ظاہر ہے کہ اُن کی بنا پر کب تاریخ صحیح ہو سکتی ہے۔ حضور پرنس آف ویلز ولیعہد بہادر کی تشریف آوری پر دیکھا کچھ گیا اور ان اخبارون نے برخلاف اُن چشم دید واقعات کے لکھا ہے۔

سیوم ۔ زمانہ سابق مین عرب مورخ متکلم کی وقعت سے اُس کے کلام کی وقعت سمجھتے تھے اور کلام کی تحقیق و تنقیح نہ کرتے تھے ۔ زمانہ حال کا یہ تاریخی اصول قابل عمل ہو کہ متکلم اور کلام دونون پر غور کیا جانے یعنی واقعات پر بھی غور ہو اور واقعات بیان کرنے والے کی حالت بھی دیکھنا چاہیئے ۔

چہارم ۔ مورخ پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ تاریخی صداقتون کو مخفی نہ رکھے مگر مخفی رکھنے کی عادت سابق مین تھی اور اب بھی ہو ۔ یعنے بہ عہد شہنشاہ اورنگ زیب ایک واقعہ سرمد کا تھا جو عالمگیر کے حکم سے قتل کیے گئے اور اس واقعہ کو بخوف حکومت چھپا کر اس طرح پر ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ شریعت کے خلاف باتین کیا کرتے تھے اور برہنہ رہتے تھے ، مگر سرمد آزاد کے مورخ نے یہ لکھا ہے کہ بہت سے مجذوب اُس زمانہ مین برہنہ رہتے تھے اور خلاف شرع باتین کیا کرتے تھے اُن کو عالمگیر نے کیون قتل نہ کیا اور ان کو کیون قتل کرا دیا اس کا سبب یہ تھا کہ وہ داراشکوہ کے پاس زیادہ تر آیا جایا کرتے تھے اور یہی سبب اُن کے قتل کا ہوا نہ کہ خلاف شرع امور کے اظہار سے اور نہ اُن کی برہنگی سے ۔ علاوہ اس کے بعد جہانگیر شاہ بادشاہ ایک واقعہ یہ بھی ہوا تھا جو قاضی نوراللہ صاحب شوستری کے متعلق بیان کیا جاتا ہو کہ اُن کو جہانگیر نے اس وجہ سے قتل کرایا کہ انھون نے تشیع کو زیادہ فروغ دینا چاہا تھا ۔ اور بعد اکبر شاہ لاہور کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے تھے اور صاحب رسوخ بھی تھے پس اُسوقت سے درباریون نے ان پر حسد کیا اور مذہبی پیرایہ مین علمائے وقت سے ایک فتوے لے کر وہ شہید کرائے گئے ۔ مگر اُس زمانہ کے مورخین نے اس واقعہ کا ذکر تک نہین کیا ۔ اور یہ عجیب بات ہو کہ تاریخ مآثر الکرام مین علمار کے حالات مین ایک ایسے بڑے عالم کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے ، حالانکہ منتخب التواریخ مین ملا عبد القادر بدایونی نے آپ کے علم و فضل کی نہایت درجہ تعریف کی ہے ، صاحب مآثر الکرام نے شاید ان کا تذکرہ اسی وجہ سے نہین کیا ہے کہ اُن کو وہ حالات بھی لکھنا پڑتے جو قاضی صاحب کے قتل کے متعلق بعد مین صحیح طور پر لکھے گئے ہین ۔

ایک مورخ کا یہ بھی فرض ہو کہ وہ راستبازی و صداقت شعاری سے تاریخ لکھے مگر یہ الفاظ لکھ دیے گئے ہین لیکن عمل جیسا کہ چاہیے ویسا نہین کیا گیا اور اس کا سبب بادشاہون کے دربار مین رسوخ و حکومت کا خوف تھا اور اب بھی ہو ، اور جب یہ موانع تھے تو کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ ہر زمانہ کا مورخ تاریخ نویسی کا فرض ادا کرتا رہا ہو ، وہ اشارہ اور کنایہ مین جو کچھ بیان کر گئے ہین اور مختلف واقعات لکھ گئے ہین اُن کو پیش نظر رکھ کے تاوقتیکہ کامل طور پر واقعات کی موشگافی نہ کی جائے اور مختلف تاریخون پر غور نہ کیا جائے اور واقعات کو باہم مقابلہ کر کے عقل سے کام نہ لیا جائے اُسوقت تک حق و باطل مین امتیاز نہین ہو سکتا اور قیاس و عقل کا دخل بھی موقع اور محل سے ہونا چاہیے نہ کہ ایسا قیاس جو لوگون نے ایک واقعہ پر کیا تھا جس کو کہ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ مین دہلی کے ایک بادشاہ کے جود و سخا کے متعلق چشم دید لکھا ہے ، لوگون نے اُس کی سخاوت پر حیرت ظاہر

کی بھی کہ ایسا ہرگز نہین ہوسکتا حالانکہ جس ملک کے وہ رہنے والے تھے وہان اور دنیا کے دیگر ممالک کے بادشاہون
مین جود وسخا کی عادت کبھی وہ نہ تھی جو ہندوستان کے باشندون کے خمیر مین ہے خصوصًا اس ولایت کے
رؤسا اور بادشاہون کے حالات جود وسخا سے تاریخین مالامال ہین۔ پس انھون نے جن وجوہ سے اپنا خیال
ظاہر کیا وہ اسوجہ سے تھا کہ انھون نے ایسے سخاوت کے حالات نہ دیکھے تھے اور نہ کتابون مین پڑہے تھے۔ یہ
سنکر لوگ اس واقعہ کی تکذیب کرتے ہین ابن خلدون نے بھی انکار کیا مگر جب وزیر سلطنت فارس ابن فرددو
کے پاس گیا اور ابن بطوطہ کے سفر کے متعلق گفتگو شروع ہوئی تو وزیر نے کہا کہ کیا تم اس سے انکار کرتے ہو کہ تم نے
بچشم خود نہین دیکھا اگر یہی بات ہو تو تم بھی وزیر کے اُس لڑکے کے مانند ہو جسنے قیدخانہ مین پرورش پائی تھی اور
بجز چوہے کے اُسنے کسی اور جانور کو دیکھا ہی نہ تھا۔

پنجشم۔ یہ اصول بھی لایق عمل ہے اور اس پر غور کرنا چاہیے کہ جب فاتح کسی غیر ملک کو فتح کرتا ہے تو
اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اُسوقت کسی کی ہستی و حقیقت نہین سمجھتا ہے۔ مگر جب اُس ملک مین امن و امان
پیدا کر کے حکومت شروع کر دیتا ہے تو اس کی حالت اور ہو جاتی ہے۔ اب ہر مورخ کو دیکھنا چاہیے کہ فاتح کی
ابتدائی حالت کیون ایسی ہو جایا کرتی ہے یہ اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ فتحیابی کے نشہ مین سرشار ہوتا ہے پس
اُس کی اس حالت سے یہ نتیجہ نکالنا نہ چاہیے کہ وہ کیسا حکمران ہوگا مثلًا جب عربون نے ملک مصر کو فتح کیا تو
مصر کے سردار عربون کے سپہ سالار کے پاس آئے اور بموجب تحریر ابن خلدون وہ اس پیرایہ مین طالب مراعات
ہوئے اور سپہ سالار سے کہا کہ ہم آپ کے پیغمبر کے عزیز ہین انھون نے اسواسطے یہ کہا تھا کہ حضرت ہاجرہ اور ماریہ
قبطیہ مصر کی تھین اور حضرت اسمٰعیل عم کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ تھین۔ اور حضرت اسمٰعیل ہی آنحضرت کے
جدِّ اعلیٰ تھے۔ مگر اس کا جواب سپہ سالار نے دیا کہ ایسے بعید رشتون کی ہم کچھ قدر و منزلت کرنا نہین چاہتے اب
غور طلب یہ ہے کہ اگر فاتح کی قبل مصر پر چڑھائی کے کوئی غرض ملک گیری کے متعلق مصر کے باشندون سے
ہوتی تو اُسوقت وہ ایسے رشتہ اور عزیز داریان پیش کر کے اپنا مطلب نکالنے مین کوشش کرتے مگر جب وہ
فاتح مصر کے ہو گئے تو مفتوحہ رعایا نے جو امر پیش کیا تو اُن سے کہا گیا کہ ہم ایسے بعید رشتون کی قدر کرنے والون
مین نہین ہین۔ پس تاریخ نویسی کا اصول یہ ٹھہرا اور تاریخ لکھنے کے وقت اس پر غور کر لینا چاہیے کہ ایسے
واقعات کی نوعیت کیا ہے اور اُس پر رائے قائم کرنا چاہیے اور یہ بھی ایک تاریخی صداقت ہے کہ دنیا مین اگر
صبح کو کوئی ظالم ہوتا ہے تو شام کو وہی مظلوم ہو جاتا ہے، اور جب مظلوم ہو جاتا ہے تو اُس کی جگہ پر جو معزز
بادشاہ ہو گیا ہے اس کو وہی مظلوم ظالم گردانتا ہے، دیکھیے جب محمود اور اشرف نے ایران پر حملہ کیا تو ایرانی
مظلوم تھے جن کی نسبت ملکم صاحب لکھتے ہین کہ دس لاکھ کے قریب قتل ہوئے تھے اور علی حزین جنانچے بھی اُنکے

قتل کا حال خود اپنی سوانح عمری مین لکھا ہے مگر جب نادرشاہ نے ایران سے ان افغانون کا اخراج کیا تو اب یہ مظلوم ہوکر رہ گئے تھے اور انکے مثال مین نادر ظالم تھا، نادر نے قریب قریب افغانون کی کل فوج کو تباہ کردیا تھا اور جو منتشر ہوکر بھاگ گئے تھے اُن مین سے بھی بہت کم محفوظ رہے اور جو محفوظ رہے تھے اُن مین سے معدودے چند ہندوستان مین بھاگ کر آئے تھے اور اشرف اور محمود کے خاندانی شاہزادون مین دو شاہزادے جو مفرور ہوکر بصرہ پہونچے تھے وہ مزدوری کرتے تھے چنانچہ ایک یورپین سیاح لکھتا ہے کہ جب مجھکو معلوم ہوا کہ یہ شاہزادہ ہین تو مین نے اُن سے ہاتھ ملانا چاہا مگر اُن کے ہاتھون مین مٹی بھری ہوئی تھی اس سے مجھکو کراہیت ہوئی۔

یہ ایک مثال نہین ہے بلکہ صدہا مثالین تاریخون مین اسی طرح کی پائی جاتی ہین اور ہمیشہ دنیا مین یہی رہا ہے اور رہیگا۔ کیا انگلستان اپنے فاتحین کے زمانہ مین بحالت مظلومیت مطالبہ حقوق کے وقت ظالم و مظلوم کی نیرنگیون کے اثرات سے محفوظ تھا اُسپر بھی یہ سب کچھ گذر چکا ہے مگر جب خود ملکون کا فاتح ہوا تو اُس کی حالت بھی وہی ہوگئی جو اُس کے فاتحین کی ایک زمانہ مین تھی اور جس زمانہ مین انگلستان کی قوم نے پارلیمنٹ شخصی بادشاہون سے طلب کی تھی تو اُسنے کیا کچھ نہین کیا ہے اور اب جب اُس سے حقوق اُس کی مفتوحہ اقوام طلب کرتی ہین تو کیسی رنگ برنگ کی پالسیان اختیار کئے ہوئے ہے۔

ششتم - یہ اصول بھی لایق پابندی ہے اور ہر مورخ کے واسطے مناسب اور زیبا ہے کہ قبل کسی تاریخ کے لکھنے کے جہان تک ممکن ہو تاریخ کی کتابون کو جمع کرے اور اُن مین سے واقعات و حالات تنقیح کرے اسواسطے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ واقعات کے نہ ملنے سے دیگر واقعات جو ملتے ہین اُن مین غلطی ہوجایا کرتی ہے اور واقعات پر صحیح رائے قائم نہین ہوسکتی کیونکہ تاریخ کا اعلیٰ اصول یہ بھی ہے کہ جب واقعات صحیح ہوتے ہین تو اُن کا نتیجہ بھی صحیح ہوتا ہے اور اُن پر رائے بھی صحیح قائم ہوسکتی ہے اور جب ایسا نہین ہوتا اور بنیاد مضبوط نہین ہوتی تو رائے صحیح نہین ہوسکتی ہے اور جس قدر خیالی اور فرضی تعمیر کی جاتی ہے اُس کو بے بنیاد سمجھنا چاہیے۔ صرف ہم اس اصول کے پابند کرانے والے نہین ہین۔ بلکہ ابن خلدون اپنی تاریخ کی ایک جلد مین لکھتے ہین کہ بیت المقدس کے واقعات و حالات جو اُس زمانہ کی تاریخون مین درج ہوئے تھے اُن مین وہ حالات رہ گئے تھے جو یوسف ابن کرون لکھ گیا تھا مگر اُس کی کتاب کے نہ ملنے سے جو حالات ہر مورخ کے پیش نظر تھے وہ یا تو مجمل تھے یا بالکل اُن کتابون مین نہ تھے ابن خلدون کو یہ کتاب مصر مین ملی اور انھون نے اس ساری کتاب کا ترجمہ کیا ہے یہ حالات دوسری کتابون مین نہ تھے اُن کو بھی انھون نے بالمقابل لکھدیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی حفاظت کے واسطے یہودیون نے کیا کیا تکلیفین اور مصیبتین تھین جو برداشت نہین کین - اس کتاب مین حضرت مسیحؑ کے قبل اور حضرت موسیٰؑ کے

ہو کے وہ حالات لکھی ہین جن کی نسبت ابن خلدون لکھتے ہین کہ مین نے اور کتابون مین نہین پڑھے ہین ؛
تاریخ کی کتاب اُس زمانہ مین لکھی گئی ہو جب حضرت مسیح ظاہر ہوئے تھے، مورخ نے اُسی قدر لکھدیا ہے
اور کوئی حال حضرت مسیح کا قلمبند نہین کیا حالانکہ بعد مین جو حالات آپکے لکھے گئے ہین وہ آپکے حوارین نے
لکھے ہین وہ انجیلون مین درج ہین اور وہ طول طویل ہین اور یہ بھی پایا جاتا ہے کہ حضرت مریم اپنے وطن سے
تشریف لے گئی تھین تو حضرت عیسیٰؑ کی واپسی کے وقت تک جو زمانہ گذرتا ہے اُس کا صحیح حال کسی کو معلوم نہین
کہ حضرت مریمؑ نے آپ کو کہان کہان رکھا اور آپ بڑے ہوکر جب وطن مین تشریف لائے تو یہ امر کہ آپنے پرورش
کہان پائی اور کیونکر آپ بڑے ہوئے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو حالات انجیلون مین ہین وہ اُس زمانہ کے
مورخین نے نہین لکھے ہین۔ پس یہ اصول تاریخ کا تسلیم کرنے کے لائق ہے کہ جب گذشتہ حالات مورخ
لکھے تو جہان تک ہوسکے پُرانی سی پُرانی کتابون کو بہم پہونچائے تاکہ حالات و واقعات کو صحیح کرنے کا اُس کو
موقع ملے اور اپنی صحیح رائے قائم کرسکے۔

ہفتم۔ چند تاریخی نکتہ اور ہین جن پر بہت کم غور کیا جاتا ہو وہ یہ ہین۔ (۱) بہت سے سچے واقعات لکھنے
سے پہلے تاریخون مین رہ گئے ہین اور اب بھی رہجاتے ہین جن کی وجہ خوف اور طمع اور خوشامد وغیرہ ہے مگر دوسرون
کو یاد رہتے ہین، وہ زبانی بیان کیا کرتے ہین۔ اُن پر اعتبار اس سبب سے نہین ہوتا اور بازاری گپ سمجھے
جاتے ہین کہ مورخین نے اپنی تاریخون مین اُن کو نہین لکھا اور نہ اب لکھتے ہین لیکن جب عام وخاص بیان
ہی کیا کرتے ہین تو اُن کی صحت مین کچھ کلام نہین ہوسکتا اور یہ بھی ہو کہ انسان دُنیا کی ہوس اور طمع مین اس
درجہ منہمک رہتا ہے کہ اگر وہ کسی حکومت مین عہدہ دار ہے یا نوکر چاکر ہے تو اُس کی دو رائین ہوا کرتی ہین،
ایک رائے عہدہ اور ملازمت کی اور دوسری ذاتی رائے، یہ آخری رائے قابل وقعت اور آزاد ہوا کرتی ہے اور
اول رائے کچھ بھی وقعت نہین رکھتی اور بالکل غیر آزاد ہے۔

ہشتم۔ فرقون کے مذہبی اعتقادات اور اختلافات سے تاریخی واقعات پر اثر پہونچتا ہو اور اُن کی
صداقتون پر بھی اور ایک دوسرا فرقہ متضاد خیال کرلیتا ہے اور اس واقعہ پر یقین بھی یعنے ہوتا کچھ ہے اور تسلیم
کچھ کیا جاتا ہے مثلاً سرو آزاد کے مورخ نے لکھا ہے کہ جب نواب حسین علیخان معظم سادات بارہا صوبہ دکن
کے ناظم تھے تو اُنھون نے اول اول گیارہوین شریف کی بنیاد قائم کی اور مشائخین کو دعوت دیکر کھانا کھلایا
اور نیاز دی، پھر اسی کتاب کا مولف لکھتا ہو کہ اُس زمانہ سے ہندوستان مین گیارہوین کا رواج ہوا ہو، اب
شیعہ صاحبان کہتے ہین کہ نواب صاحب کا مذہب شیعہ تھا اُنھون نے جو گیارہوین مقرر کی تھی وہ ایک امام
کی پیدائش کی تاریخ تھی اور حضرت بڑے پیر صاحب خود بھی بہ نفس نفیس اُن امام صاحب کی نیاز کرتے تھے مگر

بعد اُس کے اہلسنت وجماعت نے اس واقعہ کو بدلکر حضرت پیر دستگیر کی فاتحہ خوانی پر موقوف و محدود کر رکھا ہی
مگر یہ واقعہ تصدیق طلب ہے، علی ہذا البعض شائقین ایسے ہین کہ اُن کو اُن کی سیادت مین اختلاف ہے، کوئی
کہتا ہے کہ وہ سید تھے اور کوئی کہتا ہے کہ سید نہین شیخ تھے مگر میر دآزاد کا مورخ لکھتا ہے کہ تھے وہ سید لیکن
صوفیہ اُن کو شیخ قرار دیتے ہین اور ابو الفضل نے اکبر کے زمانہ مین غالباً شائقین کے نسب کی تحقیقات کر کے
آئین اکبری مین شائقین مین سے جو شیخ تھے اُن کو شیخ لکھا ہے اور جو سید تھے اُن کو سید، اور عربی کتاب
عمدۃ الطالب مین لکھا ہو کہ آپ کے صاحبزادہ نے سیادت کا دعویٰ کیا تھا اسی طرح اسمین بھی اختلاف ہے کہ
مامون رشید خلیفہ عباسی نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو شہید کیا تھا یا نہین، مولوی امیر علی صاحب اور مولوی
شبلی صاحب تو اس واقعہ سے انکار کرتے ہین اور علامہ ابن خلدون بھی منکر ہین مگر دیگر مورخین مین سے کامل
ابن اثیر اور مروج الذہب مسعودی اور کتاب الفخری اور نور الابصار اور مطالب السئول، حبیب السیر و روضۃ الصفا
وغیرہ کے دیکھنے سے حسب بیان حصہ اول تاریخ اسلام مولفہ مورخ دہلوی ثابت ہوتا ہے کہ زہر دینے کا
واقعہ صحیح ہے اس اختلاف کے دفعیہ کا صاف طور پر تاریخ نے یہ علاج بتایا ہے کہ واقعات متعلقہ پر بھی
غور ہونا چاہیے۔ بس اس واقعہ کے متعلق جب اس امر پر خیال کیا جاتا ہو اور عموماً عباسی مامون سے ناراض
اور ناخوش اسوجہ سے تھے کہ خلافت آل العباس سے جاتی رہے گی اور آل ابوطالب پر پھر عود کر جائے گی، اس
طرح پر خلیفہ مامون اُس کے معدوم کرنے کا باعث ہو رہا ہے اور فتنہ و فساد کا اندیشہ بھی تھا اور علویوں کی
شورش بھی لہذا مامون رشید اُس قتل کا مرتکب ہوا جو ہمیشہ کے لئے اُس کی بدنامی کا باعث ہو اور جب آپ
شہید ہو گئے تو عباسیون کی شورش بھی جاتی رہی اور یہ چند واقعات نہین ہین بلکہ بہت سے واقعات ایسے
ہین اور مثالین بھی جو خلافتوں اور بادشاہوں کے زمانہ مین اسی طرح پر اور اس سے بڑھکر ہوتے رہے ہین۔
منجملہ ایسے تاریخی واقعات کے ایک واقعہ یہ بھی ہو کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کس دن ہوئی ہو۔
اکثر مورخین اور علمار کا بیان ہے اور زیارت ناحیہ مین بھی لکھا ہو کہ آپ بروز جمعہ شہید ہوئے ہین مگر حضرت
زینب نے کربلا سے روانگی کے وقت اپنے بھائی کی لاش پر جو بیان کیا ہے اُس مین دو شنبہ فرمایا ہے اب
اسی کو صحیح سمجھنا اور اسی کو ترجیح دینا چاہیے کہ جناب معصومہ بنفس نفیس موجود تھین اور آپ نے سب حالات ملاحظ
فرمائے تھے، دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام ایک سال کے اندر ملک شام سے واپس
ہوئے تو یہ قافلہ پھر کربلا مین عین کیا جیسا کہ لوگون کا بیان ہو کہ آپ کربلا مین بوقت واپسی تشریف لائے تھے
تو نہ شام جاتے ہوئے تو اربعین مین کربلا پہونچنا ثابت ہوتا ہو اگر پھر کربلا مین تشریف لاتے تو یہ قافلہ
اُنھین منازل کو طے کرتا جن منازل کو جناب امام مظلوم مکہ سے طے فرماتے ہوئے کربلا تک تشریف فرما ہوئے

تھے اِن منازل کی تشریح کی گئی ہی مگر واپسی کے منازل کا ذکر نہین ہی اور یہی تھا کہ مکہ مین ابن زبیر کا خلافتی جھگڑا پیش ہو رہا تھا اس سے معلوم ہوتا ہی کہ دمشق سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اوس پُرانے راستہ سے مدینہ تک پہونچائے گئے تھے جس راستہ سے عرب مدینہ سے شام مین آیا جایا کرتے تھے اور حضرت پیغمبر بھی تجارتی مال حضرت خدیجہ کا اوسیطرف سے شام مین لیگئے تھے، یہ راستہ مخدوش بھی نہ تھا اور دمشق سے مدینہ تک مسافت مین قریب بھی تھا اِس واسطے بامن وامان حضرت امام زین العابدین علیہ السلام مدینہ تک پہونچا دیئے گئے،

نہم۔ اب اسماعیلی خلفاء مصر کی تاریخی حالت پر غور کرنا چاہیئے کہ اون کے وقت مین کیا سے کیا ہوتا رہا ہی اور کیسی کیسی نیرنگیان پیدا ہو گئی ہین، مثلاً اون کے وقت مین ایک خلیفہ نے عیسائیون اور یہودیون کو حکم دیا تھا کہ سیاہ عمامہ باندھا کرین، یہودی گلہ مین پانچ رتل وزن گئوشالہ کی شکل اور نصرانی اتنی وزن کی صلیب اپنے گلہ مین ڈالا کرین یہودی اور عیسائی حلال جانورون اونٹ اور گھوڑے وغیرہ پر سوار نہ ہوا کرین، بلکہ خچر پر حالانکہ اونٹ یہودی مذہب مین حرام تھا اور ۴۰۳ھ ہجری مین بہت سے لوگون کو شطرنج کھیلنے کے جرم مین پٹوایا گیا، اپنی سلطنت کے گرجون کو توڑنے کا حکم دیا اور اُسی کے زمانے مین پانچوین صدی مین اشہد انّ علیاً ولی اللہ؁ اذان مین بآواز بلند کہا گیا، مگر اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ ۳۹۰ھ مین حکم جاری کیا کہ رات کو مصر کے دروازہ بند نہ کیا کرین اور دوکانین کھلی رکھا کرین گھرون اور کوچون کے دروازون مین مشعلین اور شمعین روشن رہا کرین، پس تمام رات لوگ دن کی طرح کوچون اور بازارون مین چلتے پھرتے تھے، خود بادشاہ اپنے غلام مسعود کے ساتھ ایک دراز گوش پر سوار بازارون مین گشت کرتا تھا جس کسی کو بدمعاشی کرتے یا کم تولتے دیکھتا اپنے غلام سے پٹوا دیتا اور اوس کی بے عزتی کرتا عام اجازت تھی کہ جس کا جی چاہے اپنا حال خود بادشاہ سے ملکر عرض کرے اور مصر کے تمام عبیدی خلفا اپنی رعایا کو مثل اپنی اولاد کے سمجھتے اور اون سے نہایت محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے، جو برکتین مصر کو اون کے وقت مین حاصل ہوئین سلف سے خلف تک کسی بادشاہ کے عہد مین میسر نہ ہوئین، اون کی نیک نیتی کی وجہ سے خدا نے اونھین برکت بھی دی تھی، چنانچہ مورخین نے لکھا ہی کہ ان خلفاء کے خزانہ مین ایسی ایسی عجیب وغریب چیزین تھین جو کبھی دیکھی اور سُنی نہین گیئن، ایسے جواہر تھے جو کسی کو میسر نہ تھے، طلائی زیور چاندی کے برتن، طاش، آفتابہ، پتیلیان، رکابیان، خوان، فتیلسوز، آبخورہ، کٹورادون، وغیرہ سب طلائی تھین، ایک لاکھ تیس ہزار قسم کی سولہ لاکھ کتابین نہایت اعلیٰ درجہ کے خوشنویسون کی لکھی ہوئی اور نہایت نفیس جلدین بنی ہوئی تھین یہ کتب خانہ تمام دنیا کے عجائبات مین تھا، اس سے بڑھکر تمام بلاد اسلام مین کوئی کتب خانہ نہ تھا، منجملہ

اون عجائبات کے جو اس خزانہ مین تھے ایک سونے کا مور مرصع بجواہر تھا جسکی آنکھین یاقوت احمر کی تھین، اور پر بالکل مور کے پرون کے ایسے جن از جاج و مینا اور سونے سے بنائے تھے، اور ایک سونے کا مرغ جس کا بڑا سا تاج یاقوت احمر کا تھا، اور تمام زر و جواہر سے مرصع تھا ایک ہرن جو نفیس زر و جواہر سے مرصع اور اوس کا سفید پیٹ بلور اور عمدہ موتیون سے بنایا گیا تھا، ایک سونے کا کھجور کا درخت جو جواہر اور موتیون سے مکلل تھا، سونے کے گملہ مین رکھا ہوا تھا، اوس کے شگوفہ اور خام و پختہ کھجورین اپنے اصلی رنگ اور وضع مین مختلف جواہرات سے بنائی گئی تھین، یہ ایسے جواہرات تھے جن کی کوئی قیمت نہ لگا سکتا تھا، ایک کافور کا تربوز جس کا وزن سولہ ہزار مثقال تھا، ستر ستر مثقال کے یاقوت ازرق کے قطعہ اسی اسی درہم کے زمرد کے ٹکڑے تھے تین تین چار چار سو دینار کا ایک بلوری برتن کی صندوق دواتون کے بھرے ہوئے جن مین سے ہر ایک ہزار ہزار دینار سے زیادہ کی تھی، اور بہت سی چیزین تھین جو خلیفہ سے اون کے مخالفین نے لے لی تھین،

یہ شخصی حکومتون کی عظمت و شان کی مثالین تھین جو لکھی گئی ہین اور اون حکومتون کی انصاف رسانی کا حال بھی لکھا ہی پھر اوس کے ساتھ تعصب مذہبی کو بھی ظاہر کر دیا گیا ہی جس پر ہر زمانہ مین عملدر آمد ہوتا رہا ہے جس کے ثبوت مین تاریخ کی کتابین پیش ہو سکتی ہین، اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا گیا ہی کہ اگر ایک بادشاہ نے مذہبی تعصب سے کام لیا ہے تو دوسرے نے تعصب کو ترک کر کے انصاف پر عمل کیا ہے اور مذہبی رواداری اور پاسداری کو چھوڑ دیا ہی، اور تاریخ اپنے واقعات اور حالات کو ہمیشہ اس طرح سے بدلتی ہوئی چلی آتی ہی کہ ایک ہی بادشاہ مین رحم و کرم بھی ہوتا تھا اور ظلم و ستم بھی اور تعصب مذہبی بھی اور انصاف رسانی اور رعایا کو فائدہ پہونچانے کا عادی تھا اور یہی وہ بات ہی کہ ہر انسان کا خمیر بدی اور نیکی دونون سے مخمر ہوا ہے پس جب انسان مین نیکی کے صفات زیادہ ہوتے ہین اور بدی کے کم تو اوس کے محاسن قابل تعریف ہو جاتے ہین اور اگر بدی کا جذبہ زیادہ بڑھ گیا جو نیکیون کو مغلوب کر دیتا ہے تو اوس کے تاریخی حالات اور ہو جاتے ہین جیسا کہ ہم اوپر ظاہر کر آئے ہین اب اور مثالین بھی ذیل مین لکھتے ہین وہ یہ ہین،

(۱) یہ بھی تعصب مذہبی تھا کہ صرف عبیدی خلیفہ نہین بلکہ عباسی خلیفہ ابوالفضل جعفر متوکل نے حکم دیا تھا کہ عیسائی گلے مین زنار باندھین گھوڑے پر سوار نہ ہون گدھے اور خچر پر سوار ہوا کرین، اور رکابین کاٹھ کی رکھین، ایک فرمان کی رو سے مذہب معتزلہ کو خلاف حکومت قرار دیا اور معتزلیون کو سرکاری عہدون سے معزول کر دیا، سائنس اور فلسفہ کا لکچر ممنوع قرار دیا اور ایک قاضی اور اوس کے بیٹے کو کہ یہ دونون نامی معتزلی تھے قید کر دیا، علیؑ اور اولاد علیؑ سے دشمنی رکھتا تھا کربلا کے روضہ جو عمر بن

عبد العزیز نے بنوائے تھے اور اون کے گرد کے مکانات اوس نے مسمار کرا دیئے، اسی طرح پر اوس نے اور بھی متعصبانہ احکام جاری کیئے تھے، اور سیوطی کا بیان ہی کہ وہ اول خلیفہ ہے جس نے شافعی مذہب اختیار کر لیا تھا، اور انھین عباسی خلفائکے وقت مین امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو حنیفہؒ پر بھی ظلم کیئے گئے ہین، اور سادات اولا الرسول پر بھی اور اسی تعصب مذہبی سے حنبلی اور حنفی مذہب کے مقلدین مین جنگین ہوتی رہین اور شیعہ و سنی مین بھی،

(۲) جب ۳۵۹ھ مین بنی فاطمہ نے مصر اور پھر تھوڑے عرصہ مین دمشق اور شام کو فتح کر لیا اور ۳۶۰ھ مین مصر اور شام و دمشق مین اذان مین حی علی خیر العمل کہا گیا مگر جب مقتدی خلیفہ عباسی کا زمانہ آیا تو اوس کے اول سال خلافت مین بنی فاطمہ مصر کا خطبہ حجاز مین پڑھا جانے لگا تھا، مگر ۴۶۹ھ مین پھر مقتدی ہی کا خطبہ جاری ہو گیا اور اذان سے حی علی خیر العمل نکالڈالا گیا اور اوس کے عہد مین متعصب حنبلی ہمیشہ فساد مچاتے رہے اور حنفیون اور شافعیون مین لڑائی ہوتی رہی،

(۳) جب ابو جعفر عبد اللہ قائم کا زمانہ آیا اور طغرل کا اقتدار بڑھا تو طغرل اور خلیفہ کے مشترکہ حکم سے بغداد کے محلہ کرخ کے شیعون کو صبح کی اذان مین الصلوٰۃ خیر من النوم داخل کرنے پر مجبور کیا گیا اور اون کی اذان سے حی علی خیر العمل کے نکالڈالنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ شیعہ اذان مین بموجب حکم عمل کرتے رہے، اب یہ کیا تھا اوسی مذہبی تعصب کی نیرنگیان تھین جو شخصی خلافتون اور حکومتون مین مدتون پھیلتی رہین، مگر جب سے یورپ کی قومیت نے ترقی پائی ہے یہ تعصب ناک مذہبی واقعات معدوم ہوتے جاتے ہین اور قومیت سب مذہبون کو متحد کرتی جاتی ہی اور زمانۂ حال کی تاریخ نے یہ قرار دے رکھا ہی کہ مذہب کا رشتہ خدا سے ہے وہی اس کا تصفیہ کریگا، دنیا مین اپنے اپنے مذہب کے پابند بھی رہو مگر قومیت اختیار کرو اسی مین سب قومون کی بہبودی و ترقی متصور ہے،

۴- یہ اصول بھی بخوبی ذہن نشین ہونا چاہیئے، اور یاد رکھنے کے قابل ہی کہ تمام الہامی کتب اور احادیث اور اقوال ائمہ اور اوصیا، جن پر مختلف اقوام کے مذاہب کا دار مدار ہی وہ تمام احکام شرعی و مذہبی الفاظ پر مشتمل ہین اور جب انسان اون کو عمل مین لاتا ہی تو انسان ہی کا طرز عمل اوس کے کردار و گفتار اور رفتار کی تاریخ ہو جایا کرتا ہی اور خیر و شر و نیک و بد اور جائز و ناجائز امور مین ما بہ الامتیاز ہوا کرتا ہی، اور یہی وہ عمل ہے جو حق و باطل کی جانچ اور پرتال کی معیار کا ہوتا ہی خواہ مذہبی معاملات اور عبادات کے متعلق ہو یا دنیاوی معاملات پر شامل ہو،

شخصی اور قومی تاریخ

ہم نے جو کچھ اوپر لکھا ہی اوس مین اعتقادی و مذہبی و ملکی تاریخی صداقتون کی اُصولی حالت پر بحث کی ہی۔ مگر اب یہ دکھانا چاہتے ہین کہ دنیا مین جو طاقت اور قوت شخصیت کو ہر قوم کے مذہب نے دے رکھی تھی یعنے ہر قوم کا مذہب قوم بناتا تھا اور پھر وہی مذہب اوس کے عروج و زوال کا باعث ہوجایا کرتا تھا، اگرچہ اون قومون مین وطن پرستی اور اپنے ملکون کی حفاظت کا خیال رہتا تھا تاہم مذہبی جذبات کے غلبہ کو اون کی انفرادی ہستی اس طرح پر لئے ہوئے تھی کہ وہ بمقابلہ اِس کے وطن پرستی کا جیسا خیال چاہیئے ویسا نہ رکھتے تھے یورپ اور ایشیا کی قومون کا یہی حال تھا مگر جب سے بعض اقوام یورپ نے اوس گذشتہ تاریخ کو قومیت پر منتقل کرلیا ہی اوس وقت سے ایک عظیم انقلاب تاریخی صداقتون مین پیدا ہوگیا ہی اور مذہب کو علحدہ کرکے اوس کو برائے نام کردیا ہی اب یہ قومی سیلاب جب دنیا کے دیگر ملکون مین پھیلا تو یورپ کے فاتحین کے قومی اثر سے مفتوحہ اقوام بھی متاثر ہوئین، اور اب گویا دنیا مین قومیت کا دور دورہ شروع ہوا اور یورپ کی قومون نے دنیا کی ایشیائی شخصی حکومتون پر اس وجہ سے فتح پائی کہ شخصیت کو جو زور و شور حاصل تھا وہ یکے بعد دیگرے قوی و ضعیف ہوجاتا تھا، اور قومی توحد کی طاقت کو موقع مل جاتا تھا کہ وہ اگر شخصی عارضی قوت پر عارضی محدود زمانہ تک خاموش رہتی تھی تو اوس کے جانشینون کا ضعف دیکھ کر اپنا مطلب نکال لیتی تھی اور شخصیت اور قومیت مین یہ فرق ضرور تھا اور ہے کہ اول الذکر مشترک المقاصد نہ تھی اور ثانی الذکر دوامی متحد المقاصد رہتی ہی اور یہی فرق ہی جو ہر قومی اور شخصی سلطنتون مین پایا جاتا ہی یعنے جب یورپ کی قومون پر غور کیا جاتا ہے تو اُن مین ایسا اتحاد قومی ہوگیا ہی کہ اگرچہ اُنھون نے دوسرے ممالک مین بود و باش اختیار کررکھی ہے اور اوس ملک کے قومی قوانین کے تابع ہوکر جس مین اونکا بھی شمار اوس ملک کی قوم مین ہوجاتا ہی، تاہم جب اونکی اصلی قوم اور اوس قوم سے جس کے ملک مین وہ سکونت اختیار کیئے ہوئے ہین جنگ ہوپڑتی ہی تو بمقابلہ اُس قوم کے اپنی قوم کی تائید کرتے ہین اس کی تائید اور تصدیق حال کی عظیم جنگ یورپ کے واقعات سے ہوتی ہی اور جب اِس کا مقابلہ اُن شخصی حکومتون سے کیا جاتا ہی تو اُن کے تاریخی واقعات عجیب و غریب تاریخون مین دیکھنے مین آتے ہین اور باہم سازشی حالات کی وجہ سے آپس مین جو تفرقہ پردازیان ہوتی رہین اور درباریون اختلاف اوس سے مغلون اور عربون وغیرہ کی شخصی حکومتین جاتی رہین اور

جو باقی ہین زوال پذیر درجہ اختیار کئے ہوئے ہین اور تاریخ یہ بتا چکی ہے کہ شخصی حکومتین اکثر بادشاہون
کے ذاتی نظام سے چلتی رہی ہین اور نیز اون کے عہدے دارون اور عمال کی کارستانیون اور ظلم و جبر اور
بادشاہون کی عدم نگرانی سے حکومتون مین زوال آ گیا ہے اور اس کی بھی مثالین بہت ہین کہ جب
شخصیت کا بول بالا تھا تو اوس مین جو زبردست ہوتا تھا وہ جو چاہتا تھا کر گذرتا تھا، ایک نادرشاہ کو دیکھئے
کہ اوس کی تلوار نے محمد شاہ کو مغلوب کرتے ہی اون کی شاہزادی کے ساتھ اپنے صاحبزادہ کے عقد کا
پیام دیا گو بیگمات مین جب چرچا ہوا کہ نادرشاہ موچی ہے تو اون کے پاس ایک خواص بھیجی گئی کہ وہ
دریافت کرے کہ نادرشاہ کا نسب کیا ہے، اس خواص کے سوال پر نادرشاہ نے یہ جواب دیا کہ جا کر کہدینا کہ
نادر ابن شمشیر ابن شمشیر یہی نادر کا نسب ہے، اور یہ سچ بھی ہے کہ زبردست ہر زمانہ مین زبردست ہے
اب قومیت کے زمانہ مین اگرچہ وہ باتین نہین ہین تاہم بہ تبدل الفاظ دوسری صورتون پر عمل ہو رہا ہے
جو زبردستی کی شان کا اظہار کیا کرتی ہین اور بکری اور بھیڑیے اور ایک طالبعلم اور بھگون اور ڈاکون کے
افسانہ کو یاد دلاتی رہتی ہین اور جب دو زبردستون مین رعایا پھنس جاتی ہے جیسا کہ پنجاب مین ہوا تھا جسکا
تذکرہ خلیفہ سید محمد حسن صاحب مرحوم وزیر پٹیالہ نے تاریخ پٹیالہ مین کیا ہے، روسائے پنجاب سے کہا گیا
کہ آپ ہیضہ پسند کرتے ہین یا دق تو انھون نے دق کو پسند کیا اور خالصہ حکومت کو ہیضہ سمجھکر منظور
نہین کیا، ان تاریخی تقابل سے یہ ظاہر ہوگیا کہ دنیا زبردست کی ہے اور زیردست تاوقتیکہ زمانہ کا رنگ
دیکھکر اُس رنگ کو اختیار نہ کرے گا اور زبردست قومون کے ترقی کے اسباب پر غور کرکے اُس پر عامل
نہ ہوگا اوس کی حالت غلامی سے بدتر ہوجائیگی اور رفتہ رفتہ وہ معدوم ہوکر رہ جائیگا، یعنے ایک زمانہ
مین جیسا کہ ہم نے صدر مین بیان کیا ہے کہ مذہبی طاقت اون کے قومی نشو و نما کا باعث تھی اب قومی
طاقت مذہب کے نشو و نما کا باعث ہوسکتی ہے مگر کب جب ایسی قومین تمام اون قومی صفات سے
متصف ہوجائین جو اون قومون کے عروج کا باعث ہوئی ہین جن کا دور دورہ آج اس دنیا مین ہے
یہ سچ ہے کہ شخصیت قومیت پر منتقل ہوتی جاتی ہے اور یہ بھی ہے کہ قومی افراد مین قابلیت اور لیاقت اس
درجہ بڑھ گئی ہے کہ وہ بڑے سے بڑے بادشاہون اور شہنشاہون کے جانشین ہوکر ملک گیری بھی کرتے ہین
اور ملکداری کا بھی مادہ اُن مین زیادہ تر ہے اور شخصی بادشاہون کی یہ حالت ہے کہ وہ قومی ٹھوکرون سے
جلاوطن ہوتے جاتے ہین، جیسا کہ زار روس اور قیصر جرمن کے ساتھ حال مین برتاؤ کیا گیا جس سے
ثابت ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ دنیا مین شخصی سیادت جاتی رہے گی، اور بجائے اوس کے قومی سیادت
قائم ہوگی، یہی تاریخی صداقت کی تبدیلی ہے ورنہ تاریخی فطرتی صداقتین جو بحالت شخصیت زمانہ

گذشتہ مین ہمین وہ تقسیم ہوکر قومی افراد مین آجاتی ہین، اور یہ امر کہ انسانی تاریخ جیسی پہلے تھی وہی
اب بھی ہی یعنے اِس تبدیلی کے ساتھ ہی ساتھ قومی تعصب و نفسانیت کے جذبات بھی ترقی کرتے چلے
جاتے ہین خود ایسی قومون مین رشک وحسد کا مادہ بڑھا ہوا ہے وہ باہمی جنگ وجدال مین مشغول رہتے
ہین اور غیر اقوام جو شخصی آب وہوا مین پرورش پائے ہوئی ہین اون کے ہر قسم کے حقوق تلف کیے
جاتے ہین اور اگر وہ مثل اُن کے ترقی کرنا چاہتی ہین تو ان کی راہ مین روڑے اٹکاتے جاتے ہین تاکہ یہ قومی
مدارج پر پہونچکر ہماری برابری نہ کرسکین، پہلے اِن قومون مین یہ خیال تھا کہ مفتوحہ اقوام غیر جہالت
مین ڈوبی رہین تو اچھا ہے اِس وجہ سے کہ ہم جو چاہین گے انتظام کرلین گے، لیکن دنیا مین یہ دو
ملک ایسے ہین کہ ایک ایک ہندوستان اور دوسرا ایران کہ یہ اپنے فاتحین کے علوم وفنون کو ایسی عجلت
کے ساتھ حاصل کرلیتے ہین کہ اخیر مین فاتحین کو دقتین پیدا ہوتی ہین یہی وہ بات ہی جس پر غور کرنا چاہیئے
کہ ایران کو عربون نے فتح کیا تو علوم وفنون جو اوس زمانہ مین تھے اور نیز عربی زبان کو حاصل کرکے
اونھون نے ایک ایسی حیرت انگیز ترقی حاصل کی کہ عرب اون کا مقابلہ نہ کرسکے اب وہان بھی قومی
احساس شروع ہوگیا ہی، دوسرا ہندوستان ہی کہ اس ملک مین شخصی الائیش مدت ہائے دراز تک رہی
لیکن اب انگریزون کی حکومت کی بدولت اوس مین بھی قومی احساس ترقی کررہا ہے اور
اون کے قومی لیڈرون نے اپنے فاتح کے علم وفضل اور زبان انگریزی مین اس درجہ لیاقت وقابلیت
حاصل کی ہی کہ ہندوستان ایک قومی کشمکش مین مبتلا ہوگیا ہی اور مختلف قومون اور مختلف مذاہبون تھے
پابند اشخاص کے قافلون کی حالت یہ کہ وہ مختلف راہین اختیار کیے ہوئے تھے مگر سالار قافلہ
ایسے بھی ہین کہ اون کی صدائے جرس نے سب قومون کو ایک راہ پر لانا شروع کیا ہی اور جو قافلہ کو
چھوڑ کر بھولے بھٹکے پھر رہے تھے اون کو بھی اون مین شامل کرنے کی رہنمائی کردی ہے، اس کا
نتیجہ وہی ہونے والا ہے جو یورپ کی قومون مین پھیلتا جاتا ہے، لیکن قومیت کے ساتھ ہی شخصیت
کا بھی لگاؤ ہے یعنے قومیت مین مختلف پارٹیان ہوجایا کرتی ہین اور شخصیت کے اعتبار سے جب
افراد اپنے نفس کے بظاہر منصف ہوا کرتے ہین، اسی طرح سے قومیت کے افراد بھی منصف بنا کرتے
ہین، یہ بھی تاریخ کی وہی فطرتی صداقتین لیے رہتے ہین یعنی اپنی قوم کے ساتھ تائید ہی انصاف
مگر دوسری اقوام کے ساتھ نمائشی منصفانہ برتاؤ ہوتا رہتا ہے، ابھی تک تو اس مسئلہ کا حل نہین ہوا ہے
اور ہمیشہ سے تحقیق طلب چلا آتا ہی اور یون ہی چلا جائیگا کہ انسان اپنی خلقت کے وقت خیر وشر
دونون کو ساتھ لیے رہتا ہے یا نہین، اور اس مین یہ مادہ ودیعت رکھا گیا ہے یا نہین، تمام الہامی

کتابین خیر کی تعلیم انسان کو دیتی ہین اور شر سے منع کرتی ہین، اور انصاف کی جانب اُن کی ہدایت
ہی، یہی انسان کی فطرتی تاریخی صداقت ہونا چاہیئے، مگر معلوم ایسا ہوتا ہی کہ جو اُمور فطرت نے اس کو
عطا نہ کیئے تھے وہ دنیا مین آکر اپنے تعلقات کی اغراض کی وجہ سے اُس نے اختیار کر رکھے ہین یعنے جو خود
کرتا ہو وہ اگرچہ بُرا ہے اور اوس کا قلب بھی شہادت دیتا ہو کہ تو نے بدتر کام کیا ہو مگر اُس کی زبان کے
نزدیک وہ کام اچھا ہو اور جب وہی کام اور وہی طرز عمل دوسرے اختیار کرتے ہین تو اوس کے نزدیک وہ
سب کام بُرے ہین اور یہ بھی ہو کہ خود انسان کا قلب اوس کے معائب و محاسن کا شاہد عادل ہوتا ہی اور
یہی فطرتی تاریخی صداقت بالانفراد اور قومی اجماع مین پائی جاتی ہو مثلاً اچھے اور بُرے کام جو انسان کرتا ہی
اوس کا قلب اون کامون کا شاہد ہے، انسان خود بھی سمجھ لیتا ہو اور امتیاز کر لیتا ہو کہ کون اچھا کام کیا اور
کون برا اور یہی قلبی شہادت مذہبی اعمال کے لیئے بھی فطرت نے مقرر کر رکھی ہو اور ہر اہل مذہب واقف ہو
کہ امر بالمعروف اور نہی منکر کیا ہے یعنے انسان کو واقفیت اپنے نیک و بد افعال یا اعمال مذہبی کی
ہو جایا کرتی ہو مگر اچھے افعال کو ظاہر کرتا رہتا ہو اور بُرون کو چھپایا کرتا ہو اور جب دوسرے اوس کے خلاف
شہادت دیتے ہین تو اوس کو جھوٹی شہادت قرار دیتا ہی، حالانکہ خود جانتا ہی کہ مین نے یہ بُرے کام کیئے ہین
یہی تاریخی صداقت سب قومون پر صادق آتی ہو اور وہ بھی انھین سب باتون پر عمل کرتی رہتی ہین جس کی
تصدیق اِس قومیت کے زمانہ مین بخوبی تمام ہوتی جاتی ہو اور سمجھنے والے سمجھ چکے ہین کہ جو کیا جاتا ہے وہ مخفی
ہو کر رہ جاتا ہو اور رنگ آمیزی کے ساتھ اوس کے خلاف بیان ہوا ہو، اور دیگر نمائشی غیر فطرتی صداقتین
بھی اون مین سرایت کیئے ہوئے ہین اور کوئی بشر اِس سے خالی نہین پایا جاتا یہانتک بادشاہ اور اون کی
متحدہ قومین اور جمہوریت اسی مرکز پر آکر ٹھہر گئی ہین، اور یہ عجیب امر ہے کہ جب ایک بادشاہ عہد شکنی کرتا ہی
اور دوسرے واقعات بھی اوس کی جانب سے ظاہر ہوتے ہین تو اوسکی رقیب قومین اور بادشاہ اوسکو
عہد شکن قرار دیتے ہین، اور جب وہی کام آپ کرتے ہین تو اون کے نزدیک وہ مستحسن ہی حالانکہ اگر ہم
اوس کو فطرتی صداقت قرار دین تو ہر مذہب کی الہامی و غیر الہامی کتاب اِس کو منع کرتی ہی یہانتک
کہ جھوٹ بولنے اور دیگر اسی قسم کے اُمور منہیات مین داخل ہین، یہ حقیقی تاریخی صداقتون کی پابندی تو خدا
پرست اور برگزیدہ اشخاص کر سکتے تھے اور اون کے بعد وہ کون ہی جو کر سکتا ہی، توریت اُٹھا کر دیکھیے تو
معلوم ہو سکتا ہی کہ جب حضرت موسیٰ مصر سے بنی اسرائیل کو نکال کر لے گئے تو بنی اسرائیل کے سفر کے حالات
مین لکھا ہوا ہو کہ ایک غیر حکومت کے اندر سے آپ اِس واسطے جانا چاہتے تھے کہ وہ راستہ سیدھا تھا
اور دوسری طرف مسافت بعید تھی اور چکر کاٹ کر جانا ہوتا مگر جب اوس حکومت کے حکمران دیکھا کہ

ان کے ساتھ ایک عظیم فوج ہے مبادا یہ میرے ملک پر قبضہ نہ کرلین۔ تو اُس نے انکار کردیا اور آپ کے اِس
اصرار کو تسلیم نہ کیا کہ تمھاری زراعت وغیرہ کا کوئی نقصان نہ ہوگا، اِس منع کرنے پر آپ نے وہ راستہ
فوراً چھوڑدیا اور بعید راستہ تکالیف ومصائب اُٹھاکر اختیار کیا یہ فطرتی صداقت ہے نہ کہ وہ صداقتین
جو آجکل حکمرانون مین دیکھی جاتی ہین، جنگ حال کے ابتدائی زمانہ پر غور کرنا چاہیئے کہ بلجیم کو قیصر جرمنی نے
یہ پیام دیا تھا کہ تمھارے ملک سے ہماری فوجین گذرینگی اون کو گذر جانے دو، تمھارا اور تمھاری رعایا کا
جو نقصان ہوگا اوس کا معاوضہ دیا جائیگا یہ پیام اِس واسطے تھا کہ گذشتہ حملہ جو فرانس پر جرمنی نے کیا تھا
وہ دوسرا راستہ تھا جہان بعد جنگ کے فرانس نے قلعہ جات بنالیئے تھے، اور انگلستان سے اوس زمانہ
مین ایک معاہدہ ہوچکا تھا کہ جرمنی فوجین بلجیم سے گذر کر پیرس پر حملہ نہ کرینگی، اوس پر دستخط پرنس بسمارک
کے تھے، مگر شاہ بلجیم نے انکار کیا تو قیصر نے کوئی دوسرا راستہ اختیار نہ کیا بلکہ بلجیم کے راستہ سے جاکر جنگ شروع
کی اور پھر یہ بھی ہوا کہ سمندرون مین ناکہ بندی بھی عمل مین آئی اور غیر طرفدار حکومتون کے ساتھ جو عہد ومعاہدہ
چلا آتا تھا کہ جنگجو قومین مداخلت نہ کرینگی، اون سب مین ضرورت وحاجت نے مداخلت کرائی اور یہ بھی
معاہدہ باقی نہ رہا کہ غیر ممالک کی قومین جب یورپ مین ایک دوسری سلطنت سے جنگ ہو تو شریک ہوکر
جنگ نہ کرین، یہ سب معاہدات ٹوٹ کر رہ گئے، اور ضرورت اور اغراض کے مقابلہ مین صحیح طور سے عمل
نہ کیا گیا اور معاہدات کی حالت یہ ہے کہ دنیا مین وہ کون سلطنت ہے جس سے باہم معاہدات تھون مگر جب ضرورت
درپیش آجاتی ہے فوراً معاہدہ شکست کردیئے جاتے ہین، جنگ حال مین سب سلطنتون سے دوستانہ معاہدہ
تھے مگر کسی نے اون معاہدات پر خیال نہ کیا جب دو سلطنتین جنگ کرتے کرتے تھک جایا کرتی تھین تو آرام لینے کے
واسطے معاہدات کرلیتی تھین پھر تیار ہوکر جنگ شروع کردیا کرتی تھین، غور کیجیئے کہ زبردست اور زیردست
کا معاہدہ ہی کیا ہے جب چاہا زبردست نے کمزور کی گردن مروڑ کر رکھدی، ہان انبیاء اور پیشوایان دین
اپنے معاہدات پر ضرور قائم رہا کیئے ہین، دیکھیئے حدیبیہ کا معاہدہ جو مغلوبیت کی صورت مین ہوا تھا اور کہا
جاتا تھا کہ یہ کیسا معاہدہ ہے مگر پیغمبر اسلام اوس پر قائم فرما تھے، جب مخالفین نے اوس کو توڑدیا اوس وقت
آپ بھی پابند نہ رہے اور جناب امام حسن علیہ السلام فرماتے ہین کہ ہم جو معاہدات کرتے ہین اون کو شکست
نہین کرتے، لبعد (۱) انبیاء اور اوصیاء اور آئمہ کے ہر قوم کے بادشاہون نے کبھی معاہدات کی پابندی نہین
کی ہے، بجز زیردستون کے وہ مجبوراً پابند رہا کیئے ہین، حقیقت مین معاہدات ایک تاریخی رواجی یادگار ہین
ورنہ معاہدات توڑنے کے واسطے کیئے جاتے ہین نکہ قایم رکھنے کے لیئے، دیکھئے اون معاہدات کی حالت کیا
ہوئی جو فیما بین امیر شام اور جناب امام حسنؑ اور اندلس مین عیسائیون اور مسلمانون مین ہوئے تھے اونکی

سیاہی بھی خشک نہونے پائی تھی کہ ایک فریق نے اوس کو توڑ کر رکھدیا اور وہ ظلم وجبر دوسرے فریق پر کیا کہ پناہ بخدا یہ ہر زمانہ مین ہوا کیا ہی، حال کی جنگ مین جو معاہدہ یورپ مین بزیر سرپرستی مسٹر ولسن ہوا تھا وہ کہان باقی رہا، سچ کہا ہی پرنس بسمارک نے کہ معاہدون پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے، واقعی امر یہ ہے کہ دنیا مین مقبول اور برگزیدہ بندون کی تاریخ اور ہے اور اون کے پیرؤن کی تاریخ امتداد زمانہ سے اور ہوجاتی ہی اب آب ودانہ بند کرنے کی تاریخ پر توجہ کرنا چاہیئے، جس کو اس زمانہ مین بروقت جنگ مستحسن سمجھا جاتا ہی، یہ بھی مستحسن نہین ہی، اگر مستحسن ہوتا تو ہمارے پیغمبر جنگ خیبر مین اوس پر عمل فرما ہوکر فوراً قلعہ فتح فرما لیتے اگر آپ اس پر عمل فرمانہ ہوئے، اور اُس یہودی سے جو قلعہ سے بھاگ کر آیا تھا اور جس نے یہ کہا تھا کہ قلعہ مین پانی آرہا ہے اگر آپ اوس پانی کو بند کردین تو قلعہ فوراً فتح ہوجائے گا اور جو محصور ہین وہ اطاعت اختیار کرلین گے، اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم پانی نہ بند کرین گے قلعہ فتح ہو یا نہ ہو، اسی تاریخی صداقت پر صفین مین بھی عمل ہوا تھا کہ جب حضرت امیر المومنین کی فوج نے ایک گھاٹ پر قبضہ کرلیا تھا اور مخالف کی فوج مین بوجہ تشنگی تلاطم تھا، جب آپ نے سُنا تو فوراً ہی اپنی فوجون کو واپس بلالیا اور فرمایا کہ پانی سب کے واسطے ہی اس کو کسی پر بند نہ کرنا چاہیئے، اس کے بعد جب منزل ثعلبیہ پر حُر معہ ایک ہزار سوار کے آئے اور جناب سید الشہدا سے مزاحم ہوئے تو اون کے سوارون اور گھوڑون پر اس درجہ تشنگی کا غلبہ تھا کہ گھوڑے زبانین نکالے ہوئے تھے اِس حالت کو ملاحظہ فرماکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو پانی ہم اپنے واسطے اور اپنے متعلقین کے واسطے لائے ہین وہ حُر کے لشکر اور گھوڑون کو پلا دیا جائے وہ پانی ہزار سوار اور ہزار گھوڑون کو پلایا گیا، اور انھین سنتون پر عمل کرنے والے سادات نے بھی کبھی اپنے مخالفین پر پانی بند نہین کیا ہے، اور یہ امتیازی صداقتی تاریخ ایسی ہی کہ دیگر انبیا اور اوصیا جو گذر گئے ہین اون کے تاریخی حالات مین اس تاریخی صداقت کا کہین پتہ نہین چلتا کہ آپ پیاسے رہین اور اپنا پانی مخالف جماعتون کو پلا دین، انھین روحانی فیضان کی برکات نے حضرت حُر کے قلب پر وہ اثر کیا کہ وہ آپ سے آکر مل گئے اور شہادت کا مرتبہ حاصل کیا اب بعد اِن واقعات کے اون تاریخی واقعات کو دیکھنا چاہیئے کہ مسلمان ہوکر عربون نے کربلا مین کیا کر دکھایا، پس یورپ کی جنگجو قومون مین جب ایسے تاریخی حالات اور واقعات پیش آتے ہین وہ بھی ملک داری و ملک گیری کی طمع سے پیش آتے رہتے ہین اور آتے رہین گے یہانتک کہ جملہ اقوام عالم کی یہی حالت ہی، جب اون مین اپنے ہادیون کی تعلیم باقی نہین رہتی اور اپنے خدا اور اوس کے رسولون کا خوف جاتا رہتا ہی اور دنیاوی طمع اور لالچ کا غلبہ ہوجاتا ہے تو اون مین شرع کی پابندی کیونکر رہ سکتی ہے اور اُن صداقتون پر اُن کا عمل کیونکر ہوسکتا ہے جو کتابون مین موجود ہین،

مگر اون پر عمل کرنے والے باقی نہین رہے، اور یہ خیبر کا واقعہ جو لکھا گیا ہی اعتقادی نہین ہی بلکہ تاریخی ہے
اور تاریخی اصول مین یہ بھی شامل ہی کہ وہ جملہ اقوام پر حجت ہو سکتے ہین نہ کہ اعتقادی اصول کہ وہ صرف
اپنے اہل مذہب کے واسطے حجت ہین، اور ثعلبیہ اور صفین کے واقعات بھی تاریخی ہین جو جملہ اقوام پر
حجت قرار پا سکتے ہین،

یہ چند واقعات شخصی اور قومی تاریخ کے بیان کیئے گیے ہین اور ہم بیان کر آئے ہین اور اب بھی
بیان کرتے ہین کہ اس زمانہ کا مورخ کیونکر کوئی تاریخ مرتب کر سکتا ہی جبکہ اوس کے پاس سچے واقعات
کے جمع کرنے کا کوئی موقع نہین ہی اور نہ اوس کو معلوم ہو سکتے ہین، ہان ایک طرفہ تاریخ بر بنائے واقعات
نمایشی لکھنا چاہے تو لکھ سکتا ہی، لیکن حقیقت مین اوس کی کوئی وقعت نہین، اور معلوم ہوتا ہے کہ انسانی
خلقت کے تاریخی واقعات وحالات اور مختلف قومون کے کردار وگفتار ورفتار ایک ہین جن کو زمانہ
دوہراتا رہتا ہی خواہ وہ شخصیت کے پیرایہ مین ہون یا قومیت ومذہب کے، جیسا کہ ابن خلدون لکھتا ہے کہ
انسانی تاریخ مکرر رہتی ہی، اب خیال کرنا چاہیئے کہ جو تصادم مختلف قومون مین مفتوحہ یا اصلی ملکون مین رہا ہے
اوس مین پولٹیکل اغراض ایسے شامل ہین اور قومی ہماہمی کا نقارہ بج رہا ہی کہ پتہ نہین چلتا کہ آخر اس کا
نتیجہ کیا ہونے والا ہی، صرف اس قدر سمجھ مین آتا ہی کہ پولٹیکل غلبہ و پولٹیکل اقتدار جس نے شخصیت سے یورپ
مین قومیت اختیار کر رکھی ہے وہ اپنی شخصیت کی تاریخ اس قومیت مین بھی لئے ہوئے ہی، یعنے شخصیت کے
دور مین ایک ہی شخص کی سیادت کے انسانی مخلوق تابع تھی، اس زمانہ مین جب شخصیت جاتی رہی تو قومی
حکومتین قایم ہوئی ہین اور گویا یہ مخلوق اپنی قومی پارٹیون کے تابع ہو گیی ہی، مگر ایسی حکومتون مین بھی وہی
شخصی خیالات اور ذاتی اغراض کا جلوہ نظر آیا کرتا ہی اور یورپ کی قومیت کا دور جب ایشیا مین پہونچا
تو یہان بھی قومیت نے گڑبڑ مچا رکھی ہی، مگر قومی اغراض جو یورپ کی قومون کو حاصل ہین وہ ممالک مفتوحہ
کی قومون کو حاصل نہین ہین، اور یہی وجہ ہے کہ واقعات وحالات سے تاریخ کی تکمیل وترتیب ہوتی ہے
مگر جس درجہ واقعات کی گشت رہتی ہے وہ ذاتیات سے خالی نہین ہین یعنے قومون نے تو مذہبی ہدایات کو
بالائے طاق کر دیا ہے اور پولٹیکل ذاتی اغراض اختیار کئے ہوئے ہین، اب خیال کیجیے کہ ایران مین بعہد
محمد علی شاہ کیا ہوا اور جنگ حال مین جمہوریت کے اصول نے کیا رنگ پیدا کر رکھا ہے، قبل جنگ روس
ور جرمنی اور دیگر ممالک یورپ مین شخصیت قایم تھی بجز فرانس کے وہان صرف جمہوریت پر عملدرآمد تھا،
ب سوشلسٹ فرقہ نے شخصیت کو ہنگری اور آسٹریا اور روس اور جرمنی سے اوڑا دیا ہے اور حکومت کو
ہوریت پر قایم کیا ہی، اور سمجھ مین نہین آتا کہ آیندہ کیا ہوگا شخصیت قایم ہوگی یا جمہوریت، خیر جو کچھ ہو

یہ ضرور ہی کہ قومی حکومتون مین باغراض قومی تخصیت کے پالیسیون کا شمول بھی رہا کرتا ہی، دیکھیئے اسی
ہندوستان مین کہ یہان اگرچہ قومی حکومت ہی مگر جب سے حاکم و محکوم کے درمیان قومی تصادم کا
آغاز ہوا ہی کونسلون مین شخصی دھمکیون سے کام لیا جاتا ہی جیسا کہ بجبٹ کے مباحثہ مین وزیر خزانہ نے
بیان کیا جس کا یہ منشا تھا کہ اگر یہی اختلاف رہے گا تو جدید اسکیم کے بموجب جو مراعات ہوئی ہین وہ
بھی سلب کر لی جائینگی، اس کے علاوہ بعض اور مسائل پیش شدہ مین اسی قسم کی دھمکیان دی جایا کرتی ہین،
ایسا نہ ہونا چاہیئے، نہ کونسلون مین نہ عدالتون مین جیسا کہ سیاسی ملزمون کے ساتھ ہو رہا ہی پھر جو رزو
لیوشن پیش ہو کر بکثرت آرا بحق سیاسی ملزمین وغیرہ پاس ہو جایا کرتے ہین، مثلاً بنگال کونسل مین سیاسی
ملزمین کا رزولیوشن پاس ہو گیا تھا مگر اوس کا عمل کچھ نہ ہوا بس یہی نیرنگیان وہ ہین جو بشمول تخصیت اپنی
جلوہ نمائیون سے پبلک مین حیرت انگیز منظر پیش کرتی رہتی ہین، اب ایشیا مین جو کچھ ہو رہا ہے وہ غور
طلب ہی، ہم یہ دیکھ چکے کہ ایران مین جب پارلیمنٹری اُصول کا سکہ جاری ہونا شروع ہوا تو اوس کا نوٹو
جس خط و خال کے ساتھ مسٹر شوسترنے اپنی کتاب مین کھینچکر دکھایا ہے وہ قابل دید ہی، اور تاریخ کا یہ
اُصول کہ جو آپ کرتے ہو وہ دوسرون کو بھی کرنے دو، اِس پر ایران مین کچھ بھی عمل نہ ہوا بلکہ روس نے
محمد علی شاہ کی تائید کی جس نے کہ ہم مذہب اور ہم قوم ہو کر اپنی رعایا اور اپنے پیشوایان مذہب کے ساتھ
جو بدسلوکی کی وہ سب پر ظاہر ہے اور یہ امر تو تسلیم ہو چکا ہے کہ اِس زمانہ مین نمایشی تاریخ اور ہی اور عملی
تاریخ اُس کے خلاف ہی، یہی جلوہ دوسرے ایشیائی ممالک مین دیکھا جاتا ہی کہ فاتح اور مفتوحہ قومون
مین جبکہ ایک دوسرے کے مذہب مین فرق ہی اور قومیت مین بھی اور عادات و خصائل مین بھی تو اعتباری
تاریخی صداقت جیسی کہ اپنے ہم مذہب اور ہم قوم مین ہونا چاہیئے وہ نہین ہو سکتی گر جب یہ امر تسلیم شدہ تھا
اور یہ بھی تاریخی صداقت پیش نظر تھی تو مفتوحہ رعایا کو حقوق عطا کرنے کے لیئے وعدے کیون کئے گئے اور
جب وعدے کیئے گئے تو اون کا ایفا بغیر قومی امتیاز لازمی ہی، اب وعدے تو قایم ہین مگر جب مطالبہ کیا
جاتا ہی تو فاتح قوم کے سربرآوردہ اشخاص کی جماعت مین کچھ اشخاص انصاف پسند ایسے ہین کہ وہ
وعدون کو وفا کرنا چاہتے ہین مگر اون کے قومی افراد اپنے ذاتی اغراض کے تحفظ کے واسطے اِس درجہ
غوغا کرتے ہین کہ اون کو اپنے وعدون کے ایفا کا موقع نہین مِل سکتا اور نہ یہ تاریخی صداقت قایم رہتی ہی
کہ جو کچھ آپ نے اپنے واسطے ایک وقت مین کیا تھا اوسی کو غیر قومین طلب کرتی ہین اون کو دینا چاہیئے یہ
سچ ہی اور فطرت کا مقتضا بھی یہی ہی کہ جیسا اعتبار اپنے ہم مذہب اور ہم قوم کا ہونا چاہیئے، وہ دوسری
قوم کا نہین ہی لیکن جب غیر قومین اپنا اعتبار پیدا کر دیتی ہین اور فاتح و مفتوح اقوام ایک گھر کے بھائی بن جاتی ہین

تو اون کے ساتھ وہی سلوک ہونا چاہیئے جس سے گذشتہ زمانہ کی تاریخ آگاہ کرتی ہوئی چلی آتی ہے لیکن فاتح قومین ہین کہ وہ حکومت کے نشہ مین ایسی سرشار ہین کہ وہ گذشتہ تاریخی صداقتون کو اپنے اغراض کے مقابلہ بھول بیٹھی ہین اور اون کو کچھ بھی خیال نہین رہتا کہ ہم بھی تو کسی وقت مین محکوم و مظلوم تھے، اور دنیا مین تو کوئی قوم ایسی نہین ہے کہ دعوے کرسکے کہ ہم پر کسی غیر قوم کی حکومت نہین رہی ہو اور یہ بھی تاریخ سے پتہ چلتا ہو کہ جب ایک قوم دوسری قوم کے ماتحت ہوجایا کرتی تھی تو وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتی تھی اور ناکامی کی حالت مین شور و ہنگامہ بھی ہوا کرتا تھا، اور جب وہی ماتحت اور محکوم قوم برسر حکومت ہوجایا کرتی تھی تو وہ اپنے پچھلے تاریخی واقعات کو بھول کر اب وہی حقوق اپنے سابق کے فاتح قوم کو دینا پسند نہ کرتی تھی، یہ تاریخی دور دورہ دنیا مین ہمیشہ سے قایم ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اس سے انگریزی قوم بھی مستثنیٰ نہین ہو، جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے، اور یہ تو ظاہر ہے اور اس مین کسی اعتراض کی گنجایش بھی نہین ہو کہ ہندوستان مین جو حکومتین سابق مین تھین وہ ایسی شخصیت لیئے ہوئے تھین کہ اون سے قومیت کا شیرازہ منتشر تھا اور یہ انگریزی حکومت کے برکات ہین کہ اِس سلطنت کی مختلف اقوام کا منتشر شدہ شیرازہ ایک متحدہ شیرازہ ہورہا ہے اور اس مین ذرا بھی شک نہین ہے کہ انگریزی حکومت نے ہندوستان کی تاریخ بدلدی ہو اور جہانتک ہم کو تجربہ ہے اوس کے لحاظ سے کہہ سکتے ہین کہ اِس کشیر مختلف قومون اور مذہبون کی آبادی مین شاید ہی ایسے نفوس ہون جو اپنی جہالت سے یہ چاہتے ہون کہ انگریزی حکومت اِس ملک سے اُٹھا دی جائے ورنہ کل قومون کے تعلیم یافتہ اور فہمیدہ وعقیل اشخاص کا ہرگز یہ منشا نہین ہو کہ ایک ایسی متحدہ قومی حکومت جس نے جائز آزادی اور قومیت کی روشنی پھیلا رکھی ہو وہ تو معدوم ہو اور پھر اُسی زمانہ کے دور کا آغاز ہوجائے جس نے کہ قوم کے شیرازہ کو منتشر کر رکھا تھا، پھر یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ انگریزی قوم مین صبر اور برداشت کا مادہ اِس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ اوس کی مثال دوسری قوم مین مشکل سے مل سکتی ہو، اِس لکھنے سے ہمارا یہ منشا نہین ہو کہ دنیا کی قومون مین سب اخیار ہی ہین نیک و بد تو سب قومون مین موجود ہین اور خود غرضی سے بھی کوئی قوم خالی نہین ہو، مگر حکومتون کو زیبا ہو کہ وہ اپنے قومی افراد کے نیک و بد اشخاص کے طرز عمل پر غور فرماکر انتظامی اُمور کو انجام دین تاکہ شکایات باقی نہ رہین اور ایسے خود غرضانہ قومی احکام پر عمل نہ کرین جو آیندہ چل کر شرمناک ثابت ہون، یہ تو کیا نہین جاتا بلکہ اِس کے برخلاف یورپ کی قومون مین عمل ہورہا ہے، اور یہ انگریزی قوم بھی جو یورپ کی قومون مین ایک سربرآوردہ قوم ہے اِسی کے لایق و قابل اور مورخ اراکین جو گذر گئے ہین اور اب بھی باقی ہین جیسے کہ مسٹر گلیڈاسٹن تھے اور اب لارڈ مارلے وغیرہ ہین، انھین کی

جد وجہد سے ہندوستان مین قومیت کی تخم افشانی ہوتی رہی یعنے اسی حکمران قوم نے تعلیم دے کر تمام ہندوستان مین قومی احساس پھیلا رکھا ہے اور اس وسیع ملک کی تاریخ کو تبدیل کیا ہے، اب اُس تخم افشانی کا یہ نتیجہ ضرور تھا کہ اوس مین نمو ہو اور رفتہ رفتہ نشو ونما پاکر اون مین پھول اور پھل آئین مگر جب یہ نوبت پہونچ چکی یا آیندہ پہنچنے والی ہی تو مقابلہ مین محکوم قوم کے حکمران قوم کے افراد جسقدر ہین اون کی فاتحانہ اور حاکمانہ خود غرضی ایک اور ہی تاریخی حالت پیدا کر دیتی ہی، اور فیما بین حاکم و محکوم یوماً فیوماً جھگڑے ترقی کرتے چلے جاتے ہین، جس کے نتیجہ کی نسبت کہ کیا ہوگا پیشین گوئی نہین ہوسکتی تاہم یہ کہا جاسکتا ہی کہ جبتک حکومت کی جانب سے محکوم اقوام کے مقاصد کے متعلق قابل اطمینان انتظامی اصلاحات عمل مین نہ آئینگی، یہ قومی غوغا دفع نہ ہوگا، اور کیونکر رفع ہو سکتا ہی جبکہ انگریزی قوم نے خود ہی اِس انگور کی بیل کو قایم کیا ہے اب اس کی کاٹ وچھانٹ سے کیا ہو سکتا ہی بجز اس کے کہ اب اس مین اور بھی نشو ونما ہوگا اور پھیلتی ہوئی چلی جائے گی، کیا انگریزی لائق افراد اور قابل فخر قومی لیڈر واقف نہ تھے اور کیا اب بھی واقف نہین ہین بیشک وہ جانتے تھے اور اون کے مورخ اب بھی جانتے ہین کہ زمانہ سلف مین جب شخصیت کے ساتھ مذہبی جوش وخروش زیادہ تر تھا اور کل اقوام عالم کا یہی حال تھا تو تاریخ ہی سبق دیتی ہوئی چلی آتی ہے کہ اوس وقت کی حکومتون نے اپنے دوسرے مخالف مذہبی افراد پر کیسا دباؤ ڈالا اور کیسا سخت برتاؤ کیا تھا، یہ برتاؤ اسی غایت سے تھا کہ مخالفین کی اجتماعی قوت کہین بڑھ کر ہماری حکومت سے ہم کو محروم نہ کر دے، خود اسلامی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہی کہ بغداد اور ہندوستان وغیرہ مین پولٹیکل نیرنگیون کے اثرات نے وہ کر دکھایا کہ جو اقوام پست تھین وہ بلند ہوگئین اور جن اہل مذاہب کی بیخ کنی منظور تھی اون کی بیخ کنی تو نہ ہوئی بلکہ انھون نے ترقی پاکر وہ غلبہ حاصل کیا جس کا تذکرہ تاریخون مین موجود ہی اور یہی وہ امر ہی جو پہلے شخصیت کے ساتھ مذہبی تعصب لئے ہوئے تھا اور اس زمانہ مین قومیت پر منتقل ہو کر جب سے آیا ہے اہل الرائے کی یہ رائے ہوتی جاتی ہی کہ جس طرح مسلمانون نے دنیا مین جوش مذہبی سے ترقی کی تھی اور آخر مین وہی جوش مذہبی شخصیت ونفسانیت وعصبیت اور دیگر پولٹیکل ذاتی اغراض لیکر اون کے تنزل کا باعث ہوا اوسی طرح یہ یورپ کا قومی دور جو قوم پرستی اور قومی حمایت لیکر اتحاد واتفاق کے ساتھ قایم ہوا ہے اور اقتداری سایہ قبول کیئے ہوئے ہی جس کی وجہ سے اون کا تو ایک قومی راگ ضرور ہی مگر غیر اقوام کے مقابلہ مین اوس راگ سے یا اون راگنیان محض حکمران اقوام کی قومیت کی وجہ سے پھوٹ رہی ہین اور یہ خیال کیا جاتا ہی کہ اگر مساوی حقوق پر لحاظ نہ کیا گیا اور اصلاحات نہ ہوئین تو کہین ایسا نہو کہ

تاریخ جو سبق دوسری قومون کو دے چکی ہے وہ موجودہ حکمران قومون کو بھی دے یعنے قوم نے اون کے حکومتی اقتدار کو قایم کیا ہو اور قوم ہی اون کے تنزل کا باعث ہوجائے اور یہ خیال کرنا سخت غلطی ہو کہ دنیا ہماری پیدا کی ہوئے ہے ہم ہی ہمیشہ اس پر قابض ومتصرف رہینگے بلکہ اس خیال کو تاریخ نے اور الہام نے ثابت کر رکھا ہو کہ دنیا کی ہر شے فانی ہو بجز ذات پروردگار عالم کے کہ اوسی کو بقا اور قیام ہے اور یہی مطلب اوس شعر کا ہی جو قلعہ گولکنڈہ کے بالا حصار والی توپ پر کندہ ہے جس کو عالمگیر کے زمانہ مین پہاڑ پر چڑھا کر قایم کیا گیا تھا،

ہر کہ آمد بجہان اہل فنا خواہد بود آنکہ پاینده و باقی ست خدا خواہد بود

اس سے حکومتین بھی نہ کبھی مستثنی تھین اور نہ اب ہوسکتی ہین اور نہ کبھی مستثنی ہونگی اور یہ زمانہ اگرچہ قومی تاریخی اغراض کا زمانہ ہو جو اس سے پیشتر کبھی نہ تھا اور یہ کب اور کہان تھا کہ جس حدتک قومون مین تعلیم کی ترقی ہر شعبہ مین ہوتی جاتی ہو اوس حدتک تعلیم یافتہ قومون مین رشک وحسد بڑھتا جاتا ہے اور یہ بھی ہو رہا ہے کہ عقلمند قومون مین ایک سے دوسری قوم متحد نہین ہوسکتی بلکہ تجارتی وملکی اغراض اون کی تاریخی حالت کو بدلتے رہتے ہین اور وہی اُمور پیش آتے رہتے ہین جو یکے بعد دیگرے دوستون مین دیکھے جاتے ہین کہ جہان تقدم اغراض کا خیال ایک دوست نے دوسرے سے کیا بس برسون کا اتحاد جاتا رہتا ہے، یہی ان قومون کا حال ہے کہ ظاہر مین دوست نظر آتی ہین مگر باطن مین اون کے اغراض اون کو دشمن بنائے ہوئے ہین اور ایک دوسرے پر اعتبار جیسا کہ چاہیئے قایم ہونے نہین پاتا، اور کیونکر تا ہم ہو ان کی تہذیب اور اون کی تمدنی اور پولٹیکل خود غرضی اور خود نمائی جب اون کو ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہو کیا خوب شہنشاہ بابر نے اپنے توزک مین فرمایا ہو کہ "بادشاہی را خویشی نمی زیبد" یعنے حکومت مین عزیزداری اور رشتہ کا خیال نہ کبھی تھا اور نہ آج ہو اور کیون ہو، کہین تاریخ آیندہ اور گذشتہ حالات مین فرق پیدا ہونے دیتی ہی، جو پہلے انسانی جماعتون کے صاحب حکومت کرتے رہے ہین وہ آج بھی قومی افراد کر رہے ہین، اور ان تمام حالات وواقعات کی تائید وتصدیق حال کی عظیم الشان جنگ سے ہوتی ہے، اس جنگ مین قومی اغراض نے نہ مذہب کا خیال کیا اور نہ رشتہ وقرابت کا، بلکہ قومی اغراض کے حصول کے واسطے لاکھون آدمیون کی جانون کا زیان ہوا اور مالی نقصان تو اس درجہ ہوا کہ حیطۂ تحریر وتقریر سے خارج ہو اور یہ نیرنگی اس قومی زمانہ کی نہین ہے بلکہ شخصی دور ودورہ مین بھی اس قسم کی نیرنگیان دیکھنے والے دیکھ چکے ہین دیکھئے ملکداری اور ملک گیری کی طمع سے بابر کے بھائیون نے بابر کے ساتھ کیسا خلاف برتاؤ کیا تھا پھر عالمگیر نے اپنے باپ کے

ساتھ کیا کیا اور اپنے بھائیون کے ساتھ اوس کا برتاؤ کیسا سفاکانہ تھا، پھر عالمگیر کے لڑکون مین
کیا ہوتا رہا، یہ ہی مختلف یورپی اقوام کی تاریخ اور اون سے پیشتر شخصی سلاطین کی حالت اور اون کی
محکوم غیر اقوام کے حالات گذشتہ وموجودہ وآیندہ کے مقابلہ کرنے سے تاریخ یہ نتیجہ ضرور پیدا کر رہی ہے کہ مفتوحہ
ومحکوم اقوام پر جس درجہ بصورت مطالبہ حقوق تشدد کیا جائے وہی ان کے حق مین مفید ہے کیونکہ یہ ایک قوی
ذریعہ قومی اتحاد واتفاق کا ہے، اور ایسا پہلے بھی ہوچکا ہے، اور جو پہلے ہوچکا ہے وہی اب بھی ہونے والا ہے
اور یہ تو تسلیم ہوچکا ہے کہ دنیا پہلے غریبون کے دست قدرت مین تھی رفتہ رفتہ اُن غریبون مین سرداری
اور سیادت قایم ہوئی اور پھر بادشاہت اور حکومت۔ اور مختلف ممالک کے باشندون مین قومیت بھی
جب یہ سب کچھ ہوچکا تو قومون کے سردارون مین اپنی اپنی ترقی کا خیال پیدا ہوا اور ملک داری و
ملک گیری کے اغراض وحاجات نے یہانتک ترقی کی کہ اقوام عالم کا مجموعہ درہم وبرہم ہوتا ہی رہا،
اور امارت وحکومت کے غلبہ نے اس درجہ عروج پکڑا کہ غریب رعایا کے حقوق کا خیال جیسا کہ چاہیے
نہ تھا، حالانکہ جو صاحب حکومت تھے وہ بھی ایک وقت مین غریب تھے، اور گردش ایام سے غریب ہو
جایا کرتے ہین۔ مگر انھون نے اپنی تاریخی حالت کو امارت وحکومت کے پیرایہ مین تبدیل کر رکھا ہے اور اپنی
غریبی کی تاریخ کو بھلا دیا ہے اور انفرادی اور قومی مفاد کے مقابلہ مین اون کو مطلق خیال نہین ہے
کہ غریب محکوم اقوام کے بھی کچھ حقوق اون کے ذمہ ہین۔ اور اون کو یہ بھی خیال نہین ہے کہ توریت مین جو
الہامی اور سب سے پرانی تاریخ بنی اسرائیل کی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کیا وحی آتری تھی یہ وحی
وہ ہے جس مین آپ کو آگاہ کیا گیا ہے کہ اپنے زیر سیادت بنی اسرائیل سے کہدین کہ غریبون کو نہ ستانا اور
نہ اون کو ایذا دینا اس واسطے کہ تم بھی مصر مین ایک وقت غریب تھے ؎

یاد تھین اون کو بھی رنگارنگ بزم آرائیان ۔۔۔ لیکن اب نقش ونگار طاق نسیان ہوگئین

اور یہ الہام بھی اوسی تاریخی صداقت کے مطابق ہے کہ ہر انسان افلاس اور غربت کی حالت مین خدا اور
اپنے رسول اور ہادیون کو خوب یاد کرتا ہے اور اپنے عروج اور ترقی کی دعائین کرتا رہتا ہے مگر جب بڑھکر صاحب
ثروت اور صاحب حکومت ہوجاتا ہے تو جن وسائل سے وہ اس درجہ پر پہونچتا ہے اون کو بھول جاتا ہے اور
یہ بھولنا ایسا ہے کہ وہی اوس کی امارت کی تاریخ کو پھر غربت اور افلاس کی حالت پر منتقل کر دیتا ہے اسی سے
کہا جاتا ہے کہ خدا غریب سے امیر کرے امیر سے غریب نہ کرے یہ کہتے بھی رہتے ہین مگر اون کی تاریخ ہے کہ وہ
ہمیشہ یونہین رہی ہے اور یونہین رہیگی،

یہ بھی قابل بیان ہے کہ اقوام یورپ کے افراد جن مین انگلستان اور فرانس اور جرمنی اور اٹلی کی

قومون کو شریک کیا جاتا ہے اور امریکن غیر یورپ بھی شامل ہین، اپنی اپنی کونسلون اور پارلیمنٹون مین پولٹیکل وغیرہ اُمور کے متعلق تہذیب و شایستگی کے ساتھ بغیر شمول ذاتیات بغرض اصلاحات انتظامی بحث ومباحثہ وقیل وقال کرتی رہتی ہین، مگر جب کثرت رائے ہوجایا کرتی ہے وہ متفق الکلمہ ہوجایا کرتی ہین اور یہ تو اون کے قومی خصائص مین داخل ہے کہ جب باہم ایک دوسری حکومت سے جنگ ہوتی ہے تو آزادی مین بھی اور مجبوری مین بھی جہان کہین اور جس ملک مین بھی ہوتے ہین اپنی ہی قوم کی حمایت مین سرگرمی کا اظہار کیا کرتے ہین یہانتک کہ مفتوحہ نوآبادیات مین جن لوگون نے مذہب عیسوی اختیار کرلیا ہے اون پر اگرچہ قومیت کا اطلاق نہین ہوتا تاہم وہ مذہبی پیرایہ مین قومیت کا بیجا اثر لیکر اپنے فاتح عیسائی قومونکا دم بھرتے رہتے ہین، اور یورپ مین تو قومیت کا جوش وخروش اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ شکست خوردہ قوم کا ملک دوسری قوم فتح کرکے وہان حکمران نہین ہوسکتی اور یہی وہ عقدہ ہے جس کو اس زمانہ کی قومی تاریخ نے حل کردیا ہے کہ یورپ کی قومی آب وہوا کبھی ایک قوم کی حکومت دوسری قوم پر قایم نہ ہونے دیگی اور اسی کا یہ بھی اثر ہے کہ یورپ کے مختلف ممالک جن کا ذکر کیا گیا ہے اون کے قومی صفات ایسے ہین کہ اون کی کونسلون مین کوئی ممبر ایسا نہین ہے کہ اپنے وطن اور قومی حقوق کے مقابلہ مین کبھی دوسری قومون کے حقوق کی تائید کرتا ہو یا دوسری قوم سے سازش کرکے یا رشوت لیکر اپنی قوم کے خلاف جنگ کرتا ہو، بخلاف اس کے ایشیا مین اور یورپ کی سلطنت ترکی مین بھی جہان صدہا سال سے ترک حکمران ہین ایسے عمدہ قومی خصائل کا نام ونشان پایا نہین جاتا، اور جب اس امر پر غور کیا جاتا ہے کہ اقصائے مشرق مین جاپان جو چند جزائر کی ایک سلطنت مشہور ہے اوس مین تو وہ قومی صفات آگئے ہین جو دوسرے ممالک یورپ مین ہین اور صنعت وحرفت مین بھی وہ ملک مشہور ہورہا ہے، مگر ترکی جو صدہا برس سے گویا یورپ مین حکمران ہے وہ ان تمامی صفات سے معرا ہے، یعنے نہ اوس مین وہ قومیت ہے اور نہ ابھی تک علوم وفنون مین اوس نے کوئی ایسی ترقی کی ہے کہ اوس کا شمار اون قومون مین ہو جن کا شمار زمانہ مین ہورہا ہے، کہتے ہین کہ ترکی کو یہ قومی درجہ اس وجہ سے حاصل نہین ہوا کہ ایک زمانہ ایسا تھا جسمین مسلمانون اور عیسائیون مین خونریز جنگ وجدل ہوچکی تھی، جب عیسائی قومون کو ترقی ہوئی تو اونھون نے ترکی مسلمانون کے خلاف جنگ وجدل شروع کی اور ترکون کو چین نہ لینے دیا کہ وہ اطمینان حاصل کرکے اپنے یہان وہ اسباب مہیا کرتے جو دوسری قومین حاصل کرکے ترقی یاب ہوئی ہین، اب خیال کرنا چاہیئے کہ ترکون کی تاریخ تو وہی رہی جو سابق مین تھی اور پابند عیسوی مذہب اقوام کی تاریخ نے اون کا مرتبہ بلند کردیا، اور ان کو پست یعنے یہ بدستور کاشتکارانہ ملک رہا اور تجارت مین محتاج، اون ملکون کا بھی جہان کے باشندے ایک مدت

گذر چکی ہے جب ان کے خلاف ہو چکے تھے اونھون نے اپنی تاریخ کو ہر طرح تبدیل کر لیا ہے اور زمانہ کا یہ قاعدہ ہے
کہ پہلے جو ملک گمنام ہوتے ہین وہ اپنی ترقی سے تاریخی ملک ہو جایا کرتے ہین۔ یورپ مین بھی ایسے ملک تھے اور
اب بھی ہین کہ اون کو کوئی جانتا بھی نہ تھا لیکن اب اون کا شہرہ قومی عروج و اقتدار کی بدولت دنیا مین
ہو رہا ہے، مثلاً انگلستان وغیرہ ممالک ہین کہ ایک زمانہ مین انکا شمار تاریخی ممالک مین نہ تھا مگر اب اپنی
اولی العزمانہ قومی ترقی سے وہ دنیا مین تاریخی ممالک قرار پاگئے ہین اور ایشیا مین افغانستان کو دیکھئے
کہ سیاح ابن بطوطہ جب پانچسو برس کم وبیش ہوتے ہین کابل گیا تھا تو کوہ سلیمان مین افغانی قوم کی سکونت
تھی اور وہین انکا ایک ملک یعنی شاہ یا سردار رہتا تھا، اوس سیاح کے نزدیک یہ افغان عجمی ہین،
اور اوس زمانہ مین لوٹ مار کیا کرتے تھے، اس زمانہ مین اگر یہ سیاح افغانستان کا سفر کرتا تو دیکھ لیتا کہ صدیون
تک جو ملک و قوم دوسرے بادشاہون کی ماتحت رہی اوس نے اپنی قومی جنگ جدل کی پوزیشن سے
لڑ بھڑ کر کس طرح پر آزادی کے ساتھ شاہانہ مرتبہ حاصل کر لیا ہے اور ایک تاریخی ملک ہو گیا ہے، اور
دوسرے سرحدی اُمرا کی تاریخ جیسی تھی ویسی ہی رہی، یعنے کشمیر و افغانستان کا سیاسی اقتدار ما بہ
الامتیاز ہے پھر خیال ہونا چاہیئے کہ انگریزی قوم اپنے مخالف بہادرون کی بڑی قدر کرنے والی ہے،
ایوب خان نے میوند مین انگریزون پر حملہ کر کے سخت جنگ کی جب انگریزون کی پناہ مین آئے تو اون کی
خاطر و مدارات بے انتہا ہوئی، اب غور تو کیجیئے کہ ایک زمانہ تھا جب ملک گیری کے واسطے باہم قومون مین
لڑائیان ہوا کرتی تھین، اب زمانہ نے اوس تاریخی ورق کو اُلٹ دیا ہے اور باغراض تجارت بھی جنگ
ہوتی رہتی ہے، یہ حالت تو یورپ کی قومون کی ہے، مگر ایشیا کی مختلف قومون کی تاریخ مین ابھی تک وہی اصلاح
طلب شخصیت قایم ہے جو پہلے تھی، اور یورپ کی قومی تاریخ کا اثر جس درجہ اُنھون نے قبول کر رکھا ہے
وہ ایک عجیب اثر ہے، یعنے یورپ کی قومون کا لباس اور ایک دوسری قسم کی تقلید جس سے قومیت تو
پیدا نہین ہوتی بلکہ ظاہری نمایش ہے جو ہرگز ان کو اوس قومیت کے مدارج پر پہونچانے والی نہین ہے،
اور نہ اون اسباب مین داخل ہے جو یورپ کی قومون کے ترقی کے اسباب تاریخون مین درج ہین،
مگر یورپ مین بھی تو ایک زمانہ یہی تھا رفتہ رفتہ اوس خطہ کے باشندون نے یہ ترقی حاصل کی ہے، اب ایشیا
کے ممالک مین بھی قومی شور و شر بلند ہو رہا ہے، یہ بھی ایک زمانہ مین اپنی شخصیت کی تاریخ قومیت مین ضرور
تبدیل کرینگے، اور اگرچہ لباس قومیت کی ایک دلیل ہے مگر ایسا لباس دلیل نہین ہو سکتا، جس کو کہ افرادی
حالت مین ہندوستانی اختیار کیئے ہوئے ہین اور جن کا لباس قومی ہے اون کے اور عمدہ صفات قومی کو ترک
کر رکھا ہے، کیا خوب فقرہ لارڈ رپن سابق ویسرائے ہند نے ایک دربار مین جس مین کہ اینگلو انڈین

اور معززین ہندوستانی شریک تھے اپنی اسپیچ مین فرمایا تھا کہ "تنہا لباس سے کوئی جنٹلمین نہین ہوسکتا" یہ فقرہ ہندوستانیون اور انگریزون کو سنایا گیا تھا جس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صرف لباس سے کوئی قوم قوم نہین ہوسکتی تاوقتیکہ نیک قومی سیرتون کو اختیار کیئے ہوئے نہو، اب سوال یہ ہو کہ دنیا مین سلف گورنمنٹ یا جمہوریت قایم رہیگی جس کو مجملاً بیان کر چکے ہین یا شخصیت کا پھر اعادہ ہوگا، درحقیقت شخصیت مین یہ خوبی ہے کہ تمام قوم پر ایک ہی سیادت کا حکم جاری ہوتا ہے اور قومی حکومتون مین جملہ قومی افراد کے بلحاظ حیثیت قومی حکومت کا اثر ہوتا ہے، اور کل افراد اپنے اپنے مقام پر آزاد حاکم ہوکر رہجاتے ہین اور بجز اپنے اغراض ومفاد کے دوسری قوم کے اغراض کا اونھین کچھ بھی خیال نہین رہتا اور سب سے بڑھکر یہ سبب ہے کہ قوم کا ہر فرد اپنے حکومتی غرہ مین جو چاہتا ہے کرگذرتا ہے، اور اون کے بالادست افسر اوس کے عیوب کو مخفی رکھنے مین کوشان رہتے ہین بمقابلہ مفتوحہ اقوام کے اور یہ مخفی رکھنا اسیواسطے ہے اور ایک دوسرے کی تائید کرنا اسی بہت سے کہ جو کام کیا گیا ہے اوس کی اگر تائید اور حمایت نہ کی جائے گی تو غیر اقوام کے اوحوصلہ بڑھ جائینگے، مگر ایک جائز آزادی جو عطا کر رکھی ہے وہ اس سے پیشتر شخصیت مین کبھی نہ تھی اور نہ متحدہ قومون کی تعلیمی ترقی - اس سے غیر اقوام لیاقت وقابلیت پیدا کرکے مقابلہ پر اُٹھ کھڑی ہوتی ہین اور جب حکام اعلیٰ داوقی اون کے مقابلہ مین عاجز آجاتے ہین تو مجبوراً وہ جواب دے بیٹھتے ہین جو مضحکہ انگیز ضرور ہوتا ہے، اور یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ جب فاتح ومفتوح اقوام مین حقوق کی بحث پیش آجاتی ہو تو اعلیٰ سے اعلیٰ افسر یہ کہدیا کرتے ہین کہ ہم حیران ہین کہ کیا کرین کیا نہ کرین اگر ایک قوم کے خلاف کرتے ہین تو دوسری قوم ناراض ہوجاتی ہو، یہ کہنے کو تو کہدیا جاتا ہے مگر ایسا بیان قومی حمایتی پہلو ضرور لیئے ہوئے رہتا ہے، اور اب یہ تمام قومی جھگڑے دنیا مین اوس درجہ پر پہونچ چکے ہین اور پہونچ رہے ہین کہ کچھ بنائے نہین بنتا بجز اس کے کہ نمایشی قومیت کے مخملی جبہ سے درگذر کرکے بعالم مجبوری ادنی شخصی آہنی جبہ سے کام لیا جارہا ہے جو شخصیت کے زمانہ مین تھا، مثلاً اس زمانہ مین ہندوستان مین اگرچہ قومی حکومت ہو مگر قومی اور مذہبی اور ملکی مباحثات ایسے ہورہے ہین کہ گورنمنٹ کو اندیشہ ہوگیا ہے کہ کہین حکومت نہ بدلدی جائے اس خیال سے سخت سے سخت سزا کی جاتی ہین، جیسا کہ شخصی بادشاہون کے زمانہ مین تھا مگر نرمی کے ساتھ جس طور پر عمل ہورہا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی ملزم متعلق بخلافت وسوراج رہا نہین کیا جاتا تاوقتیکہ طالب معافی نہ ہو اور جو قید ہوجاتے ہین اون قیدیون سے کبھی نرم اور کبھی سخت کام لیا جاتا ہے، مگر انگلستان مین ایسے سیاسی قیدیون سے مشقت نہین لیجاتی یہی طرز عمل یہان بھی ہونا چاہیئے، لیکن افسوس ہے کہ اس پر توجہ نہین کی گئی گویا یہ بھی ایک امتیازی

تاریخ ہی کہ گورنمنٹ ایک ہی قوم کے ہاتھ مین مگر سیاسی قیدیون کی تاریخ علیحدہ علیحدہ ہو کر رہ گئی ہے پھر طرہ یہ ہے کہ صوبجات مین مختلف عمل ہو رہا ہے یعنے ممالک متحدہ مین ایک اعلیٰ جوڈیشل عہدہ دار مقرر کئے گئے تھے کہ وہ امثلہ ملاحظہ کر کے خود بھی بری کرین اور رپورٹ کرین کہ کون سے قیدی ایسے ہین کہ اون کو خلاف قانون سزا دی گئی ہی اون مین بری بھی ہو گئے ہین آیندہ شاید بری بھی ہون، اور یہ بھی قابل غور ہے کہ قانون ایک اور جرائم کی نوعیت بھی متحد اور سزاؤن کی نوعیت مین بھی بڑا فرق نہین ہی اور مجسٹریٹون کے عمل مین بھی مگر قیدی بری بھی ہو رہے ہین اور قید بھی ہین اور جیلخانون کی سختیون کی شکایت بھی ہو رہی ہی اور منجانب گورنمنٹ اون شکایات کی تکذیب بھی کیجاتی ہے اب ایسی ہی شخصیت کی تاریخ شہادت دیتی ہوئی چلی آتی ہی، مگر یہ عمل جو دنیا مین دیکھا جاتا ہے وہ دلون کی تسخیر و تالیف قلوب کا سبب نہین ہی بلکہ عارضی سکون سا ہو جایا کرتا ہے، عمل وہی اچھا اور قرین عقل ہی جو یکطرفہ نہ ہو اور دوامی ہر دل عزیزی کا باعث ہو، جیسا کہ حافظ شیرازی فرما گئے ہین ؎

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف ست — با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

اِس کے علاوہ یورپ کی قومون کی موجودہ تاریخ مین مادہ پرستی زیادہ ترقی کئے ہوئے ہے اور روحانیات مین زیادہ انحطاط ہوتا جاتا ہے اور جس طرف دیکھیے تدہر پھیلتا جاتا ہی اور خدا اور اوس کے رسولون کی تاریخی تعلیم و تلقین کی بالکل پروا نہین ہی اور بقا و فنا کا سلسلہ جو قدرت نے قایم کر رکھا ہی اوس کے اثرات کی عدم قبولیت نے اونکو اس درجہ پر پہونچا رکھا ہے کہ اون کے بیان کردہ واقعات خواہ رزم کے متعلق ہون یا بزم کے اون مین رنگ آمیزی مبالغہ کے ساتھ اس درجہ کیجاتی ہے اور فقرات و الفاظ گڑھکر اور تلاش کر کے اپنے قابو مین کر لئے ہین کہ سمجھ مین نہین آسکتا کہ اونکے دلون مین کیا ہی اور ظاہر کیا کرتے ہین مثلاً مصر مین بدوران جنگ ایک مسلمان افسر نے اپنے جنرل سے کہا کہ آپ کچھ لکھتے ہین اور اونھین واقعات کو اخبار والے کچھ چھاپ کر شائع کیا کرتے ہین اوس جنرل نے کہا کہ ہم جو سچ ہوتا ہی وہی لکھتے رہتے ہین اب کاٹ کوٹ کر اخبارون مین نہین معلوم کیا شایع کرایا جاتا ہے -

جب یہ بیانات جو روحانی تعلیم سے معرا ہوتے ہین ممالک مفتوحہ مین شایع کئے جاتے ہین تو اون کا اثر شایع کرنے اور بیان کرنے والون کے نزدیک بلحاظ قومیت درست و راست ضرور ہو گا مگر جن کے واسطے ایسے بیانات ہوتے ہین وہ کہتے ہین کہ ہم نے کچھ اور دیکھا اور سُنا ہے اور یہ واقعات اوس کے بالکل خلاف ہین اور یہ بھی کہتے ہین کہ "گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" جو اس فقرہ کے ہم مفہوم ہے کہ ہم جانتے سب کچھ ہین مگر کچھ نہ اوس حقیقت کو لکھ سکتے ہین اور نہ کہہ سکتے ہین اور یہ بھی لایق لحاظ ہے کہ حاکم و محکوم کی اخبارون مین

تاریخون مین قومیت کا چرچا پھیلا ہوا ہی ایک دوسرے کو جھوٹا قرار دیا کرتا ہے اور جب حکام وقت قوی تائید فرماتے ہین تو اور بھی نزاع بڑھ جاتی ہی - اور چونکہ دنیا واقعات پرست اور صرف واقعات کے دیکھنے والی ہی نہ کہ فلسفہ تاریخ کو کہ اس کے جاننے والے بہت کم ہین اور رنگ آمیزی سے واقعاتی حقیقت بدل جایا کرتی ہی لہذا اس مقولہ پر جو ضرب المثل کے حکم مین ہے کہ ایک جھوٹے سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ جو جھوٹ بولا کرتے ہین اس سے کبھی آپ کو کچھ فائدہ بھی ہوا ہی، اوس نے جواب دیا کہ اور تو کچھ فائدہ نہین ہوا بجز اس فائدہ کے کہ اب جو مین سچ بولتا ہون تو وہ بھی جھوٹ سمجھا جاتا ہے، عمل ہو رہا ہے، حالانکہ دروغ مصلحت آمیز ایک ایسا فلسفیانہ مقولہ ہی کہ اوس کا استعمال ومصرف اون ممالک اور قومون کے واسطے ضروری ہی جن کو فتح کیا جاتا ہی اور جن پر حکومت کی جاتی ہی اور یہ بھی ہے کہ ایسی قومون مین وہ کیون راست راست بے کم وکاست واقعات شایع کیا کرین جو ان قومون کی دلچسپی کا باعث تو ہین مگر تحفظ سلطنت کے خلاف ہین اور خلل اندازی کا اندیشہ ہی، اگرچہ اس وجہ کے معقول ہونے مین کلام نہین ہی، اور یہ فطرتاً تمام قومون کا خاصہ ہی کہ وہ اپنی شیخی کے سوا اوس بات کو کبھی صاف صاف نہ بیان کرینگی جو اون کی تذلیل وتحقیر کا سبب ہی تاہم اس کا کیا علاج ہی کہ اقوام یورپ کے بعض مفتوحہ ومقبوضہ ممالک ایسے ہین جن مین ہندوستان بھی داخل ہے کہ یہان کے باشندے اپنی وجدانی قوت سے واقعات سے نتایج پیدا کرکے ایک ایسا قیاس قایم کر لیتے ہین جس کی تایید کے لیئے واقعات تو مخفی کر دیئے جاتے ہین بلا واقعاتی ثبوت کے رفتہ رفتہ وہی امور ظاہر ہو جایا کرتے ہین جو اون کے قیاس کے مطابق ہوتے ہین اس کی تایید وتصدیق قریب قریب اوس بیان سے بھی ہوتی ہی جو لارڈ لارنس صاحب بہادر نے ہندوون اور مسلمانون کے ایک مذہبی جھگڑے کے تصفیہ کے وقت کیا ہے جیسا کہ آپ کی سوانح عمری مین درج ہی کہ باشندگان ہندوستان سے بڑھ کر کوئی ملک ایسا نہین ہی جہان کے باشندون کا ایسا وجدان ہو کہ اوس کی وجہ سے وہ ایک ایسے مقدمہ کے تصفیہ کو دریافت کر لیتے ہون جس کا ذکر کسی سے نہین کیا گیا اگر ایک فریق نے سمجھ لیا کہ اوسی کے حق مین تصفیہ ہوگا، اور پھر تصفیہ بھی اوس کے حق مین مین نے کر دیا، درحقیقت یہ سبقت وفضیلت جو ہندوستانیون کو حاصل ہی وہ کسی قوم کو حاصل نہین ہی، اور جب یہ ہی تو اون سے کوئی بات مخفی نہین رہ سکتی،

پھر یہ بھی ہی کہ دنیا مین غرض کی دوستی اور غرض کی دشمنی ہے اور یہ دنیا وہ ہے کہ نہ کسی سے رشتہ رکھتی ہی نہ قرابت، اسکی تاریخ برابر بتاتی ہوئی چلی آتی ہی کہ شخصیت مین بھی اور قومیت مین بھی کبھی دوست دشمن ہو جاتا ہے اور کبھی دہی دشمن دوست، اور دوست کا دوست اور دشمن کا دوست دشمن قرار پایا ہوا ہے، اور یہ بھی تاریخ نے سبق دے رکھا ہے کہ عالم اتحاد واتفاق مین جو قومین ہین کہ ایک دوسری کی

قبایح وعیوب کو چھپاتی رہتی ہین اور تعریف وتوصیف مین رطب اللسان۔ مگر جہان وہی دوست دشمن
ہوگیا پھر کیا تھا اوس کے تمام صفات سلب ہوکر رہ جاتے ہین اور دنیا مین جس درجہ برائیان اور خرابیان
ہین وہ سب اوس کی جانب منسوب کی جاتی ہین۔ حال کی جنگ یورپ نے اس تاریخ کو اس طرح پر دہرایا ہے
کہ اب اس مین کسی کو قیل وقال کا موقع نہین رہا ہے اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہی کہ حاجت وضرورت وغرض
کے مقابلہ مین نہ شخصیت نے کبھی اپنی پوزیشن واعزاز کو قایم رکھا ہے اور نہ قومیت مین اس پر لحاظ رہتا ہی،
اسی کے ساتھ یہ بیان بھی کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ مین جب شخصیت کا دور دورہ تھا تو ایک ہی سیادت
کے زیر حکم صلح وجنگ وغیرہ رہتی تھی، مگر اس زمانہ مین یورپ مین جو قومی نشوونما ہوا ہے اوس سے وہ
شخصی سیادت تقسیم ہوکر قوم پر بھی آگئی ہے اور قوم کا ہر فرد اپنے کو حکومت مین شریک سمجھتا ہے اور یورپ
کی قومیت مین جمہوریت بھی ہے اور شخصیت بھی، یعنے ایسی حکومتین ہین جو شخصیت کے ساتھ قومیت لیئے
ہوئے ہین جیسے روس وجرمنی اور آسٹریا کی حکومت تھی، ان حکومتون کی دوست ہوکر جن قومون نے
جنگ کی وہ شرکت کے وقت ہرگز یہ نہ سمجھی یقین کہ شخصی اقتدار کے وقت جو معاہدات وقول وقرار
درمیان مین ہوئے ہین وہ بعد طول وطویل تائیدی جنگ کے چشم زدن مین درہم وبرہم ہوکر رہ جائینگے،
یعنے اتحادیون سے روس علیحدہ ہوگئے، اور ٹرکی سے جرمنی۔ اور یہ اس سبب سے ہوا کہ اتحادیون کے دوست
زار جو روس کے شہنشاہ تھے اون کو اون کی قوم نے معزول کردیا، اور دوسری جانب اسٹریا اور جرمنی کی
شہنشاہی جاتی رہی، پس یورپ کی موجودہ تاریخ کا یہ سبق یاد رکھنا چاہیئے اور آیندہ دھوکا نہ کھانا چاہیے
اور ہوشیار ہوکر شخصیت کے زمانہ مین جو معاہدات وغیرہ ہون اون مین قومی طاقت کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے
اس واسطے کہ یہی طاقت جو چاہتی ہی کرگذرتی ہی،

انسانی اغراض، انسانی جذبات مین ایک بہت بڑا جذبہ خودغرضی کا ہے جس کا مختصر تذکرہ اوپر کیا گیا ہی
اور یہ جذبہ ایسا ہے جو انسانی تاریخ کو ہمیشہ سے بدلتا ہوا چلا آتا ہے اور انسان کی حالت یہ ہے کہ اوسکی
پیدایش وممات ایک طرح پر واقع ہوئی ہی اس صداقت سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا مگر اس قسم کے
جذبات کیا پیدایش کے وقت وہ اپنے ساتھ لاتا ہے یا دنیا مین آکر وہ اپنے دوران حیات مین اپنے
ہم جنسون سے سبق لیکر اپنے ذاتی اغراض کا پابند ہوکر رہ جاتا ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی بشر گدا سے لیکر
بادشاہ تک اغراض سے خالی نہین ہے قطع نظر اس امر کے کہ انسان کی خلقت کے ساتھ ساتھ یہ جذبات
دنیا مین آتے ہین یا نہین مگر انسان کی تاریخ بتاتی ہوئی چلی آتی ہی کہ دنیا کی تاریخ جس حد تک اغراض کے
متعلق ہی بس اسی پر دار ومدار دنیاوی ومذہبی تاریخ کا ہے اور یہ بات جو ہم نے بیان کی ہے کہ

پیدائش کے وقت انسان ساتھ لاتا ہی آیا، اوس کو ایک شاعر بھی نظم کر گیا ہی، اِس مفہوم کے ساتھ کہ جب انسان عدم مین تھا اور پھر پیدا ہوا تب بھی اوس کی ایک غرض تلاش یار کی تھی اور جب مر گیا تو محشر مین اوس سے اہل محشر نے پوچھا اوس کے جواب مین اوس نے یہی کہا سه

نہ پوچھو اہل محشر ہم سے دیوانون کی بیتابی یہان مجمع سُنا یان بھی تلاش یار مین آئے[1]

اب تمام انسانی طبقات اپنے معاملات مین منہمک باغراض ہین یہانتک کہ ہر جنگ و صلح بھی اغراض سے وابستہ ہوتی ہے اور پولیٹیکل معاملات مین بھی اغراض کا رنگ پھیلا ہوا نظر آتا ہی، اور یہ اغراض ہی کی نیرنگیان ہین جو انسانی جماعت کو حق پرست اور باطل پرست بنائے ہوئے ہین، صرف دنیاوی اُمور مین نہین بلکہ دینی اُمور بھی اغراض سے خالی نہین ہین، اور یہ بھی اغراض کی نیرنگیان ہین کہ جب ہمایون بادشاہ نے ہندوستان سے بجانب ایران فرار اختیار کیا تو اون پر بلوچستان کے دشت مین تشنگی کا غلبہ زیادہ ہوا، اتفاق سے اُسی مقام پر ایرانی سوداگر ایران سے ہندوستان ہمایون کے پاس آتا تھا اِس واسطے کہ ایک وقت یہی تاجر ہمایون کی سرکار مین اپنا بہت سامال تجارت فروخت کر گیا تھا اوس کا روپیہ باقی رہ گیا تھا اوس کے حصول کی غرض سے وہ آرہا تھا ہمایون نے اوس سے کہا کہ مین پیاسا بہت ہون تمھارے پاس اگر پانی ہو تو مجکو پلادو اوس نے کہا کہ مین اپنا روپیہ حاصل کرنے کے واسطے آپ ہی کی خدمت مین جاتا تھا اور یہ بھی سمجھا کہ یہ پریشان ہو کر بھاگ رہے ہین اب میرا روپیہ کس طرح پر حاصل ہوگا، سوداگر نے کہا کہ پانی حاضر ہے میرا روپیہ ملجائے، ہمایون نے روپیہ دلوا دیا اور پانی حاصل کر لیا، اِس طرح پر دونون کے اغراض حاصل ہوگئے اس کے علاوہ یہ بھی ہوا ہے کہ جب ہمایون ڈوبنے لگا تو ایک سقہ نے اِس غرض سے کہ یہ بادشاہ ہے اس کو نکال لیا، ہمایون نے اوسکو تین روز کی بادشاہت عطا کردی اور اوس کا چمڑہ کا سکہ اتنے عرصہ مین جاری رہا، اب گذشتہ جنگ یورپ پر اگر نظر کی جائے تو ہر شخص کو معلوم ہو سکتا ہے کہ بظاہر متحدین متحد الاغراض تھے مگر باطناً مختلف الاغراض۔ یعنے روس کی غرض سرویہ کی حفاظت تھی اور فرانس کی غرض انتقام لینا تھا، انگلستان کی غرض یہ تھی کہ اگر اب فرانس پر جرمنی کا قبضہ ہوگیا تو ہماری خیر نہین ہے، وہ انگلستان پر بعد اس کے حملہ ضرور کرے گا، پھر فیما بین دولتین رشک و حسد کی بجلی بھی دلون مین چمک رہی تھی، اور یہی واقعات ایسے ہین جو پہلے اخبار تھے اور اب تاریخی واقعات ہو کر رہ گئے ہین جن سے ہر مؤرخ کو یہ نتیجہ پیدا کرنا چاہیئے کہ اگر ابتدا مین عظیم فوجی سلطنت روس جرمنی سے بسر جنگ نہ ہوتی تو معلوم نہین کہ کیا سے کیا ہو جاتا، پس آغاز جنگ مین روس کی حمایت اور اعانت محافظ ہوئی اور انجام مین کیکی

[1] یہ انداز شاعرانہ ہی، مورخانہ نہین،

فوجی امداد۔ مگر با وجود ان سب اُمور کے یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ انگریزی قوم نے اپنی ثابت قدمی و استقلال سے کس درجہ کام لیا کہ آخر کار اوس کے مقابلہ مین جرمنی قوم مین اختلاف پیدا ہوا اور جنگ کرتے کرتے وہ تھک کر رہ گئی اور انگریزون مین اختلاف قومی نہ ہوا وہ برابر جنگ کرنے پر آمادہ رہے۔ اور اونکا وزیر اعظم یہی کہتا رہا کہ آخر کار ہماری ہی فتح ہوگی اور وہی ہوا، یہ اور بات ہی کہ یہ فتح اقتصادیات کی وجہ سے ہوئی، یا فوجی وجہ سے، کوئی وجہ ہو میدان تو انگریزون کے ہاتھ رہا، اور اونکا قومی استقلال و اتحاد و اتفاق فخریہ طور پر تاریخ مین لکھنے کے قابل ہوگیا، اور اس سے اون کے مورخین کی اس رائے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے کہ انگریزی قوم اوّل تو جنگ سے پرہیز کرتی ہی مگر جب جنگ پر آمادہ ہوجاتی ہی تو اوس کو اس درجہ طول دیدیتی ہے کہ فتح کا سہرا اوسی کے سر رہتا ہے، یہ امر تو ہم ایشیا کے باشندون سے ہر ایک کو معلوم ہے کہ فتح و شکست خدا دہی مگر یورپ کی مادہ پرست اقوام کا اعتقاد یہ نہین ہے اون کا اعتقاد تو یہ ہے کہ انسانی تدابیر و عدم تدابیر پر شکست و فتح اور کامیابی و ناکامی موقوف ہے مگر ایک حقیقی بادشاہ دُنیا کا ہے جو احکم الحاکمین بھی ہی وہ جس قوم کو چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے۔ اور یہ تو مشہور ہے کہ "ہر کمالے را زوالے دہر بہا سے را خزانے" یہ اُسی کے قدرتی کرشمات ہین جو دنیا مین ظاہر ہوتے رہتے ہین، یعنے یورپ کے بادشاہون کو دیکھئے کہ اونھون کیسی حیرتناک فوجی ترقی کر رکھی تھی مگر چشم زدن مین ایک ایسی جنگ چھڑ گئی کہ اوس جنگ کے آثارات پہلے سے اس طرح سے نمایان نہ تھے جن کی نسبت کہا جاتا کہ لڑائی ضرور ہوگی، اب لڑائی شروع ہوگئی، اور جنگ کا شروع ہونا تھا کہ یورپ کی فوجی طاقت پر گویا خزان آگئی اور وہ اُمور بھی پیش آئے جن کو مورخین قصے اور کہانی سمجھتے تھے، مگر آبدوز کشتیون اور ہوائی جہازون نے ثابت کردیا کہ جیسا سمجھا جاتا تھا وہ نہ تھا بلکہ حقیقت مین یہ تھا کہ جو صنّاعون نے اپنی صنعت گری سے ظاہر کردیا اور وہ فرضی قصے اور کہانی اصلی قرار پاگئین، ایک زمانہ وہ تھا کہ ابن خلدون[1] ایسے قابل مورخ کے نزدیک مسعودی کا یہ بیان صحیح نہ تھا جو وہ کرگیا ہے یعنے مسعودی سکندر کے متعلق لکھتا ہے کہ جب دریائی جانور اوس کو بنا اسکندریہ سے حارج و مانع ہوئے تو اوسنے لکڑی کا ایک صندوق بنوایا اور اوس مین شیشہ کا ایک صندوق رکھایا اور اوس مین بیٹھکر سمندر کی تہ مین اُترا اور اون شیطانی جانورون کی تصویرین اُتارین اور اون تصویرون کے موافق دھات کے بت بنوا کر اور باہر نکلکر شہر اسکندریہ کی بنیاد قایم کی جب جانور باہر نکلے تو بتون کو دیکھکر بھاگ گئے اور سکندر نے اوس شہر کی عمارت کو پورا کیا، ابن خلدون کی رائے مین مسعودی نے یہ روایت

---

[1] اُردو ترجمہ مقدمہ ابن خلدون حصہ سوم صفحہ ۴،

محیرالعقل کہانیوں میں سے لیکر ایک طول وطویل حکایت مین بیان کی ہے آئینہ کا صندوق اور پھر سمندر کے تھپیڑون سے اوس کا تصادم نہو تا محال نہین ہے تو اور کیا ہے، اِس کے علاوہ بادشاہ کب اپنے کو ایسے مہالک مین ڈال سکتا ہے اور سب سے بڑھکر یہ امر محال ہے کہ پانی مین اُترنے والا اگرچہ وہ صندوق ہی مین کیون نہ ہو جب پانی مین اُترے گا تو تنفس کے لیئے ہوا کم ہوجائے گی اور جلد سے جلد سانس لینے کی وجہ سے اوس کی روح حیوانی حرارت غیر معمولی پاکر گھبرا اُٹھے گی اور گرم ہوا جو مزاج جگر اور روح قلبی کو اعتدال پر رکھ سکتی ہے تاپید ہوجانے سے وہ شخص وہین مرکر رہ جائے گا اور یہی گرمی اور زیادتی حرارت حمام مین داخل ہونے والے لوگون کو اوس حالت مین ہلاک کر دیتی ہے جب سرد ہوا اون کو نہین پہونچ سکتی ہے، اور جو لوگ کنوئین اور گہری کانون مین اُترتے ہین اور وہان سرد ہوا گرمی کی وجہ سے متعفن ہوجاتی ہے اور تازہ ہوا اوس مین داخل نہین ہوسکتی ہے کہ وہان کی ہوا مین تحلل و تبدل پیدا کر سکے تو وہ لوگ اوسی مین مرجاتے ہین مچھلی بھی پانی سے باہر نکلکر مرجاتی ہے کہ ہوا اوسکے تنفس کے اعتدال مین خرابی پیدا کردیتی ہے کیونکہ ہوا گرم ہوتی ہے اور پانی جو اوس کو اعتدال پر رکھ سکتا ہے سرد ہوتا ہے اسلیے پانی سے نکلنے کے بعد ہوا کی گرمی اوسکی روح حیوانی پر غالب آکر اوسکی موت کا سبب ہوجایا کرتی ہے اور اسی خرابی ہوا اور اسی اشتداد حرارت سے وہ حیوانات مرجاتے ہین جن پر بجلی گر پڑتی ہے،

یہ پانی کے اندر چلنے والے صندوق کا تذکرہ ہے جس کو اس زمانہ مین تحت البحر کشتی اور جہاز کہتے ہین - اب ہوائی جہاز جو قدیم زمانہ مین اندلس کے ایک حکیم نے ایجاد کرکے بنایا تھا اوس کا ذکر کیا جاتا ہے - اور وہ یہ ہے:-

علامہ ابو العباس احمد بن محمد مقری نے اپنی کتاب **نفح الطیب** مین ذکر کیا ہے کہ از جملہ حکایات اہل اندلس بابت ذکاوت و ایجاد علوم یہ ہے کہ ابو القاسم عباس فرناس نے ہوا مین اُڑنے کا آلہ نکالا تھا اِس طرح پر کہ اپنے جسم کو پرون سے ڈھانپا تھا اور دو پر لگائے تھے اور ہوا مین بہت دور تک اُڑا تھا مگر اچھی طرح سے اُترنے کی تدبیر نہ کرسکا اسی وجہ سے اوس کو نیچے کے جسم مین اوترتے وقت بہت ہی ایذا ہوئی اور یہ خیال اوس نے نہ کیا کہ چڑیان جو اُترتی ہین تو پہلے دُم کی طرف سے اُترتی ہین اور اوس نے کوئی دُم اِس مین نہین بنائی تھی - یہ ہین وہ واقعات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ مین موجدین نے ایسی ایسی ایجادین کی تھین مگر بعد اون کے اِن صنائع کو کہانیون مین داخل کرکے ان پر قہقہہ اُڑانا شروع کیا گیا تھا، حضرت سلیمان کا تخت بھی انھین ایجادات مین ایک ایجاد تھی جو بلقیس کو ہوا مین اُڑا لایا تھا، اب یاد رکھنا چاہیئے کہ تاریخ نظری واقعات کی

عد اقتون کو تبدیل نہین کرتی مگر غیر نظرتی واقعات مین تبدل وتغیر ہوا کرتا ہے، جیسے واقعات متذکرۂ بالا مین ہوا ہے اور درایت کے اصول مین بھی تغیر ہوا کرتا ہے، یعنے ابن خلدون نے جس صندوق مین بیٹھ کر پانی کے اندر اترنے کو ایک زمانہ مین محال قرار دیا تھا اور اپنی قیاس آرائی سے کام لیا ہے وہ اوسی زمانہ کے واقعات پر درایت تھی اگر اس زمانہ مین ابن خلدون ہوتا تو اوس کو اس درایت کو بدلنا پڑتا، اس واسطے کہ اون ایجادات قدیمہ مین کیسی صنعت سے کام لیا گیا ہے کہ تحت البحر کشتیان برابر سمندر کے اندر چل رہی ہین اور ہوا مین ہوائی جہاز اڑ رہے ہین،

ماسوا اس کے ابن خلدون اگرچہ اصول درایت سے بخوبی واقف تھا مگر خلافت کے متعلق اور جناب امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان جو واقعات پیش آئے اون مین جیسا کہ چاہیئے درایت سے کام نہین لیا ہے، اور کیونکر کام لیا جاتا جبکہ مذہب منصفانہ درایت سے کام لینے کی اجازت دیتا، ہمیشہ سے مورخین کی یہ عادت رہی تھی اور اب قومی خصلت مین یہ بھی داخل ہے کہ وہ اپنے خلاف مذہب اور قوم کے حالات و واقعات جب لکھتے ہین تو تاویلات سے کام لیکر واقعات پر ایسا رنگ چڑھا دیتے ہین کہ واقعات پیچیدہ ہو کر رہ جاتے ہین جیسا کہ ابن خلدون نے ایک اجتہادی تاویل اختیار کی ہے کہ جن صحابہ نے آپ کی حمایت نہین کی یہ اون کا اجتہاد تھا اور اس کو چھوڑ دیا ہے کہ یزید کے ولیعہد کرانے مین قبل ان واقعات کے جو زر پاشی ہوئی تھی وہ کس واسطے تھی اور پھر جان و مال کا خوف بھی تھا۔ تاریخ مین حکومت سے مقابلہ کرنے والے بہت کم گذرے ہین اور یہ بھی اس سبب سے ہے کہ لوگون کو اپنی جان و مال کا خوف ہوتا ہے اور امداد و اعانت جس حد تک ہوتی رہتی ہے اوس کی امید دوسری جانب سے نہین ہے، بس یہی وہ اسباب ہین جن کے ترک کرنے سے انسان ہمیشہ پس و پیش کرتا رہا ہے نکہ اجتہا جس کو ابن خلدون نے بتاویلات بیان کیا ہے، مگر دوسرے مقام پر وہی بیان کیا ہے جو ہماری رائے ہے، وہ لکھتا ہے کہ قادر باللہ کے عہد خلافت ۴۶۲ھ مین قضاۃ بغداد نے عبیدیون کے خارج از اہلبیت ہونے پر جمعہ کے دن علی الاعلان فتویٰ لکھا اور علماء کے ایک جم غفیر نے اون کے روبرو اس امر کی شہادت ادا کی ان علما مین سید رضی اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور ابن بطحاوی اور ابو حامد اسفرائنی وغیرہ تھے۔ یہ کب ہوا تھا جبکہ عبیدیون کا اقتدار خلافت افریقیہ اور حجاز وغیرہ مین ترقی پذیر ہو گیا تھا، اور بنی عباس نے اون کے نسب پر تشنیع شروع کی تھی کہ یہ عبیدی غلام ہین پس اون کے زیر اثر علمائے فتویٰ دیکر عبیدیون کو خارج از اہلبیت قرار دیا، حالانکہ اون کا نسب درست تھا اور وہ صحیح النسب تھے اور اون کی سیادت کو

ابن خلدون بدلائل وبراہین ثابت کرتا ہے، اور یہ علما رنے جو فتویٰ لکھا تھا وہ حکومت اور خلافت کے اثرات سے لکھا تھا اور فراہمی زر کے لیئے بھی اسلئے کہ دنیا مین روپیہ اگرچہ ایک معدنی شئے ہے مگر بادشاہت اسی کی ہے ایک شاعر یہ خوب کہہ گیا ہے ؎

اے زر تو خدا نہیں لیکن بخدا ستار عیوب قبلۂ حاجاتی

اور یہی روپیہ وہ ہے کہ اس کی مدد سے بہشت بھی نصیب ہوسکتی ہے اور دوزخ بھی یعنے روپیہ سے اگر مذہبی فرائض ادا کرے تو بہشت مل سکتی ہے اور اگر خلاف تو دوزخ بہرصورت انسان کسی حالت مین ہو اوس کے پاس کچھ نہ کچھ روپیہ ضرور رہنا چاہیئے، کیا خوب عرفی شاعر کہہ گذرا ہے ؎

خاک باشی خوک باشی یا سگ مردار باش ہرچہ باشی باش الا اندکی زردار باش

جیساکہ مشہور ہے کہ ایک سفارت ایک امیر کے دربار مین گئی تو ایک اونٹ کو اونٹنی امارت نے قرار دیا اور سب حاضرین کو گواہ قرار دیا اونھون نے وہی کہا جو امارت کی زبان سے نکلا تھا، اس پر امارت نے کہا کہ آپ جس کی جانب سے آئے ہین اون سے کہدیجیئے کہ آپ کے پاس ایسے آدمی ہین جو حق پرستی کو چھوڑکر اونٹ کو جو کھڑا ہوا ہے اونٹنی بنادین، یہی واقعات وہ ہین اور ایسے ہی واقعات اور بھی ہین جن سے دنیا کی تاریخ مملو و مشحون ہے اور یہی وہ ہین جن سے ہر زمانہ مین حق و باطل مین امتیاز ہوتا ہے اور آئندہ ہوتا رہے گا اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ حق کی تاریخ ادھر ہے اور باطل کی اودھر اور یہ بھی ہے کہ زمانہ سابق مین حکومتون کے مقابلہ مین انبیار اوصیا، دیگر برگزیدگان باری نے مصائب و تکلیفات برداشت کیئے ہین محض حق پرستی و حق گوئی کی وجہ سے جن کا ذکر تاریخون مین بطور یادگار موجود ہے اور یہی امر حق وہ ہے کہ جب کبھی اس کا اظہار ہوا ہے حق کہنے والا قتل بھی کیا گیا ہے اور اوس کو تکلیف اور مصائب بھی اٹھانے پڑے ہین، مثلاً جب کربلا کا قافلہ یزید کے دربار مین پہونچا تو صدہا مشاہیر کرسی نشین تھے، حق پرستون نے وہی کہا بغیر کسی خوف کے جو اون کی شان کے شایان تھا اور مکالمات اور مباحثات کے بعد جب یزید نے دیکھا کہ ان کی حق پرستی مین کچھ شبہہ نہین ہے تو وہ پشیمان ہوا اور اگرچہ مورخ کوفی کی رائے مین اوس کی پالیسی مکارانہ تھی مگر انسان کا غصہ عارضی ہوا کرتا ہے، جب غصہ جاتا رہتا ہے تو اوسکی حالت کچھ اور ہو جایا کرتی ہے اور غصہ اگر اتر گیا تھا تو یہ کیا تھا کہ مینے کچھ نہین کیا، ابن زیاد نے جو چاہا کر لیا ہوگا، سب نے کہا کہ آپ کہتے ہین، مگر ایک اون مین سے بول اٹھا کہ کیا تم نے فراہمی لشکر کا حکم نہین دیا تھا، اور علم نے جب فوج روانہ نہین ہوئی تھی اب کہتے ہو کہ مین نہین جانتا، یہ سب تم نے کیا ہے

اس پر یزید نے اوس حق گو کو ہلاک کرا دیا، یہ قتل اس سبب سے ہوا کہ ایک ملازم سرِ دار نے حق بات کیوں کہی۔

منجملہ ان حالات کے یہ بھی ہے کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام نے تبلیغ و تلقین شروع فرمائی تو حواری آپکے ساتھ تھے مگر کیا ہوا یہ ہوا کہ ایک حواری نے تیس یا تینتیس روپیہ مخالفین سے لیکر آپ کو اوس وقت مجمع وعظ مین شناخت کرا دیا اور جب آپ گرفتار ہوگئے اور حواری بخوف حکومت چل دیے[1] تو آپ سولی پر چڑھا دیے گئے، اب حواری چل تو کھڑے ہوئے مگر بعد اس کے اُنھون نے پھر پلٹا کھایا اور مسیح کی تعلیم کی تبلیغ شروع کر دی یہانتک کہ حکومت کی جانب سے اون کو جو مصائب اُٹھانے پڑے وہ تاریخ کلیسیا مولفہ سر ولیم میور صاحب کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتے ہین، ان حواریون کو اپنی جان کا بالکل خوف نہ تھا، اس حق و باطل کی جنگ مین اونھون نے اس وجہ جد وجہد اور کوشش کی کہ اون چیلی پکڑنے والون کی تبلیغ جو حضرت عیسٰیؑ کی روحانی برکات سے ہوئی تھی اوس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قسطنطین اعظم نے عیسوی مذہب قبول ہی کر لیا، اسی طرح یہ بھی ہوا کیا ہے اور انبیا و رسل کے وقت مین کہ پہلے اون کے ساتھ جم غفیر ہو جایا کرتا تھا، لیکن حکومتون کے خوف سے پھر منتشر ہو کر رہ جاتا تھا اور وہ مقدس برگزیدہ بندے ہلاک کیے جاتے تھے مگر اون کی ہلاکت سے ہوتا کچھ بھی نہ تھا بجز اس کے کہ حکومتین تباہ ہو کر رہ جاتی تھین اور ظالم و مظلوم کا افسانہ رہ جاتا تھا اور اون صالحین کے کارنامے یاد رکھے جاتے تھے اور حکومتون کا نام و نشان بھی نہ تھا، صرف اون کے عالیشان مکانات کے کھنڈر باقی رہجاتے تھے جیسے کہ طاق کسریٰ اور دنیا کے دیگر ممالک کی شاہانہ عمارات ہین جو ویران ہو کر رہ گئی ہین اور عرفی کے اس شعر کی مصداق ہو رہی ہین، ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ آثار پدیدست صنادید عجم را

جب اکبر کے دربار مین یہ قصیدہ پڑھ کر سنایا گیا اور شاعر نے یہ شعر بھی پڑھا تو تمام دربار عبرتناک اثر سے متاثر ہو کر رہ گیا تھا،

پھر یہ بھی ہے کہ یہ صالحین مرتکب کسی جرم مخرب اخلاق کے نہ تھے صرف خدا شناسی کی تعلیم مخلوق کو دیتے تھے اور حق پر تھے نہ کہ باطل پر، لیکن باطل پرستون کی حکومت اون کی طرف مرجعیت خلایق کو دیکھ کر اور اپنے درباریون کے کہنے سننے سے اوس فعل کی مرتکب ہو جایا کرتی تھی جو اون کے واسطے ہمیشہ کے لیے بدنامی کا باعث ہوا کیا ہے،

[1] مروج الذہب مسعودی،

علیؑ ابن ابی طالب کے بیٹے حضرت مسلم کا واقعہ ہے اور ایک دوسری مقدس نورانی ہستی کی سرگذشت یہ ہے کہ پہلے اہل کوفہ نے دعوت دی
مگر پھر بخوف حکام وقت آپ کو چھوڑ دیا کوئی بھاگ گیا کوئی گھر مین چھپ کر بیٹھ رہا اور اوس نورانی ہستی کو
تن تنہا دشمنان نے شہید کر دیا، آپ تحفظ دین کے واسطے کوشان تھے، مگر دنیاوی طمع اور لالچ کی
تاریخ نے وہی کیا جو انبیاء کے ساتھ کرتی ہوئی چلی آتی تھی آخر ماریہ کی سرزمین ارغوان زار ہو کر
رہ گئی لیکن آپ کی روحانی طاقت نے وہ کر دکھایا کہ ساری حشمت و جلالت یزید اور یزیدیون کی خاک
مین ملکر رہ گئی۔ اِس کو کہتے ہین راہ حق پر فدا ہونا اور قربان ہونا کہ اوس کو جو پہلے آکر تائید و نصرت کا
دعویٰ کرتے ہین اور جب عمل کا وقت آتا ہے تو انحراف کر کے بھاگ جاتے ہین مگر وہ فرار اختیار نہین
کرتے اور سب سے بڑھکر دلیر اور بہادر وہی ہین جو کہہ دیتے ہین بس کر بھی گذر تی ہین اور یہ وہ ہین کہ جب کربلا
مین سالار قافلہ نے فرمایا کہ جس کو جانا ہو چلا جائے تو جواب مین آپ سے کہا گیا کہ آپ کو چھوڑ کر کہان
جائین اب ہمارا بھی یہین مدفن و مشہد ہوگا اور جو کہا تھا وہ کر دکھایا اور پھر جب آپ تنہا رہ گئے اور آپ نے
استغاثہ فرمایا تو اونہین شہدا کی لاشین پھڑک اٹھین اور لبیک لبیک کی آواز بلند ہوئی کسی زمانہ مین
یہ تاریخی منظر پیش نہین ہوا کہ بعد شہادت شہدا کی لاشین بے گور و کفن سر بریدہ پڑی رہی ہون اور
سرون کی یہ حالت ہو کہ ایک سر تو بلند نیزہ پر آویزان ہو اور تلاوت قرآن کرتا جاتا ہو اور اوس کے عقب
مین اور چھوٹے بڑے سر ہون جو منزلون چلے گئے ہون، اور کوہی و صحرائی لوگون کے لیے تماشاگاہ
بن گئے ہون، اب یہ تاریخی صداقتین وہ ہین جو حق و باطل مین امتیاز کرنے والی ہین اور اس سے بھی
سبق اور تعلیم دینے والی ہین کہ پہلے حق کی حمایت مین کیسی سرگرمی کی جاتی ہے اور پھر بخوف حکومت
اور بامید ذاتی ترقی بقول شیخ ابوالفضل وزیر اعظم شہنشاہ اکبر عبدالدینار والدانانیر ہو کر رہجاتی ہین،
اور انبیاء و آئمہ تک کی حمایت چھوڑ کر پھر اوسی جادہ کو اختیار کرنے والے ہو جاتے تھے جو اون کو گمراہ
کرنے والا تھا اور یہ بھی ہوتا رہا ہے کہ جس زمانہ مین ایسے معرکہ پیش آجایا کرتے تھے تو باپ سے اوس کے
لڑکون مین اختلاف ہو جایا کرتا تھا، مثلاً قبل جنگ صفین[1] عمر عاص کو یہ خیال ہوا تھا کہ شام کی امارت
کی تائید کرون یا امیرالمومنین کی ایک لڑکا کہتا تھا کہ شام چلو اور دوسرا کوفہ کی جانب اشارہ کرتا تھا اور
اون کا باپ ششن و پنج مین تھا اور اِسی تردد و تفکر مین رہا کہ کون سی راہ اختیار کرون، جب روانہ ہو گیا اور
اوس مقام پر پہونچا جہان سے ایک راستہ شام کو جاتا تھا اور دوسرا کوفہ کو تو اوس نے اپنا اونٹ کھڑا
کر دیا اب ایک لڑکا اونٹ کی نکیل پکڑ کر شام کی جانب کھینچتا تھا اور دوسرا کوفہ کی جانب اور کہتا تھا کہ

---

[1] تاریخ التواریخ جلد جنگ صفین،

نجات اسی طرف چلنے مین ہے اور حق بھی اسی جانب ہی دیر تک یہ کشمکش رہی آخر کار عمر عاص پر دنیا کی ہوا و ہوس غالب آگئی اور اوس کا اونٹ اوس کو شام کی جانب کھینچ کر لے گیا پھر اس پر تو غور کرو کہ جناب امام مظلوم کی تائید اور امداد کے واسطے مخلوق کا مجمع رات کے ستارون کی طرح تھا، مگر بخوف یزید کافور ہونا شروع ہوگیا یہانتک کہ کربلا مین پہونچتے پہونچتے صبح کے ستارون کی طرح رہ گیا، اور اوس پر امام علیہ السلام کی حالت کو دیکھو کہ وہ ایک بدوی ڈاکوون کا سرگروہ تھا اثنار راہ مین وہ اپنا لشکر لیے ہوئے پڑا ہوا تھا، آپ بہ نفس نفیس اوس کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ مین اہلبیت رسول ہون مین تم سے اعانت طلب کرتا ہون اوس نے کہا کہ مین کوفہ سے آتا ہون کوفی سب آپ کے مخالف ہین اسلیے مین اعانت سے مجبور ہون مگر ایک گھوڑی بادرفتار اور ایک تلوار نذر کرتا ہون اِس نذر کو آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ جس حال مین تم اعانت نہین کرتے تو مین اِس نذر کو قبول نہین کرسکتا یہ امر واقعہ بھی اوس تاریخی صداقت کو یاد دلانے والا ہے کہ ہر زمانہ مین حکومت سے تعلقات رکھنے والے اور صاحبان جائداد و املاک خوف کھاکر امر حق سے انحراف کرجاتے تھے جن کو انحراف نہ کرنا چاہیئے تھا، اون کی تاریخی حالت دوسری ہوجایا کرتی تھی اس ڈاکو کو تو کسی طرح کا تعلق نہ تھا اوس پر فرض ہوگیا تھا کہ آل رسول[۲] کی بلاخوف خطر اس شعر پر عمل کرکے اعانت کرتا ؎

طبل و علم ہے پاس ہمارے نہ ملک و مال | ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

باب ششم

روحانی و مادّی تاریخ

اِن واقعات مذکورہ سے ثابت ہی کہ تاریخ کے دو پہلو ہین، ایک روحانی اور دوسرا مادّی جو بادشاہون اور اُمرا وغیرہ کے متعلق ہے اور روحانیات سے خارج ہوتا ہے، ہان روحانیات سے وہ تاریخ خارج نہین ہی جس مین انبیا و اوصیا و پیشوایان دین کا تذکرہ ہوتا ہے اور یہ کہ جس عظمت و جلالت کا وہ ہوتا ہے جس کی تاریخ لکھی جاتی ہی اوس کی حیثیت اور اہلیت کے مطابق اوس کے حالات تاریخی بھی ہوتا چاہیئین مگر مادّی تاریخ لکھنے مین اس زمانہ کے مورخین اور گذشتہ زمانہ کے مورخین کو کچھ ایسا ملکہ تھا کہ وہ انبیاء

---

[۲] اعثم کوفی،

اور پیشوایان دین کے حالات قلمبند کرتے تھے تو اون کے حالات بھی مثل بادشاہون کے حالات کے
لکھے جاتے تھے اور روحانیات کی چاشنی سے وہ حالات پاک ہوتے تھے، اور اس زمانہ مین ہندوستان
کے مورخین کا بھی یہی شعار ہو رہا ہے، جیساکہ شبلی صاحب نے طریقہ اختیار کر رکھا تھا، اونکی سیرۃ النبی[1]
کتاب مین روحانیات کا خیال بہت کم ہے اسلئے لوگ اوس کو اچھی نظر سے نہین دیکھتے ہین، ایرانی
مورخین ان حالتون پر نظر رکھتے ہین اور اون کی تاریخین دلچسپی سے پڑھی اور دیکھی جاتی ہین اس کے علاوہ
سب سے بڑا ایک اور عیب یہ ہے کہ تاریخی صداقتون کو چھپایا جاتا ہے یہ مذہبی تعصب نے تعلیم دے رکھی ہے
مثلاً ہمارے دوست شرر نے بھی ایک کتاب سیرۃ النبی لکھی ہے اوںھون نے احادیث سے استدلال نہین کیا
ہے اور نہ اور مستند تاریخون طبری و مسعودی وغیرہ سے صرف تاریخ ہشام کو معتبر سمجھکر واقعات لکھے
ہین اور دیگر تاریخون کو پیش نظر رکھکر منصفانہ محاکمہ نہین کیا بلکہ تاریخی صداقتون کو مخفی کر دیا ہے عزنوبکا
خلافتی جھگڑا بھی عجیب پیرایہ مین ادا کیا ہے اور حدیبیہ کے عہدنامہ سے جو شکوک پیدا ہوئے اوس کا
ذکر جیسا چاہیئے نہین کیا ہے اور خیبر کے قلعہ کے پھاٹک کو اوکھاڑ کر پھینک دینا تو درکنار صرف یہ
لکھدیا ہے کہ حضرت علیؓ نے کواڑ پڑا تھا اوس کو اپنے سر پر اوٹھا لیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ
محاصرہ مین نہ تھا، محاصرین نے پھاٹک معمولی رکھا تھا کہ محاصرہ کرنے والے بے تکلف چلے آئین ایسا
کسی جنگ مین نہ ہوا ہی نہ ہو سکتا ہے، اور مادی خیالات اور جذبات اسلئے ترقی کر جاتے ہین کہ یورپ کے
قومی افراد کی تعلیم کا اثر لیئے ہوئے ہین اور یہ افراد وہ ہین جو روحانیات کو ترک کرکے مادہ پرست
ہو کر رہ گئے ہین اور جب وہ غیر ملک مین حکمران ہو جاتے ہین تو غیر قومین بھی گویا "الناس علیٰ دین ملوکہم"
کے مقولہ کی مصداق ہو کر رہ جاتی ہین، علاوہ اس کے یہ بیان جو اوپر کیا گیا ہے کہ جس کی تاریخ لکھی جائے
اوس کے اہلیت اور قابلیت کے مطابق ہو یہ تفصیل طلب ہے اور خاص و عام تاریخ کا لکھنا اوس وقت
دشوار ہو جاتا ہے جب مورخ کو خود لیاقت اور قابلیت نہین ہوتی باعتبار اس اصول کے یورپ مین
یہ قرار پایا ہوا ہے کہ ہر علم و فن کے ماہرین جو کچھ لکھتے ہین وہی قابل اعتبار ہو جاتا ہے مثلاً یہ کہ مسٹر
گلڈسٹون کا انتقال ہوا تو اون کی سوانح عمری اوںھین ماہرین نے لکھی جو اون علوم و فنون سے ماہر تھے
جو متوفی کی ذات خاص مین جمع تھے یعنے اون کے مذہبی حالات بشپ صاحب نے لکھے ہین اور پولٹیکل
حالات کی جلد علٰحدہ ہے جس کو مارلے صاحب نے مرتب کیا ہے جو اون کے پرائیویٹ سکرٹری ایک
مدت تک رہ چکے تھے، یہی اصول ایشیا مین سب سے پہلے ایرانیون نے اختیار کیا تھا خاصکر ناصر الدین شاہ

---

[1] نامہ دانشوران و ناسخ التواریخ،

بادشاہ کے زمانہ مین جو کتابین علما کی سوانح عمری اور عام تاریخون کی لکھی گئی ہین اور اوس کے لکھنے والون کو قریب قریب وہی مرتبہ حاصل تھا جو اوس کو ہر علم وفن مین حاصل تھا جن کو ان ماہرین نے تصنیف کیا ہے مثلاً عالمون کے حالات مین ایک کتاب ایران مین چھپی ہی جس کا لکھنے والا ایک بہت بڑا عالم ہے، اوس نے اس طرح پر اون علماء کے علم وفضل کی تشریح کی ہے کہ دوسرا مورخ جو فقہ وحدیث اور قرآن مجید کے مطالب سے واقف نہین ہو وہ ہرگز اون عالمون کے حالات زندگی نہین لکھ سکتا، حقیقت مین ایرانیون کو ایک خداداد قابلیت حاصل ہے اور وہ ایسے انشاپرداز ہین اور تاریخ نویس بھی اور سوانح عمری کے لکھنے مین اون کو وہ ملکہ ہے کہ ممالک ایشیا مین کوئی ملک اون کی برابری نہین کر سکتا اور یورپ نے جو ترقی کر رکھی ہو وہ بھی ایرانیون کی انشاپردازی کی صنائع اور بدائع کو نہین پہونچی ہے، ایرانی خطیب بھی ہین اور خوشخطی مین تو وہ ملک ایسا شہرہ یاب ہی کہ دنیا مین کوئی ملک اونکا مقابلہ نہین کر سکتا،

روحانی تاریخ | اب روحانیات کی تاریخی نیرنگیان ملاحظہ طلب ہین،

اوّل - یہ کہ دنیا مین کوئی قوم ایسی نہین ہے کہ اپنی عقل وتدابیر سے دعوی کر سکے کہ اوس کی حکومت ہمیشہ قایم رہے گی - زمانہ کا یہی دور ہے کہ حکومتین ہوتی بھی ہین اور فنا ہو کر رہ بھی جاتی ہین اگر یہی ہوتا کہ قومین اپنی تدبیر سے کمال کے مدارج پر پہونچا کرتین تو اون کو دائمی استقلال ہوا کرتا مگر ایسا نہین ہے بلکہ ایک غیر محسوس روحانی طاقت ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے وہ بھی سرایت کیے ہوئے ہے یعنے اگر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ اپنے افعال سے بڑھ گئے ہین تو پھر یہ کیا ہے اور وہ کونسی تحریک ہے بجز روحانی طاقت کے جو اون کے زوال اور معدوم کرنے کا باعث ہو جایا کرتی ہی،

دوم - یہ ہے کہ جب دو بادشاہون مین جنگ ہو جاتی ہے اور ایک کے پاس کثیر فوج رہتی ہے اور دوسرے کے پاس قلیل لشکر تو قلیل لشکر فتح یاب ہو جاتا ہے اور کثیر شکست خوردہ ہو کر بھاگ جاتا ہے، اب یہ کونسی تحریک ہے کہ لوگون کو جن کا یہ خیال تھا کہ قلیل کثیر پر کبھی فتح یاب نہ ہوگا، محو حیرت کر دیتی ہی، بابر اور ابدالی وغیرہ کو دیکھو کہ اون کے پاس قلیل فوج بمقابلہ اون کے مخالفین کے تھی لیکن جنگ کے وقت کیا ہوا اون کی قلت کثرت پر غالب آگئی - اور اون کی دعا نے یہ روحانی اثر کیا کہ کثیر لشکر والے مغلوب ہو کر رہ گئے،

سوم، یہ کہ مشہد مقدس کا حادثہ جو زار روس اور روسی فوج کی جانب سے ہوا، اور روس نے بطمع ملک وہان علماء کو قتل کر کے بعض کی لاشون کو درختون پر آویزان کیا اور بعض کی لاشون کو زمین مین

پڑا رہنے دیا۔ اور ملک ایران مجبوراً روس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ مگر روحانی قوت وطاقت نے یہ رنگ پیدا
کیا کہ اول روس کے سفیر کے جھنڈے کے پھریرے کو پرندون نے پھیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اس سے
لوگون نے پیشین گوئی کی کہ اب زار اور اوس حکومت بھی ضرور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ جائے گی، چنانچہ
یہی ہوا کہ کل روس مین جنگ سے وہ تباہی وبربادی ہوئی کہ زار روس کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا اور
صوبجات روس مین ایسا انقلاب پیدا ہوا اور خونریزی وقتل عام کہ ابتک یہ دنیا کی عظیم الشان سلطنت
انھین مصائب مین مبتلا ہے ممکن ہے کہ یہ اعتقادی حکایات وروایات ہین، دوسری قومون کے نزدیک
ایسے روحانی حادثات کا اثر ہی کیا ہے اور وہ اس کو کب تسلیم کرنے والی ہین مگر جو صاحب کتاب اقوام
مین اون کی الہامی کتابون مین اگلے زمانہ مین یہی حادثات روحانی ظہور پذیر ہو چکے ہین اور وہ تاریخی
و الہامی ہین، اور یہ اصول تاریخ کا کہ جب صداقتین متحد ہو جاتی ہین تو ایک دوسرے پر اعتراض
نہین کر سکتا اور نہ انکار مثلاً بعد صلح حضرت امام حسن علیہ السلام جب بحفاظت خلافت ایک فریق
کی جانب سے دوسرے اسلامی فریق پر مظالم ہوئے تو اون کی حالت وہی تھی اور ہے جو ایک غیر قوم
اپنی مفتوحہ رعایا پر بخیال حفاظت حکومت کرتی ہے، اب ان صداقتون کا متحد ہونا قطعی ہے پس کیونکر
ہو سکتا ہے کہ ایک اچھا سمجھا جائے اور دوسرا برا یہ سچ ہے کہ یہودی ابھی ایمان پرست ہین اور ان کے
مقابلہ مین یورپ کے عیسائیون مین عیسائی مورخین مادہ پرستی مین اس درجہ شہرت یاب ہین کہ اونکے
خیال مین یہ روحانی کرشمات قصے کہانیون سے زیادہ وقعت نہین رکھتے، اور یہی حال جو روس کا
ہوا ہے وہی اون حکمرانون کا ہے جنھون نے خانۂ کعبہ کو منہدم کیا اور حقیقی روحانی پیشوایان اسلام
کو شہید کیا ہے، حضرت امام مظلوم جب مدینۂ منورہ سے مکہ معظمہ مین تشریف لائے تو قیام فرماتے ہوئے
اس خیال سے کہ کعبہ مین میری وجہ سے جو خونریزی ہوگی تو اوس کے شرعی احترام مین یزیدیون کے
سبب سے فرق آجائے گا، اور بے حرمتی ہوگی اس کو آپ نے ایک لمحہ کے واسطے بھی پسند نہ فرمایا مگر
بعد آپ کے جب عبد اللہ ابن زبیر مدعی خلافت وامامت ہوئے تو وہ وہین رہے اور خانۂ کعبہ مین
پناہ لی۔ اس پناہ لینے سے جو حال خانۂ کعبہ کا ہوا ہے وہ ظاہر ہے۔ عیان راچہ بیان۔ اور یہ تو تاریخی
واقعات ہین کہ جب دنیا پرستی کے جذبات کا غلبہ زیر اقتدار ملی ومذہبی ہو جایا کرتا ہے تو حق پرستی اور
مذہبی ودینی جذبات مغلوب ہو کر رہ جاتے ہین اور روحانیات کا مطلق پاس ولحاظ نہین رہتا،
اور روٹی کا معاملہ ایسا ہے کہ حکومت کے خلاف ہونا دشوار ہے، جب یہ اسباب مہیا ہو جاتے
ہین تو پھر پیشوایان دین وغیرہ کا احترام کہان باقی رہ سکتا ہے، اون کے قتل وہلاک کرنے مین

کچھ بھی پیش وپیش نہین ہوتا۔ کیا خوب مولانا روم اپنی مثنوی مین فرما گئے ہین ؎

یک حسینے نیست کہ آن گروہ شہید

ورنہ بسیار اند در عالم یزید

بنی اسرائیل کی تاریخ پر جب خیال کیا جاتا ہے تو اُنھون نے بھی اپنے اولوالعزم رسول سے بیابان مین یہ کہا تھا اشتہا کے غلبہ کے سبب سے کہ ہم مصر ہی مین اچھے تھے کہ فرعون ہم سے بیگار لیتا تھا مگر روٹی تو دیتا تھا جب سے آپ ہم کو نکال لائے ہین بھوکون مرے جاتے ہین اب من و سلوےٰ اُترا سبب وہ بھی ختم ہوگیا تو آل اسرائیل نے آپ کے روحانی تعلیم کی جیسا کہ چاہیے قدر و منزلت نہین کی یہان تک کہ کنعان کی سرزمین تک اُنکا پہونچنا کیسا سب وہین مرکھپ گئے اور جو باقی رہے اُنھین کی نسل پھیلی اور بنی اسرائیل نے بھی نہین کیا بلکہ اُنھون نے بہت سے انبیا کو قتل کر ڈالا ہے۔ غرضکہ ایسے واقعات دنیا مین ہوتے آئے ہین اور آئندہ ہوتے رہین گے کہ روحانی طاقتون کو فنا کرین گے اور آپ بھی فنا ہو جائین گے۔ مگر بجائے دنیا پرستی کے حق پرستی نہ اختیار کرین گے۔

چہارم یہ کہ ایک عجیب اثر روحانی طاقت کا تھا کہ روما کی حکومت مین حضرت عیسیٰ یہودیون کی سازش سے دار پر چڑھائے گئے مگر اُس اثر نے یہ کر دکھایا کہ جس سلطنت نے مسیحی مذہب کو نیست و نابود کرنا چاہا تھا اُسی سلطنت کے بادشاہون مین ایک بادشاہ قسطنطین اعظم نے آخر کو مذہب مسیحی اختیار کیا یعنے روحانیات نے اپنے مین جذب کر لیا اور عیسائیت کا نشو و نما و ترقی زیادہ تر ہونا شروع ہوئی اور یہی حال اسلامی روحانی قوت کا تاتاریون مین ہوا یعنے تاتاریون کا اقتدار جب دنیا مین ترقی یاب ہوا تو اُسوقت مسلمانون کی حکومت گویا شباب پر تھی۔ اُنھون نے اسلامی حکومتون کو پامال کیا لیکن اخیر مین کیا ہوا اُس قوت نے تاتاریون کو مسلمان ہی بنا دیا۔ یعنے جس اسلام کو وہ فنا کرنا چاہتے تھے اُسی اسلام نے اپنی روحانی جذبات کی کشش سے جب اپنے مین جذب کر لیا تو اب اسلام کی ترقی کے واسطے وہ قوم کوشان ہوگئی۔ مگر یورپ کے مؤرخین نے اپنے تعصب مذہبی سے عیسائی مذہب کی ترقی و اشاعت کو اور قسطنطین کے عیسائی ہو جانے کو تو روحانیات مین داخل کیا ہے اور تاتاریون نے جو مذہب اسلام قبول کیا اُسکو تاویلات کر کے مادی تاریخ مین داخل کیا ہے۔ اور خود غرضی پر محمول۔

اب دیکھیے صداقتین واقعات کی تو متحد ہین لیکن عیسائی مؤرخین نے تعصب مذہبی سے فرق پیدا کر رکھا ہی اگر بنظر انصاف لکھتے اور تعصب کو کام مین نہ لاتے تو اُن کو لکھنا چاہیے تھا کہ تاتاری بادشاہ نے بغیر کسی خوف کے اسلام قبول کیا تھا اور قسطنطین اعظم[1] کو یہ خوف ہو گیا تھا کہ میری رعایا عیسائی مذہب قبول کر چکی ہے اور قبول

[1] مروج الذہب مسعودی

کرتی جاتی ہے کہین ایسا نہ ہو کہ مین عیسائی نہ ہو جاؤن تو وہ مجکو نکال باہر کردین۔

پنجم - یہ کہ جب یورپ کا اقتداری نشو و نما دنیا مین پھیلا اُس کے ساتھ ساتھ پادریوں کا وعظ بھی شروع ہوا۔ اگرچہ یورپ نے مذہب کو دنیاوی معاملات سے علیحدہ کر رکھا ہے مگر ایک پالیسی اس مین حکومت کی جانب سے یہ رکھی گئی کہ ظاہر تو یہ کیا گیا کہ کل مذہب آزاد ہین اور واقعی گذشتہ حکومتون کے مقابلہ مین اسکی پابندی بھی کی جاتی ہے مگر اسی کے ساتھ تاریخ نے یہ بتا دیا ہے کہ جن غیر ممالک مین پادری وعظ کرتے پھرتے تھے اور اُن ملکون کے باشندون کے پیشوایان دین کو بُرا کہتے تھے تو فتنہ و فساد برپا ہوا کرتا تھا اور یہ طریقہ ملک گیری کا قرار پا گیا تھا اب کم ہے۔ ایک زمانہ مین اسکا بڑا چرچا پھیلا ہوا تھا۔ کلیسا یونان جس کے احکام مذہبی کا پابند روس تھا وہ بازارون مین وعظ کہنے کی ممانعت کرتا ہے۔ لیکن روسی پادری وعظ تو نہین کہتے تھے لیکن ایران وغیرہ مین وہ بھی ایک بڑا ذریعہ مداخلت کا ہوا کرتے تھے اُن کا وعظ بازارون مین اس وجہ سے نہ ہوتا تھا کہ حضرت مسیح نے فرمایا ہے کہ میرے کلمات جو بمنزلہ جواہر ہین وہ گھورے مین نہ پھینکا کرو یعنے جو نہین سمجھتے ہین اور جاہل و لاعلم ہین اُن کے روبرو نہ بیان کرو تاہم روسی بھی چھیڑ چھاڑ کا ذریعہ اُنھین کو گردانے ہوے تھے۔ اور مذہبی تعلیم کی یہ حالت تھی اور ہے کہ انجیل مین وہ تعلیم کہان ہے جو توریت مین ہے۔ اور اسلامی تعلیم تو ایک گنج شائگان ہے جو وسعت تعلیم کے لحاظ سے سب کتابون پر سبقت رکھتی ہے۔ بشپ آف کنٹربری نے عرصہ ہوا اپنے ایک مضمون مین صاف صاف یہ کہہ دیا کہ افریقہ مین مذہب اسلام کے مقابلہ مین عیسائیت کی اشاعت نہایت کمزور ہے اسلام مین وہ پاکیزگی ہے جس کے باعث اُسکی اشاعت بخوبی تمام ہو رہی ہے۔ اور مسیحی مذہب کی اشاعت و ترقی رُکی ہوئی ہے۔ افریقہ مین کیا تمام دنیا مین یہ دیکھنے مین آرہا ہے کہ باوجود مشنریون کی ترقی کے اور یہ کہ قومی و مذہبی چندہ کی امداد سے جو کھوکھا روپیہ تک پہونچی ہوئی ہے اور باوجود حکومتی جبروت و اقتدار کے تنہا اسلامی اشاعت اُس مذہب کی اشاعت کو مغلوب کئے ہوے ہے جس سے ثابت ہے کہ گو اسلامی حکومتین باقی نہ رہین یا ضعیف ہو جائین لیکن اُنکا مذہب اپنی روحانی طاقت سے کسی مذہب کو اپنے مقابلہ مین ٹھہرنے نہ دیگا۔ اور یہ بھی تو ہے کہ حضرت مسیح نے توریت کو منسوخ و باطل نہین کیا ہے بلکہ خود فرمایا ہے کہ مین توریت کا باطل کرنے والا نہین ہون بلکہ تکمیل کرنے والا ہون۔ مگر افسوس ہے تو یہ ہے کہ سر ولیم میور صاحب اور مسٹر گلیڈ سٹون نے انجیل کے تعلیمی اثرات جو بہت ملکون مین مؤثر ہوے ہین اُنکو نہایت شد و مد سے ظاہر کیا ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ دوسرے ملکون کے قومون پر تو اثر ہوا خود یورپ اُس کے اثرات روحانی سے کیون محروم رہا۔ یورپ مین تو اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ وہان تو مادہ پرستی اور تدبر پھیلتا جاتا ہے اور نصرانیت برائے نام رہ گئی ہے۔

جیسا کہ ڈاکٹر اسپرنگر نے مولوی چراغ علی کے نام جو مراسلہ لکھا ہے اُس مین ظاہر کیا ہے کہ یورپ مین روحانیت باقی نہین ہے۔

اور یہ اصول کہ انجیل مین کسی حکم الہامی کی تصریح و توضیح نہین ہے تو توریت پر عمل ہونا چاہیے اس کی پابندی بھی نہین ہے۔ اہل یورپ کا تمدن اب عقل پر رہ گیا ہے نہ کہ روحانی تعلیم پر اور اسی عقلی عمل سے اُنکا روحانی عمل مفقود ہوتا جاتا ہے۔ بمقابلہ اُن کے مسلمانون کا روحانیات پر عمل جس درجہ باقی ہے وہ ضرور قابل تعریف ہے۔

ششم۔ روحانی اور مادی جذبات جو غالب اور مغلوب رہا کرتے ہین اُن پر تاریخ نویس بہت کم غور کرتے ہین۔ حالانکہ وہ لازم اور ملزوم ہین۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین اور اس زمانے کی یورپی تعلیم نے تو روحانیات کو بالکل معدوم کر رکھا ہے مگر دنیا کے ہر ملک مین خاصکر یورپ مین بھی جہان مادہ پرستی اب بھی ترقی کیے ہوے ہے۔ عورتون مین پابندی مذہب کی زیادہ دیکھی جاتی ہے اور اُن کے بچے بھی اُنھین کی زبان سیکھتے ہین اسی سے کہا جاتا ہے کہ فلان قوم کی مادری زبان ہے۔ مادہ پرستی مین یہ خدا داد روحانی قوت اور طاقت کہان ہے کہ آیندہ کی حالت بیان کر سکے مثلاً اس کے بیان کرنے مین مادی قوت عاجز ہے کہ آیندہ لڑکی پیدا ہوگی یا لڑکا اسکو بھی حضرت خاتم المرسلینؐ نے بیان فرمادیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو مادہ توالد و تناسل کا باعث ہے وہ عورت اور مرد کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے پس جس کے مادہ کو غلبہ ہوتا ہے وہی سبب ہو جاتا ہے لڑکی یا لڑکے کے پیدا ہونے کا اور یہ بھی اُسی روحانی طاقت کا اثر تھا کہ کربلا مین جب حضرت امام علیہ السلام اور عمر سعد سے مکالمہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ملک رے کے گندم تجکو نصیب نہونگے تو اُسنے کہا کہ گندم نصیب نہ ہونگے جو تو نصیب ہون گے یہ طنزاً جواب دیا تھا اسپر آپنے فرمایا کہ یہ بھی نصیب نہ ہون گے چنانچہ یہی ہوا۔

ہفتم۔ یہ بھی ایک تاریخی نکتہ ہے اور روحانیات سے تعلق رکھتا ہے کہ جن سلطنتون مین سادات کا قتل ہوا ہے اُنکا خون بھی زوال سلطنت کا باعث ہوتا رہا ہے۔ جیسا کہ عبدالملک بن مروان نے حجاج کو لکھا تھا کہ کسی سید کو قتل نہ کرنا ورنہ سلطنت جاتی رہے گی جیسا کہ حضرت امام حسینؑ کے خون کی وجہ سے بنی حرب کی سلطنت کو زوال ہو چکا ہے۔ پہلے سید مظلوم تو آپ ہین کہ آپ کی شہادت نے یزید کی سلطنت اور تمامی بنی امیہ کی حکومت کو اور بنی عباس کی خلافت کو معدوم کر دیا اور پھر آج بھی نسل کا خون جن جن ملکون مین بہا ہے وہ بھی جاتے رہے ہین۔

اور یہ کہ مادی تاریخ کا دور دوران کل انسانون پر بلا امتیاز رہتا ہے اور یہ مسئلہ ایک سوال کے

جواب سے اچھی طرح حل ہوگیا ہے یعنے عین معرکۂ کربلا میں ایک مخالف نے جب یہ سوال کیا کہ آپ میں اور یزید میں حیات اور ممات وغیرہ کے اعتبار سے کیا فرق ہے جواباً ان کے آپ نے فرمایا کہ کوئی امتیاز و فرق نہیں وہ فرض کرو کہ ایک پل ہو میں اُس پر چل سکتا ہوں اور یزید بھی مگر جو فرق ہے وہ روحانیات سے پیدا ہے اور اُسکے میں جو بات مجکو حاصل ہوگی وہ یزید کو حاصل نہیں ہوسکتی۔

علاوہ اس کے روحانیات کو جو قوت اور طاقت حاصل ہے وہ گویا سب مادی طاقتوں پر سبقت رکھتی ہے مثلاً وہ کیا طاقت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت شعیبؑ کی صاحبزادیاں پانی بھرنے کنوئیں پر آئیں تو اتفاق سے پتھر کی ایک بڑی چٹان جو کسی سے نہ اُٹھ سکتی حضرت نے فوراً اُٹھاکر علٰحدہ کردیا اور جب وہ لڑکیاں پانی بھرکر اپنے مکان پر پہونچیں تو اپنے والد سے اُنھوں نے ذکر کیا حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ اُنکو بلا لاؤ وہ پھر آئیں اور کہا کہ آپ کو ہمارے والد بُلاتے ہیں۔ اب یہ بحث پیش آئی کہ آگے کون ہو اور پیچھے کون آپ نے فرمایا کہ تم میرے عقب میں رہو۔ یہ اس لئے فرمایا کہ نامحرم پر نظر نہ پڑے اور یہی حضرت صفورہ تھیں جنکا عقد چند سال کے بعد حضرت شعیبؑ نے آپ سے کیا ؎

شبان وادی ایمن گہے رسد بمراد
کہ چند سال بجان خدمت شعیبؑ کند

اور یہی وہ روحانی طاقت تھی کہ حضرت امیر المومنین نے صفین میں پہونچکر لب مبارک کو جنبش دی اور کچھ پڑھکر ایک بڑی چٹان کو اُٹھاکر پھینک دیا اور پانی کا چشمہ جاری کردیا۔ ایک راہب نے آپکی امامت کی تصدیق کی اور قلعۂ خیبر کے آہنی پھاٹک کو سپر جیسے علٰحدہ کردیا تھا۔ یہ سب اسم اعظم کی برکت سے ہوا۔ مگر اسم اعظم بجز امام اور پیغمبروں کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ کوئی اللہ کی اسم ذات کو اسم اعظم قرار دیتا ہے اور کوئی یاہو کو لیکن یقینی نہیں ہے۔

یہ روحانی کرشمے اور نیرنگیاں ہیں۔ اب بیان کیا جاتا ہے کہ زمانہ جو تاریخ کو دہراتا اور بدلتا رہتا ہے! اُس کے اثرات کس طرح قوموں پر مرتب ہوا کیے ہیں اور آئندہ ہوتے رہیں گے۔ ابن خلدون نے اپنے تاریخی مقدمہ میں حضریت اور بدویت کے اصول کو بیان کیا ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جب تک انسانوں میں بدویت باقی رہتی ہے اُن میں سُستی و کاہلی اور عیش پسندی نہیں ہوتی اور جب بدویت کے دائرہ سے نکلکر حضریت میں آجاتے ہیں اور اُنکو حکومت بھی حاصل ہوجایا کرتی ہے تو رفتہ رفتہ عیش پسند ہوکر رہ جاتے ہیں اور یہی ذریعہ اُن کی حکومتوں کے زائل ہونے کا ہوجاتا ہے۔ مگر یہ رائے ابن خلدون کی اُس زمانہ کی حکومتوں سے متعلق تھی اور اُس زمانہ کی قوموں کے واقعات سے متعلق۔ اس زمانہ کی تبدل شدہ تاریخ سے مطابق نہیں ہوسکتی۔ اس فاضل مورخ نے لکھنے کو تو یہ لکھ دیا ہے اور کس وقت لکھا تھا جبکہ شخصی حکومتوں کا دور تھا اور

مذہبی قوت کا چرچا پھیلا ہوا تھا اس زمانہ میں قومیت کا چرچا اور قومی حکومتوں کا بھی ہے اُسنے کہیں یہ نہیں لکھا ہے
کہ قوموں میں قومیت روحانی اثرات سے آتی ہے یا مادیات سے - مسلمانوں نے تو اپنی قومی تفریق مادیات
پر موقوف نہیں رکھی ہے بلکہ روحانیات پر ہے - اور اُن کا کلمہ طیبہ دُنیا کے کل مسلمانوں کو ایک کئے ہوئے ہے
اور اُن کے احکام شرعی جزوی اختلافات فرق اسلامیہ کے باعث ایک ہی ہیں اور حج اور نماز عیدین اور نماز
جمعہ و جماعت سے جو اتفاق اور اتحاد قومی پیدا ہوتا ہے وہ بھی روحانی ہے - اس روحانی سلسلہ کے لحاظ
سے تو کل مسلمان متحد ہیں اور چونکہ مادی جغرافیائی تقسیم کی ترتیب اُن کی قومیت میں نہیں ہے - لہذا احکام مذہبی
کے بہت پابند ہیں گو پورا پورا عمل نہو اور خدا و رسول کو یاد رکھنے والے ہیں اور یہ بھی ہے کہ بوجہ عناد فرقہ ہائے
اسلامیہ باہم جنگ ہوئی ہے اور اب بھی ہوتی رہتی ہے اور یہ بھی کہ ایک دارہی و ملک گیری و دنیاوی اغراض
سے بڑی سی بڑی خونریزیاں ہوچکی ہیں مگر روحانی قومیت جو اُن میں تھی اُس میں فرق نہیں آیا اور وہ بدستور
قائم رہی - بخلاف اس کے یورپ کی قومی ترتیب مادیات سے متعلق ہے اور جغرافیائی تقسیم کے اعتبار سے
اور وطن پرستی اور زبان اور لباس وغیرہ کے خیال سے علیحدہ علیحدہ متحد ہوکر رہ گئی ہے اور اُن میں مادہ پرستی
اس درجہ ترقی کیے ہوئے ہے کہ خدا اور رسولوں کا ذکر تک نہیں ہے اور یہی سبب ہے کہ وہ روحانی کرشموں
اور نیرنگیوں کے بھی قائل نہیں ہیں اور معجزات انبیاءؑ کے بھی تسلیم کرنے والے شاذ و نادر ہوں تو ہوں
بہرحال بظاہر تاریخ علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتی ہے ورنہ روحانی قومیت اور مادی قومیت لازم و ملزوم
ہیں اور نیز بغیر آمیزش روحانیات کے مادی قومیت کے اصول درست نہیں ہو سکتے یا یوں کہو کہ روحانیات
کے تابع مادی تاریخ ہے اور یہ مسئلہ نہایت دقیق ہے اور محتاج ہے طولانی بحث کا جب نتیجہ قطعی پیدا
ہوسکتا ہے اس لئے بخوف طوالت اسی قدر لکھنا کافی سمجھا گیا ہے - اب بعد اس کے جو لکھنا باقی ہے وہ
یہ ہے کہ قومی اتحاد اور اتفاق جو یورپ میں ہے اُسکا عشر عشیر بھی مشرقی ممالک میں نہیں ہے بلکہ جہانتک
دیکھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یورپی قوموں کی کارآمد خوبیوں کی تقلید تو کی نہیں جاتی بلکہ وہ تقلید کی جاتی ہے
جو ان کے تاریخی حالات کے بالکل خلاف ہے یعنے اونکا لباس اور اُن کی ٹوپی اور کاٹھی والے گھوڑے
پر بیٹھ کر اپنے جسم کو اُچھال اُچھال کر دوڑانا اور گرمی کے موسم میں بھی بگھی پر بیٹھنا اور سانٹا ہاتھ میں لینا
اور کل پاؤں پڑا لکر بگھی ہانکنا اور انگریزی لہجہ میں باتیں کرنا بس یہ سیکھا ہے اور اسی پر فخر ہے - اور
انگریزوں کو دیکھو کہ اُنھوں نے انکا لباس تو اختیار نہیں کیا اور کیوں کریں - وہ کبھی اپنے قومی لباس کو
ترک نہ کرینگے اور یورپین مادہ پرستی کا اثر ہندوستان کے بعض مصنفین پر ایسا ہوا ہے کہ اون کی
تصنیفات تاریخی وغیرہ میں مادیات کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا -

حال مین لندن ٹائمز یا پنیر ایسٹ کے نامہ نگار نے افریقہ سے لکھا ہے کہ یہان ہزار ہا آدمی عیسائی ہو گئے تھے مگر یکایک اسلامی روحانی طاقت نے وہ اثر کیا کہ اب مسلمان ہو رہے ہین اور جب اُنسے دریافت کیا گیا کہ اسکی وجہ کیا ہے تو اُنھون نے کہا کہ عیسائیت مین سوا مادیت کے روحانیت نہین ہے اس لئے ہم نے اُس کو چھوڑ دیا ہے اور روحانی مذہب اسلام کو اختیار کر رہے ہین :-

باب ہفتم

قیاسات

روحانی اور وجدانی قیاس ایک اور روحانی و وجدانی کرشمہ تاریخ مین قیاس کے دخل کا ہے جسکا تجربہ بھی موید رہتا ہے مثلاً اکبر اعظم اور نواب حیدر علی خان نایک اور شیر پنجاب رنجیت سنگھ کہ پڑھے نہ تھے مگر اول الذکر اکبر دربار مین ایسی مدبرانہ موشگافی کرتا تھا کہ پڑھے لکھے لوگون کو حیرت ہوجاتی تھی اور نواب حیدر علی خان کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے نام مین ہاے حطی اُلٹکر لکھدیا کرتے تھے - ایک منشی جو دستخط کراتا تھا وہ یہ دیکھ کر مُسکرایا اس پر بادشاہ نے کہا کہ غلام کیا مُسکراتا ہے اس کہنے سے اُس منشی کے چہرہ کا رنگ بدل گیا اس حالت کو دیکھکر نواب حیدر علی خان نے کہا کہ رنج اور غصہ نہ کرو مسلمانون مین بی بی فاطمہ رضؓ کے مقابلہ مین سب عورتین کنیز ہین اور حسنین علیہم السلام کے مقابلہ مین سب مسلمان مرد غلام ہین اور مین بھی غلام ہون رنج کا کوئی محل اور موقع نہین ہے باوجود ان حالتون کے انگریزون کے مقبوضات کا رنگ جب نقشہ مین یہ ہر دو مدبر دیکھتے تھے تو یہی کہتے تھے کہ یہ رنگ سارے ہندوستان مین پھیلکر رہے گا - چنانچہ دیکھنے والے دیکھ چکے اور اب بھی دیکھ رہے ہین کہ وہ رنگ کیسا پھیلا ہوا ہے اور پہلے سمجھنے والون مین انھین دونون مدبرون نے جو قیاس قائم کیا تھا وہ پورا اُترا اب علاوہ ان صاحبان دولت و حکومت کے اُس مہترانی کو دیکھو جس کی نسبت مشہور ہے کہ ایک روز اُسنے عالمگیر کو دیکھا کہ دکن کی جانب رُخ کئے ہوے بیٹھا ہوا اپنی مونچھون کو مروڑ رہا ہے اُسنے باہر آکر یہ مشہور کیا کہ بادشاہ دکن پر چڑھائی کرنے والا ہے - یہ افواہ اُڑتے اُڑتے جب عالمگیر کے کان تک پہونچی تو اُسنے کہا کہ اس ارادہ کا اظہار مین نے آجتک کسی سے نہ کیا تھا یہ ارادہ کس طرح پر مشہور ہوگیا - تحقیقات کا حکم دیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مہترانی جس نے اس بات کی شہرت دی تھی بلاکر حضور مین بادشاہ کے پیش کیگئی - بادشاہ نے اُس سے

دریافت کیا کہ تو نے شہر میں یہ کس طرح مشہور کر دیا کہ بادشاہ دکن پر چڑھائی کرنے والا ہے اور تجکو یہ کس طرح
معلوم ہو گیا اُسنے کہا کہ آپ بیٹھے ہوے دکن کی جانب اپنی مونچھون کو تاؤ دے رہے تھے اس سے مین نے
قیاس کیا کہ آپ دکن پر چڑھائی کرنے والے ہین - یہ سنکر عالمگیر نے کہا کہ بیشک اُس دن میرا ارادہ یہی تھا
جس کو مہترانی نے مونچھون کے مروڑنے سے سمجھ لیا تھا ایسے واقعات پہلے بھی بہت ہوچکے ہین اور اب بھی ہوتے
جاتے ہین مگر مادہ پرست مؤرخین اُن واقعات کو قصے اور کہانی مین شمار کرتے ہین - ابھی کئی سال گذرے ہین
کہ لارڈ کرزن کے زمانہ ویسرائی مین یکایک یہ خبر اُڑ گئی کہ وہ عراق جانے والے ہین اور خلیج فارس بھی جائینگے
خود لارڈ کرزن نے کہا کہ مین نے اپنے ارادہ کو کسی پر ظاہر نہین کیا یہ خبر کیونکر مشہور ہو گئی مگر اُسکی تحقیقات عمل مین
نہین آئی ورنہ کھل جاتا کہ قبل جانے کے یہ شہرت کس طرح پر ہو گئی - اسی طرح کا واقعہ لارڈ کچنر کا ہے کہ جب
وہ روس جانے لگے تو اس خبر کا اخفا اس درجہ کیا گیا کہ لندن مین کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کب جائینگے اور کہان
جائینگے مگر جرمنی کو معلوم ہو گیا اُسنے اُن کے جہاز کو تباہ کر کے اُن کو ہلاک کر دیا - اور یہ بھی ہوا کہ مجھ سے
ایک دن ایک شخص نے کہا کہ جرمن کا ایک جہاز بنگالہ مین آگیا ہے اُسوقت تک یہ خبر نہ کسی اخبار مین شائع
ہوئی تھی اور نہ کسی اور ذریعہ سے اسکا چرچا تھا اور نہ انگریزون کو معلوم تھا جو دُنیا کی خبر رکھتے ہین اُسنے جب
مجھ سے کہا تو مین نے کہا کہ آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا وہ یہ کہکر ساکت ہو گئے کہ مین نے سُنا ہے ابھی تین ہی چار
روز گذرے ہونگے کہ بنگال مین ایمڈن کا ظہور ہوا -

یہ واقعات قیاس اور عدم قیاس دونون پر مبنی ہین اور قیاس کی حالت یہ ہے کہ وہ ثبوت و عدم ثبوت
دونون پر محمول ہے مگر یورپ کی مادہ پرست قومین جب تک ثبوت نہو قیاس سے کام نہین لیتی ہین جیسا کہ
ماہرین جنگ اور مدبرین یورپ کو جب کسی ایسے واقعہ پر تیقن ہو جاتا ہے کہ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کی
سرحد پر غیر معمولی طور پر فوج جمع کر رہا ہے اور سامان جنگ بھی تو اُن کا قیاس بر بنا اس ثبوت کے
یہی ہوا ہے کہ کسی نہ کسی ملک پر حملہ ضرور ہو گا - اور ملکم صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب ایک بادشاہ دوسرے
بادشاہ کے سرحدی ملک مین چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا ہے اور سرحدی باشندون کو بھڑکاتا ہے تو اُس سے قیاس کرنا
چاہیئے کہ یہ اُس کے ملک کو لینا چاہتا ہے -

لیکن ایشیا کے باشندے خصوصًا ہندوستان کے یہ ملکہ رکھتے ہین کہ بغیر ثبوت کے قیاس کرتے ہین - اور
اس وجدانی قیاس کے مطابق واقعات پیدا ہوا کرتے ہین اس ملکہ کی نسبت تو ہم کہہ سکتے ہین کہ خداوند تعالٰے
نے ہم ایشیائیون کے حصہ مین ازل سے بلا شرکت غیرے سپرد کر رکھا ہے اگرچہ یورپ کی ترقی یافتہ مادہ پرست
قومون کی وجہ سے ہندوستان مین وجدانی و روحانی قوت انحطاط پذیر حالت مین ہو رہی ہے لیکن جو لوگ جاہل

اور ان پڑھ ہین اُن کو بھی یہ ملکہ قدرتًا حاصل ہے حقیقت مین تعلیم اور حصول تعلیم اکتسابی ہے اور مختلف زبانون مین اُسکو حاصل کرنا اور بات ہے اور دل و دماغ کی قوت اکی تاریخ خداداد ہے اور اس قوت کو قدرت نے ایک ملکہ ایسا عطا کر رکھا ہے کہ کبھی ایک جاہل اور ان پڑھ کی راے اور قیاس کے مقابلہ مین بڑے سے بڑے مدبرون کی راے جو اگر اور تجربہ جغرافیہ و رتینین کے حیلون سے مرکب اور مرتب ہوا کرتی ہے خلاف واقعات ہو جایا کرتی ہے اور جاہل اور ان پڑھ لوگون کا قیاس ٹھیک ہو جاتا ہے بلقان کی جنگ ابھی سب کو یاد ہے یونان و سرویا اور بلگیریا وغیرہ خاص اس غرض سے متفق ہو کر سلطان سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوئے اور سب نے ملکر جنگ چھیڑ بھی دی تھی کہ سلطان کو زیر کر کے اوسکا ملک آپس مین تقسیم کر لین ان سب مین بلگیریا نے بڑا دم خم اپنی پیش قدمی مین دکھایا تھا اور لوگون مین چرچا پھیلا ہوا تھا کہ سلطان کی فوجین سب کو زیر کر لینگی اُسوقت ایک جاہل اور ناخواندہ مسلمان نے مجھ سے کہا کہ عیسائی سلطان کے ملک سے نکلے یا نہین مین نے کہا کہ ابھی نہین نکلے ہین اُسنے جواب دیا کہ بس اب نہ نکلین گے اور جب نہ نکلے اور نہ اُنکا کوئی نکالنے والا ہے تو اُنھین کو کامیابی ہوگی چنانچہ وہی فتحیاب رہے اب یہ اور بات ہے کہ ڈاکوؤن نے لوٹا مارا مگر آخر کار تقسیم کے وقت اُنھین پھوٹ پڑ گئی اور لگے آپس مین لڑنے اس کے متعلق بھی ہندوستان کے ان پڑھ لوگون مین سے بہت سے لوگ پہلے سے یہ قیاس قائم کئے ہوے تھے کہ بعد کامیابی کے آپس مین یہ ضرور لڑ پڑین گے پھر یہ ہوا کہ لوگون نے کہنا شروع کیا کہ اب ترکون کو جو کچھ کرنا ہے وہ کر گذرین یہ بھی اس طرح پر پورا ہوا کہ انور پاشا نے بڑھکر اڈریانوپل پر قبضہ کر لیا یوروپین مدبر اور مؤرخ یہ کہتے رہے کہ ترک یورپ سے جاتے ہین مگر قدرتی نیرنگی دیکھیے جو کسی کے خواب و خیال مین بھی نہ تھی اُسنے ترکون کو اس طرح پر کامیاب کر دیا اس زمانہ کی تاریخ مین یورپ کے عیسائیون مین برخلاف اپنے مذہب و قوم کے اس درجہ تائیدی شور و غوغا ہو جاتا ہے کہ اصلی حالات مخفی ہو کر رہ جاتے ہین اور مبالغہ اور جھوٹی خبرین اُڑا کرتی ہین اس کے بعد جرمنی کی جنگ چھڑ گئی اس کے دوران مین طرح طرح کی خبرین اڑتی رہین - پڑھے لکھے حضرات مین سے کثرت سے لوگون کی یہی راے تھی کہ جرمنی ہی فتحیاب ہوگا مگر دو چار ان پڑھ لوگون نے کہنا شروع کیا کہ ابھی آغاز جنگ ہے انجام مین جس کو کامیابی ہو وہی کامیابی ہے اس لئے کہ جنگ دوسرا اور نہین معلوم قدرتی کرشمے کیا رنگ انجام مین دکھاتے ہین پھر انھین لوگون کے قیاس نے پلٹا کھایا اور رہا جو کچھ ہوا اب مسٹر ولسن صاحب کی جمہوریت کا رنگ پھیلا وہ یورپ مین آئے اور ایک عہدنامہ ہوا اور عہدنامہ کر کے چلے گئے مگر روس نے شرکت نہکی تھی اس پہ قیاس ہوا کہ سب کھیل بگڑ کر رہ جائیگا اور یہ ٹھاٹھ یونہین پڑا رہے گا - چنانچہ انجام مین یہی ہوا - اور اس جنگ کی کئی تاریخ بدلکر رہ گئی منطقی تاریخ کو عملی تاریخ نے بدلدیا کہتے ہین اور تاریخ اسکی مؤید بھی ہے کہ

اغراض اغراض کو کھا جاتے ہین اسکا ثبوت اس جنگ کی تاریخ سے بخوبی ہوتا رہا اب غرض غرض کو کیونکر
معدوم کردیتی ہے اور کھا جایا کرتی ہے اسکی مثالین بہت ہین۔ مگر ہم ایک مثال پیش کرتے ہین۔ اور وہ یہ ہے
یہ تو ہر مورخ جانتا ہے کہ عبیدیون کی بادشاہت اور خلافت کس زور شور کی تھی ایک زمانہ اُن کی بہار کا
تھا پھر خزان آئی کہ اُن کی حکومت ہی جاتی رہی۔ انکا العاضد لدین اللہ خلیفہ معزول و مجہول اور گوشہ نشین
ہو کر رہ گیا تمام کام ملک کا صلاح الدین کے سپرد تھا خلیفہ اسماعیلی شیعہ تھا اور اُسنے اپنے زوال کے متعلق ایک
خواب بھی دیکھا تھا بس وزیر نے یہ تجویز کی کہ مسلمانون مین دو خلیفہ نہین ہو سکتے اُسنے ایک محضر تیار کیا اور سادات
و علما و فضلا نے اس غرض سے اُسپر دستخط کیے کہ ہمارے وظائف اور جاگیرات مین اضافہ و ترقی ہو گی اب
یہ خلیفہ معزول کیا گیا اس کے بعد بغداد کے خلیفہ کا خطبہ پڑھا گیا اب عبیدی خلیفہ کا انتقال بھی ہو گیا اور جب
سلطان صلاح الدین کا استقلال ہوا تو انھون نے مناصب اور وظائف کی ترقی تو درکنار سابق کے وظائف بھی
بند کردیے اور یہ اسواسطے کیا کہ جب ایسے ایمان فروش اور نمک خوار قدیم اپنے آقاؤن کے وفادار نہ رہے
اور بوجہ خوشامد اور طمع و لالچ کے مین نے جو کچھ خلاف کیا اور کہا وہ ان لوگون نے کر دکھایا تو مجکو ان سے
وفاداری کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ یہی جو صلاح الدین نے کیا وہ اب بھی عقلمند حکمران اقوام کیا کرتی ہین یعنے
جب اُن کی غرض نکل جاتی ہے بس وہ طوطا چشمی اختیار کر لیتی ہین اور ایسے حضرات کو ذلیل و خوار خیال
کرتی رہتی ہین۔

اور ایسے اشخاص کو وہ عزت دنیا مین بلحاظ تاریخ کہان حاصل ہو سکتی ہے جو اُن وفادارون اور نمک
حلالون کو تاریخ نے عطا کر رکھی ہے۔ مثلاً صاحب قران امیر تیمور نے خود اپنی توزک مین لکھا ہے کہ قوم جبہ جس نے
ہم سے جنگ کی تھی جب اسکو شکست ہوئی تو اُس کے بہت سے قیدی میرے روبرو پیش کیے گئے وہ ایسے وفادار
اور نمک خوار اپنے بادشاہ اور سردار کے تھے انھون نے مجھ سے کہا کہ آپ ہم سب کو قتل کرنا چاہتے ہین قتل کرین
ہم راضی ہین مگر اپنے سابق بادشاہ کو چھوڑ کر ہم آپکے مطیع نہ ہونگے۔ صاحبقران نے اُنسے کہا کہ مین تم سب کو بخیال
اس کے کہ تم وفادار ہو اعزاز کے ساتھ نوکری دونگا لیکن انھون نے کہا کہ ہم آپ کی نوکری نہ کرینگے اسپر
امیر تیمور نے اُن سب کو چھوڑ دیا اور کہا کہ مین اسی وجہ سے انکو رہا کرتا ہون کہ یہ بڑے وفادار ہین۔ یہی
امتیاز وفادارون اور غیر وفادارون مین ہے اور یہی وہ بات ہے جس پر صلاح الدین نے عمل کیا تھا اس تحق
کا انھون نے صلاح الدین سے کیونکر عوض لینا چاہا اسطرح سے لینا چاہا کہ فرانس کی امداد چاہی اور سارا کام لے
اس طرح یہ پہلی غرض کو بھی اس غرض نے کھا لیا اور سابقہ رعایت جو خلفا نے اُن کے ساتھ کی تھی اسکو
بھولکر دوسری غرض کے متمنی ہوے تھے جسکا نتیجہ قدرتاً یہ ہوا کہ روحانی تاریخ نے انکو کامیاب نہ ہونے دیا

یہ بھی غور کیجئے کہ روس انگریزون کا دوست ہوا اور جرمنی سے جنگ کی پھر انگریزون کے خلاف ہوگیا اور
جرمنی سے صلح کرلی اور اب انگریزون کے خلاف ہوکر ایران اور افغانستان سے عہدنامہ کرچکا ہے۔ یہ
عجیب بات ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ ایشیا مین بھی عظیم الشان جنگ ہوکر ایشیا کی تاریخ کو تبدیل
کردے گی اب جو جنگ یورپ مین ہوچکی ہے اُسکی تاریخ نے فاتح ومفتوح کو ایک ہی سطح افلاس وضعف
پر لاکر کھڑا کردیا ہے مگر ابھی تک اخباری واقعات مصنوعی ونمایشی ومبالغہ آمیز آرہے ہین اور اُنسے ہندوستانی
اپنے قیاس سے یہی نتیجہ پیدا کررہے ہین کہ یورپ کی جنگ کرنے والی قومون مین مدافعت کی طاقت ہو تو
ہو حملہ کی طاقت نہین معلوم ہوتی۔ اور قومین ہین کہ وہ اپنی حشمت وجلالت کو برابر نمایشی پیرایہ مین ظاہر کررہی
ہین۔ حالانکہ زمانہ علی تاریخ کو پسند کرتا ہوا چلا آتا ہے۔ نہ کہ اُس تاریخ کو جسمین مصنوعی واقعات ونمایشی جھوٹی
خبرین درج ہون اور گذشتہ قومون کی تاریخ نے جو سبق دے رکھا ہے کہ جب منڈھتی ہے تو بجتی خوب ہو
مگر جب زیادہ زمانہ گذر جاتا ہے تو پھر ڈھول کے اندر پول کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا یہ تاریخ کی صداقت ہر زمانہ
کی ترقی وتنزل کے مدارج کے مطابق ہوا کرتی ہے اور یہ سچ ہے کہ یورپ کی ہر قوم جسکو مفتوحہ ممالک سے
تعلق ہے اُسکو اُن ممالک کے باشندگان غیر اقوام کی نظر مین حقیر وذلیل نہین ہونا چاہیے اور اسی لئے نمایش کا
اظہار ہوتا رہتا ہے اور وہ اخبار پیش کئے جاتے ہین جنکا بہت سا حصہ خالی از صداقت ہوتا ہے۔ مگر
استدلال کرنے والون کو انھین واقعات کو لینا چاہیے جو قومون کے طرز عمل سے ظاہر ہوتے ہون نہ کہ اون کی
نمایش وتصنع اور بناوٹ پر خیال کرنا چاہیے ان قومون کی حالت اُن درختون کی حالت سے مشابہ ہو جو
جنگ کی خزان سے پژمردہ ہوکر رہ گئے ہین اُنکی سرسبزی وشادابی کے لئے مدت دراز درکار ہے اس جنگ نے
عورتون کی تاریخ کو بھی بدل دیا ہے اور توالد وتناسل مین تنزل کے ساتھ عظیم تغیر پیدا کر رکھا ہے اور امراض کا
علاج تو ممکنات سے ہے مگر یہ علاج دشوار ہے اس لئے کہ لاکھون آدمی جنگ مین ہلاک ہوے ہین۔ اور
ناکتخدا لڑکیان اور بیوائین لکھو کھا بیٹھی ہوئی ہین۔ یہ سب واقعات ایسے ہین جنکو قدرت نے پیدا کیا ہو
واقعات کی رنگ آمیزی سے کیا ہو سکتا ہے۔ کیا خوب ایک شاعر اپنی روحانی اور وجدانی قوت سے
کہہ گیا ہے۔ ؎

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

اب اس جنگ کے نقصانات کے ثبوت مین اُس مضمون کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو مسٹر ولنسن بیری صاحب نے
اخبارون مین شائع کرایا ہے۔ اول اُنھون نے اپنے مضمون کے عنوان مین یہ لکھا ہے کہ جنگ سے پرہیز کرنا چاہیے

ورنہ ہم فنا ہو جائینگے۔

ماخوذ از اخبار الامان دہلی مطبوعہ ۱۱ر جولائی سنہ ۱۹۲۲ء

یہ جنگ عظیم جو جرمنی اور دیگر دول یورپ سے ہوئی تھی اُسمین برطانیہ کلان اور دیگر دول یورپ کے فوجی سپاہی حسب ذیل مقتول ہوئے۔

ملک								
برطانیہ کلان	کے	آدمی	۱۰	لاکھ	۶۲	ہزار	۷۴۹	مقتول ہوئے
فرانس	″	″	۱۰	″	۷۱	″	۵۰۰	″
اٹلی	″	″	۵	″	+		+	″
روس	″	″	۱۵	″	+		+	″
جرمنی	″	″	۱۴	″	+		+	″
اسٹریا	″	″	۸	″	+		+	″
امریکہ	″	″	+		۴۰	ہزار	۵۶۴	″

ان کے علاوہ دو کرور آدمی معذور وا پاہج ہوگئے جنکا شمار زخمیون وغیرہ مین ہے اور مضمون نگار نے ترکون کو چھوڑ دیا ہے۔ پھر مالی نقصانات کا ذکر اس طرح پر کیا ہے کہ جرمنی سے اتحادیون نے سترہ ۱۷ ارب بہتر ۷۲ کروڑ پونڈ کا مطالبہ کیا تھا اور برطانیہ کا قومی قرضہ سنہ ۱۹۰۴ء مین ۶۶ کروڑ ۴ ۱ لاکھ ۳۰ ہزار ۷۶۵ پونڈ تھا مگر اب ۱۷۔ ارب ۹۰ کروڑ پونڈ ہے۔ فرانس کا قومی قرضہ قبل از جنگ ایک ارب ۳۶ کروڑ ۷۰ لاکھ پونڈ تھا لیکن اب نو ۹ ارب ۵۳ کروڑ ۸۰ لاکھ پونڈ ہے۔ ہوائی حملون اور آبدوز کشتیون کے حملون اور آسمان سے بم پھینکنے کے حملون نے جن بے گناہ خواتین اور مردو معصوم بچون کو قتل کیا وہ اس کے علاوہ اور رعایا کا جو نقصان ہوا ہے اُسکو بھی مضمون نگار نے چھوڑ دیا ہے۔

ماخوذ از مدینہ اخبار ۹۔ جولائی سنہ ۱۹۲۲ء

برلن مین جو مردم شماری کے اعداد شایع ہوے ہین اُنسے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ مین عورتون کی تعداد مردون کے مقابلہ مین ڈھائی کروڑ زیادہ ہے اس لئے اُن ڈھائی کروڑ عورتون کی قسمت مین شمار کیا گیا ہی تجرد کی زندگی بسر کرنا لکھا ہی کہ یورپ مین مردون کی تعداد بائیس ۲۲ کروڑ پچاس لاکھ ہے اور عورتون کی تعداد پچیس ۲۵ کروڑ ہے اس لحاظ سے گویا فی ہزار مردون مین گیارہ سو گیارہ عورتین ہوتی ہین جنگ سے بیشتر فی ہزار اٹھتیس عورتین زیادہ ہوتی تھین روس مین جنگ سے بیشتر چار فیصدی عورتین زیادہ تھین۔ آجکل تیس فیصدی زیادہ ہین اور برطانیہ اور جرمنی اور آسٹریا اور فرانس و اٹلی مین بھی عورتون کی تعداد بہت زیادہ ہی لیکن جن غیر جانبدار ملک مین

اُن مین عورتون کی تعداد بہت زیادہ نہین ہے۔

اب غور کرنا چاہیئے۔ دوسری جانب اور وہ یہ ہے کہ اس زمانہ مین یہ عجیب قاعدہ ایجاد ہوا ہی اور ایسی تاریخین اسکولون اور مدارس وغیرہ مین پڑھائی جاتی ہین اور ان تاریخون مین سابق حکمرانون کے محاسن کم بلکہ بالکل بیان نہین کیے جاتے مین جہانتک ہوسکتا ہے اُن کے مظالم وجبر کا اظہار ہوتا ہے اور موجودہ حکمرانون کی انصاف رسانی ظاہر کی جاتی ہے اور اس طرح پر بہت سی مذہبی اور دیگر تاریخی صداقتین چھپادی جاتی ہین اسکا نام ملخص تاریخ رکھنا بیجا ہے یہ ایک ایسی پالیسی کی تاریخ ہوتی ہے جو انعام وغیرہ دیکر لکھوائی جاتی ہے اور داخل تعلیم کی جاتی ہے جب اصل تاریخون سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو روشنی و تاریکی مین امتیاز ہوجاتا ہے۔ الیٹ صاحب کی تاریخ ہند اور ہنٹر صاحب کی تاریخ مین یہی رنگ چڑھا ہوا پایا جاتا ہے اور مولوی ذکاء اللہ صاحب کی تاریخ مین بھی یہی تاریکی نظر آتی ہے علاوہ ازین انتظامی رپوٹون کا خلاصہ غور طلب ہے واقعات حقیقی کچھ ہوتے ہین اور ظاہر کچھ کیے جاتے ہین اور واقعی و حقیقی واقعات مخفی رکھے جاتے ہین۔ اگر اونکا اظہار ہوجاتا ہے تو وہ رد کردیے جاتے ہین۔ اور رپوٹون کے واقعات صحیح تسلیم کرائے جاتے ہین۔ بارہا یہ جھگڑے سرکار اور مفتوحہ لوگون مین اختلاف کا باعث ہوے ہین۔ دور کیون جایئے پنجاب مین جلیانوالہ حادثہ کی نسبت سرکاری تحقیقات کچھ ہے اور ہندوستان کے لیڈرون کی کچھ سرکار اونکی رپورٹ کو تسلیم نہین کرتی اور وہ سرکاری رپورٹ کو غلط قرار دیتے ہین خیال تھا کہ اس ترقی یافتہ عہد مین جہان اور علوم و فنون کی ترقی ہورہی ہے علم تاریخ کی ترقی روز افزون ہوتی رہے گی۔ ہمین کلام نہین کہ اس علم کی بھی ترقی ہے مگر پالیسیون کی بوقلمونی پر جن مورخین نے عمل قوم پرستی کے ساتھ کر رکھا ہے اُنھون نے اور مورخین کا بھی اعتبار کھو دیا ہے مشہور تھا کہ ایک گندی مچھلی سارے تالاب کو گندہ کرتی ہے یہان بہت سی مچھلیون نے گندہ کر رکھا ہے اور اُس خلاصہ نویسی نے تو یہ غضب ڈھا رکھا ہے کہ عمداً حقیقت مخفی رکھی جاتی ہے حکام وقت کے قومی اخبارات مین بھی اور اُنکی تاریخ مین بھی یہی دیکھا جاتا ہے اور ایک عجیب ڈکشنری تالیف ہوتی ہے جسکی امداد سے کونسلون اور پارلیمنٹون مین وزرا یہ کہہ دیا کرتے ہین جب اُنسے سوال کیا جاتا ہے کہ ابھی یہ معاملہ زیر غور ہے اور ہمکو کچھ معلوم نہین ہے۔ دریافت کیا ہے حالانکہ سب علم ہے مگر ٹال دیا جاتا ہے اور بہت سے اور فقرات اُس ڈکشنری مین ہین منجملہ اُن کے یہ فقرہ بھی تھا جو ایک سوال کے جواب مین پارلیمنٹ مین لارڈ جارج نے کہا کہ ایک امریکن کو روس مین صلح کے واسطے ہم نے نہین بھیجا تھا اور امریکن کہتا تھا کہ آپنے بھیجا تھا اور آپنے میری دعوت کی تھی۔ اور مین نے آپکے ساتھ کھانا کھایا تھا اور روس سے واپس آکر جواب دیا تھا اور اخبار جنگ مین لندن ٹائمز

نے چھاپا تھا کہ جنوبی کے ابتدائی حملہ مین کل برٹش فوج تلف ہوگئی اسپر انگلستان مین بڑا غوغا ہوا کہ لندن ٹائمز نے یہ غلط چھاپا ہے اس کو معافی مانگنا چاہیئے اور اپنی تائید دعوی کے واسطے وزیرون نے جنرل کی رپورٹ بھی شائع کی اسپر لندن ٹائمز نے یہ لکھا کہ ہمارے نامہ نگار نے جو دنیا کی لڑائیون مین شریک رہا ہے اُس نے غلط نہین لکھا ہے بلکہ وہی صحیح ہے جو ہم نے شائع کیا ہے اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ لندن ٹائمز نے جب دوبارا حملہ لارڈ جارج پر کیا جسکی تفصیل یہ ہے کہ لارڈ جارج نے فرانسیسی نمایندون کے رئیس سے جنیوا مین بیان کیا کہ اگر فرانس برطانیہ کے اتحاد العظیم پر اپنے اتحاد کو ترجیح دیگا تو فرانس سے جو اتحاد ہے اوسکا خاتمہ ہو جائیگا اس پر انگلستان کی پارلیمنٹ مین بڑے زور شور کے ساتھ بحث مباحثہ شروع ہوگیا اور کہا گیا کہ لندن ٹائمز نے یہ بالکل غلط لکھا ہے ایسا بیان لارڈ جارج نے نہین کیا اسپر اُس کے اڈیٹر نے جو جنیوا مین موجود تھا اُسنے لکھا کہ ہم نے جو کچھ لارڈ جارج کے بیان کے متعلق لکھا ہے وہ سب صحیح ہے اور یہ کی ملاقات مین اور باعلان دوسرے موقع پر بھی اُنھون نے بیان کیا تھا اس طرح پر یہ مسئلہ مختلف فیہ ہو کر رہ گیا اب صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے اسکا اندازہ ناظرین اُس جواب سے کرلین جو مسٹر چیمبرلین نے گورنمنٹ کی جانب سے دیا یعنے اُس وقت جب اُنسے سوال کیا گیا کہ ملاقات کے وقت جو یادداشت تحریر کیگئی ہے اُس کو پیش کیجیے تو یہ کہدیا گیا کہ جب لارڈ جارج واپس آئین گے تو اسکی وضاحت کرین گے یہ گویا ٹالدینا تھا جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقی واقعات پر کس طرح پر پردہ ڈالدیا جاتا ہے اور یہی باتین وہ ہین جو آیندہ تاریخ کو تاریک کرنے والی ہوجایا کرتی ہین اور یہ تو مسلم ہے کہ جب کسی فوج پر دشمن کی فوج حملہ کرتی ہے تو حملہ آور زیادہ ہلاک ہوتے ہین مگر اُس ڈکشنری مین یہ فقرہ ہے کہ انگریزی فوج جب حملہ کرتی ہے تو اس کے کم آدمی ہلاک ہوتے ہین اور دشمن جس پر حملہ کیا گیا ہے اُس کے زیادہ اور جب دشمن حملہ کرتا ہے تو اُس کے زیادہ اور کمینگاہ مین جو فوج ہے اُسکے کم اور یہی ہے کہ جب دشمن کو شکست ہوتی ہے تو بڑے شد و مد سے لکھا جاتا ہے کہ دشمن فرار ہوگیا اور جب اس کے خلاف عمل مین آتا ہے تو روٹر یہ تار بھیجتا ہے کہ فوجون نے باتہذیب و باترتیب اور باقاعدہ مراجعت کی ہے اسی طرح کے اور فقرات بھی ہین جو روٹر کے تار کی خبرون کو مضحکہ انگیز کئے رہتے ہین اور تاریخ کو تاریک کئیے ہوے ہین۔

باب ہشتم

قدرتی نیرنگیان

قدرتی علامات | قدرتی عجائب و غرائب حوادث و علامات کے ظہور پر ایک زمانہ مین کل دُنیا کے لوگ

نیک فالی اور بد فالی کا بہر حال کر رہی ہے اور سلطنتون پر انقلاب پیدا ہونے کا بھی تاریخون مین ذکر پایا جاتا ہے مگر اُن کے آثارات کیا کیا ہین۔ ان پر ہمیشہ سے بحث ہوتی ہوئی چلی آتی ہے لیکن قطعی نتیجہ پر کوئی نہین پہونچا ہے اور کیونکر پہونچ سکتا ہے جبکہ انسان کو پورے طور پر اُسکا علم حاصل نہین ہے ہان یہ ضرور ہوتا رہا ہے جبکہ ایسے حوادث پیش آتے ہین۔ یعنے جب کبھی دنبالہ دار تارے وغیرہ نمودار ہوے ہین یا اور کوئی علامت[1] پیدا ہوئی تو اُس کے ظہور کا تذکرہ تاریخون مین ہے اور اُس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اتفاقی واقعات مین انکا شمار کیا گیا ہی اور لیس حبیب اکلیم صاحب نے اپنی ایران کی تاریخ مین خاندان صفویہ کے عروج وزوال کے متعلق جہان اور اسباب بیان کیے ہین وہان افغانون کی فتوحات ایران کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے اس طرح پر کہ جہان ایرانیون کی بدنصیبی اور حماقت کے اور بہت سے آثار تھے وہان ایک یہ بھی تھا کہ جب کبھی اتفاقاً کوئی بات ہوتی تھی تو اُسکو اپنی بد اعتقادی کے موافق نیک فالی اور بد فالی کی علامت قرار دیکر طرح طرح کے خیال کرتے اور منصوبے باندھا کرتے تھے ایک روز اتفاق سے آسمان پر گرد وغبار چھا گیا اور آفتاب بہ نسبت اور دنون کے سُرخ ہوگیا اور یہ بھی تھا کہ وہ صاف شفاف معلوم ہوتا تھا ایرانی یہ کیفیت دیکھ کر نہایت خائف ہوے اور نجومیون کو بُلا کر دریافت کیا سب نجومیان نے متفق ہوکر یہ راے دی کہ آسمان کی اس قہر آلود رنگت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج اصفہان پر کوئی آفت آنے والی ہے غالبًا آتش زدگی ہوگی کہ اُس سے جلکر خاک سیاہ ہوجائیگا یا زلزلہ آئے گا کہ اُس سے تباہ ہوکر رہے گا اس پیشینگوئی پر سب ایرانیون نے اعتقاد کیا اور سمجھے کہ یہ سب ہمارے اعمال کی سزا ہے ہم کو چاہیئے کہ ہم اپنی حرکتون سے باز آئین اور خداوند تعالی کی جناب مین توبہ کرین شاید اس بلاے آسمانی سے نجات پاوین پس سلطان حسین کے حکم کے موافق جتنی عورتین شہر مین فاحشہ تھین وہ سب نکالدی گئین اور شراب وغیرہ کی ممانعت کردی گئی اور جا بجا واعظ مقرر کیئے گئے تاکہ لوگون کو وعظ ونصیحت کی باتین سنا کر ڈرائین اور گناہون سے بچائین سلطان حسین نجومیون کی زبانی یہ خوفناک پیشینگوئی سُنکر ڈر گیا اس لئے وہ معہ اپنے خاص خاص سردارون اور خواجہ سرائون اور بیگمات کے شہر کے باہر جاکر خیمہ زن ہوا اُسوقت مین تمام ایرانیون پر یکایک خوفناک حالت طاری ہونے سے یہ کیفیت معلوم ہوتی تھی کہ گویا ایک بڑا گروہ نزع کی حالت مین مرنے کے لیے آمادہ ہے اسی عرصہ مین جب اُن کو یہ خبر پہونچی کہ محمود افغان پچیس[25] ہزار آدمیون کی فوج لے کر جنمین بہت سے بلوچستانی بھی

---

[1] بعہد متوکل ۲۴۳ھ مین بمقام حلب ایک پرند از زاغ سے بڑا آکر بیٹھا اور یہ شور مچایا ایہا الناس اتقوا اللہ چالیس[40] مرتبہ یہ آواز لگائی اور اُڑ گیا۔

اُس کی مدد کے لئے شامل ہین - ایران مین داخل ہو گیا ہے تو یقیناً اُنھون نے یہ ایک علامت اپنی تباہی کی خیال کی جسکا اندیشہ اُن کو پہلے سے تھا۔

یہ نتیجہ جو ملکم صاحب نے نکالا ہے یا جو کچھ نجومیون نے سمجھا تھا وہ صحیح تھا یا غلط تھا اسپر بحث نہین ہے جو بات غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ افغانون کے حملہ ایران سے جو خونریزی ہوئی اور دس لاکھ ایرانی ہلاک ہوے اور تمام ملک تیرہ و تار ہو گیا وہ اُسی علامت کا نتیجہ کیون نہ سمجھا جائے ملکم صاحب نے خود بھی ایران کی خوفناک حالت کا اور تباہی کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور ایسے واقعات لکھے ہین جنکو دیکھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین۔ علاوہ ان کے گبن صاحب نے جو تاریخ سلطنت روما کے زوال و عروج کی لکھی ہے اُسمین دنبالہ دار ستارون کے متعلق اشارہ کیا ہے اور منجملہ اور اسباب کے یہ بھی ایک سبب اُس سلطنت کے زوال کا قرار دیا ہے پھر یہ کیا تھا جسکا ذکر تاریخ روضۃ الصفا مین ہے ۔ کہ قبل[۱] اس کے کہ بغداد پر ہلاکو خان کا حملہ ہو روضۃ الصفا کا مورخ لکھتا ہے کہ ایک چڑیا[۲] آکر جو کبھی نہین آئی تھی بولا کرتی تھی اور پھر اُڑ کر چلی جاتی تھی اسپر لوگ کہتے تھے کہ یہ کیا بات ہے کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے ۔ جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تو عباسیون کی خلافت تباہ ہو گئی اور اس بڑی خونریزی کے بعد پھر وہ چڑیا کبھی نہین آئی تاریخون مین ایسے واقعات کثرت سے پائے جاتے ہین جو معمولی نہین ہین اور غیر معمولی ہین اسی سے اُن علامات کی وجہ سے جو حادثات بعد مین پیش آتے رہے ہین اُنسے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ جب کبھی جن ملکون مین ان علامات کا ظہور ہو گا اُسکا نتیجہ بھی خوفناک ہو کر رہے گا اور یہ بھی دیکھا گیا ہے اور تاریخون سے پایا جاتا ہے کہ ایک ہی سال کے اندر ایسے علامات کے نتائج ظہور پذیر نہین ہوتے ۔ علامتین تو جاتی رہتی ہین اُس کے تین چار سال کے بعد ایسے حادثات ظاہر ہوتے ہین کہ وہ بطور یادگار تاریخون مین درج کر دیے جاتے ہین۔

---

[۱] بعہد قائم بامر اللہ ایک ستارہ چاند کے برابر نمودار ہوا اور دس راتون کے بعد غائب ہو گیا اور بعہد ابو المنصور یہ دوبارہ پھر نمودار ہوے اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی قبرین ظاہر ہوئین اجسام بدستور صحیح و سالم تھے۔

[۲] بعہد طائع باللہ عمان کے کنارہ سے ایک چڑیا ہاتھی کے برابر ظاہر ہوئی اور تین مرتبہ بآواز بلند کہا کہ امر قریب آ گیا ہے تین دن تک وہ یہی کہتی رہی اور پھر غائب ہو گئی۔

باب نہم

حق وباطل

دین ودنیا | صدر مین حق وباطل کی تاریخ کا ذکر ہو چکا ہے اب یہ دیکھنا چاہیے کہ انبیاؑ واولیاءؒ اور اوصیا اور دیگر پیشوایان دین اور محبان قوم ووطن پر کیا گذر چکا ہے تاریخ کی صداقت سے تو کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ ان ہادیان دین ومذہب اور لیڈران قوم کی ذاتی غرض اپنے عروج واقتدار حکومت قائم کرنے کی نہ تھی وہ غریب تھے اور اونکی کوشش اسوجہ سے تھی کہ لوگون کے نفوس کی اصلاح ہو اور جو کام وہ کرنا چاہتے تھے وہ محض لوگون کے فائدے کے واسطے تھا مگر اُن کے مقابلہ مین ایک گروہ اعظم دنیا پرستون کا تھا اور اس گروہ مین بادشاہ اور اُن کے عہدہ دار اور نوکر چاکر سبھی شامل تھے یہ عجیب بات ہے کہ جنکو پیشوایان دین وقوم فائدہ پہونچانا چاہتے تھے وہ اُن کی تائید تو کرتے نہ تھے بلکہ اُن کے سبب سے اُن کو ایذائین پہونچتی تھین اور ہلاک کئے جاتے تھے اور تاریخ سے کہین یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ بادشاہان سے جنگ کرنا چاہتے ہون اور ملک گیری اور ملک داری اُنکا مقصد ہو کوئی زمانہ ایسا نہین گذرا کہ زبردستون کی وجہ سے زیردست مجبور اور پریشان اور ہلاک نہ کئے گئے ہون اور ہم نے یہ لکھا ہے کہ انبیاؑ وغیرہ کی غایت ملک گیری کی نہ تھی اور نہ ملک کے واسطے اُنھون نے کبھی سے جنگ کی ہے اس کے ثبوت مین حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی تاریخی سرگذشت جو باب الخروج توریت مین درج ہے پیش کی جاتی ہے جس سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ بنی اسرائیل تو دین پرست تھے اور فرعون اور اُسکا دربار دنیا پرست اور ان دونون قومون مین اختلاف قومی ومذہبی بھی تھا مگر اُس زمانہ کے فرعون کو بنی اسرائیل سے یہ اندیشہ ضرور ہو گیا تھا کہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد کی کثرت سے میرے ملک مین زوال آجائے گا۔ اس لیے اُسنے اُن کو مغلوب کر رکھا تھا اور اُن کو بطور غلامون کے خیال کر کے اُنسے بیگار بھی لیتا تھا بس خداوند تعالی نے اُن کو رہا کرنے کے لیے حضرت موسیٰ وہارون علیہم السلام کو فرعون کے پاس بھیجا۔ ناسخ التواریخ مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب یہ دونون رسول بارگاہ فرعون مین پہونچے تو غریبون کے لباس مین تھے اور اُن کے پائے مبارک مین وہ جوتے تھے جو اُس زمانے مین بنائے جاتے تھے کئی روز تک اُس بارگاہ مین پڑے رہے آخر فرعون کو اُسکے درباریون نے خبر دی کہ دو کنعانی مسافر کئی روز سے آئے ہوے ہین۔ اور وہ حاضر ہونا چاہتے ہین اُسنے دونون کو اپنے حضور مین بُلایا۔ حاضر ہونے پر اُنسے اور فرعون سے سوال وجواب ہوے کبھی فرعون

غصہ مین ہوکران مقبول بندون کو دربار سے نکلوا دیتا تھا مگر یہ رُکتے نہ تھے پھر جاتے تھے اور گفتگو کرتے تھے رفتہ رفتہ نتیجہ یہ ہوا کہ فرعونیون کو کئی مرتبہ قہر ایزدی مین مبتلا ہونا پڑا اور آخر آپ بنی اسرائیل کو نکال لے گئے اور فرعون کی فوج رود نیل مین غرق ہو کر رہ گئی یہ کشمکش و مناقشہ ملک گیری کے واسطے ہرگز نہ تھا صرف اپنی قوم کو غلامی سے آزاد کرنے کے لئے تھا علیٰ ہذا حضرت ابراھیم علیہ السلام کوفہ کے مضافات مین ایک قریہ کے رہنے والے تھے مگر حکومت کے خوف سے انکو بھی شام مین جانا پڑا اور قحط سالی کی وجہ سے مصر مین بھی آپ تشریف لے گئے لیکن آپ کے زمانے مین بھی کوئی ملکی قضیہ پیش نہین آیا اب یہ مناقشات باختلاف قومی و مذہبی تو ہمیشہ سے چلے آتے ہین۔ مگر محدود تھے فیما بین غیر اقوام اور غیر مذاہب کے لیکن مسلمانون کی خلافتی تاریخ اور اسلامی مختلف فرقون کی تاریخ نے کچھ اور ہی حالت پیدا کر رکھی ہے مسلمانون مین باہم کشت و خون ہوتا رہا جس کے باعث اس کثرت سے مسلمان ہلاک ہوے ہین کہ مختلف امراض سے ہلاک نہوے ہون گے اور بعہد یزید جناب امام حسین علیہ السلام سے جو معرکہ کربلا مین پڑا اوسنے اُس تاریخ کو زندہ کر دیا کہ اہم اقوام کی بہبود و مذہب کے قیام کے لئے گذشتہ زمانہ مین درمیان انبیاء و اولیاء اور بادشاہون کے کس طرح پر مناقشات ہوا کئے ہین اور انکا نتیجہ کیا ہوا اور بعد اُن سب کے مظلوم کربلا نے اپنی کردار و گفتار و رفتار سے اسلام و اہل اسلام کو کس طرح پر محفوظ رکھا ہے جسکو ایک شاعر نے اس طرح پر نظم کیا ہے ؎

سر داد نداد دست بر دست یزید

حقا کہ بناء لا الٰہ ہست حسین

اس کے علاوہ تاریخ یہ بھی تو بتاتی ہوئی چلی آتی ہے اور آیندہ بھی آگاہ کرتی رہے گی کہ جو سچے اور مقبول بندہ دُنیا مین ہوگذرے ہین اور اب بھی موجود ہین اُن کو کچھ بھی قید اور اپنی موت کا خوف نہین ہوتا اور نہ کبھی صداقت شعاری و راستبازی کے خلاف اُنکا قول و فعل پایا گیا اور جو بات ایک مرتبہ کہہ چکے وہی کلمہ حق ان کی زبان پر جاری رہتا ہے اگر وہ ان صفات سے موصوف نہوتے یا نہون تو اُن مین اور منافقین اور دنیا پرستون مین کسطرح کا امتیازی فرق نہوتا مسیح کے حواریون پر خیال کرو کہ اُن پر کیسا ظلم ہوا مگر جو کہا تھا وہی کہتے رہے اور پھر دیکھیے کہ کربلا مین کیا ہوا مگر جب اہلبیت نقید ہو کر شام مین پہونچے تو یزید کے دربار مین یزید کے روبرو انکو کھڑا ہونا پڑا اُن کو ذرا بھی خوف اپنی ہلاکت اور قید کا نہین ہوا اور برابر کلمہ حق کہتے رہے اور ابن زیاد اور حجاج ثقفی کے روبرو بغیر خوف حضرت قنبر وغیرہ نے ہرگز کلمہ حق کو ترک نہین کیا اور رشید اور میثم تمار نے کلمہ حق سے گریز نہ کیا تھا۔ اور جب ابوذر غفاری شام مین پہنچے تو بوجہ عناد امیر شام نے خلیفہ ثالث کو لکھا کہ یہ یہان آپکے خلاف بیان کرتے ہین اسے

ملاحظہ ہو ترجمہ تمدن اسلام حصہ دوم مولفہ جرجی زیدان بحوالہ ابن الفقیہ

نقض امن کا اندیشہ ہے بجواب اس کے اُن کو لکھا گیا کہ انکو روانہ کرنا چاہیے وہ بے کاٹھی کے اونٹ پر سوار کئے گئے اور انکو مکہ روانہ کیا گیا جب اُن سے جواب طلب ہوا تو انھون نے وہی کہا جو کہا کرتے تھے وہ مقام زبدہ مین جلاوطن کئے گئے اور وہین انتقال کیا۔

باب نہم

خلافت و امامت کی تاریخ

خلافت اور امامت یہ آخر الذکر واقعہ جو لکھا گیا ہے خلافتی جھگڑے کے متعلق ہے اور حضرت امام مظلوم کا مافی الضمیر جو کچھ ہو مگر یزید کا منشا یہی تھا کہ آپ کی ہستی اگر قایم رہے گی تو میری خلافت یعنی بادشاہت کا زوال ضروری ہے اس لیے اُسنے بیعت یعنے اطاعت قبول کر لینے کا سوال پیش کیا جس کو آپنے قبول نہ فرمایا اور یہ قبول اور عدم قبول کی حالت فریقین مین ایسی ہوا کرتی ہے جس سے کہ جھگڑے پیدا ہوا کرتے ہین اور اسی کو تاریخ ہمیشہ سے آگاہ کرتی ہوئی چلی آتی ہے اگر فریقین کا منشا متحد ہوتا تو پھر لڑائی اور جھگڑے کبھی دُنیا مین نہوتے اور یہ خلافت کا مسئلہ مسلمانون کی تاریخ مین بعد پیغمبرؐ جو پیدا ہو گیا تھا اُس نے صدیون تک تاریخ کے صفحات کو خون آلود کر رکھا تھا اب اول تو اس مقام پر امامت و خلافت مین جو فرق ہے وہ بیان کیا جاتا ہے اور یہ بیان اسواسطے ہے کہ امامت مین ایک بڑا حصہ روحانیات کا شامل ہوتا ہے[1] اور تاوقتیکہ حکومتی اقتدار حاصل نہو خلافت کا اطلاق نہین ہو سکتا۔ یعنے امام خلیفہ ہو سکتا ہے اور جن خلفا مین روحانیت نہتی وہ امام نہین ہو سکتے۔ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ مین امامت کے متعلق کچھ اسیطرح کا شک ظاہر کیا ہے مگر اُس کو وضاحت سے بیان نہین کیا۔ لیکن ہم نے کتاب حقائق المذاہب مین اسکو بہ تشریح لکھدیا ہے یعنے جب تک پیغمبر آخر الزمانؐ مکہ معظمہ مین تشریف رکھتے تھے اُسوقت تک کچھ بھی ملکی اقتدار آپ کو حاصل نہ تھا اور آپ کی رسالت مین کہنا چاہیے کہ صرف امامت شریک تھی بعد ہجرت از مکہ معظمہ بمدینہ منورہ ایک طرح پر ملکی اقتدار حاصل ہوا اور بعد آپکے وہ امامت خلافت پر منتقل ہو گئی اور شیعہ

[1] قرآن مجید مین لفظ خلیفہ و امام جن آیات مین استعمال ہوا ہے وہ ذیل مین درج کئے جاتے ہین سورہ بقرہ آیۃ (۱۱۸) واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین۔

سُنّی کی تفریق ہوکر امام خلیفہ اور خلیفہ امام قرار پایا۔ محقق نصیر الدین طوسی نے اپنی کتاب اخلاق ناصری مین ایک حکیم کا جو قول نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ دین وحکومت توام ہین۔ اور یہی وہ بات ہے جسکو ابن خلدون نے لکھا ہے کہ خلافت صاحب شریعت کی نیابت کو کہتے ہین اور اسکا کام حفظ دین وسیاست دنیا دونو توام ہین۔ پس مکہ مین جو خلافت قائم ہوئی تھی اسکا کام یہ تھا کہ تعلیم مذہبی کی تبلیغ ونگرانی کرے اور دولتمندون پر بانی اسلام نے زکوٰۃ وخمس کا ادا کرنا فرض کیا تھا اُنسے اُن اشیاء مقررہ کی تحصیل کرے اگر وہ ادا نہ کرین تو حکومت اُنکو سزا دے دوسرا کام خلافت کا یہ تھا کہ بڑے بڑے شہرون مین جو حکام مقرر کیے جاتے تھے اُن کو ایماندار ہونا چاہیے تھا وہ مسجدون مین امامت کرتے تھے، اور جو شعائر اسلام تھے اُسکی نگرانی اُن کے ذمہ تھی۔ تیسرا کام خلافت کا یہ تھا کہ جس قدر زکوٰۃ وخمس کا مال آتا تھا وہ ذی حق اشخاص پر تقسیم کردیا جاتا تھا علاوہ ان کے اور شرعی احکام کی تعمیل بذریعہ خلافت ہوا کرتی تھی چوتھا کام یہ بھی تھا کہ حجاج کے واسطے جو خدمات مقرر ہوچکی تھین اُن کی نگرانی کی جائے یعنے چار خدمتین تھین جنمین سے ایک وہ تھی کہ حاجیون کو کھانا دیا جاتا تھا اور دوسرے یہ تھی کہ اُن کے واسطے پانی کا انتظام کیا جاتا تھا کھانے کا انتظام حضرت ابوطالب[ل] کے سپرد تھا اور سقایت کا انتظام حضرت عباسؓ کو اور تیسری خدمت شورہ کی تھی جو بنی امیہ کے سپرد تھی اور چوتھی خدمت کعبہ کی حجابت تھی جو شیبی خاندان کو تفویض تھی اور پانچوین علم کی تھی۔ اب ان خدمتون مین سے دو خدمتین باقی رہ گئی ہین۔ ایک آب زمزم کی تقسیم اور دوسرے حجابت کعبہ کی باقی دو خدمتین اب نہین ہین اور یہی امور ایسے ہین جنسے ثابت ہوتا ہے کہ خلافتون کے انقلاب کے ساتھ ہی ساتھ ان خدمتون مین بھی انقلاب ہوتا رہتا اور شورہ اور لواے علم کی خدمت تو اقتداری زمانہ اسلام مین پہلے ہی بنی امیہ سے لے لیگئی تھی اور اسطرح پر تاریک تبدیل ہوگئی تھی اور یہی جرجی زیدان بھی حصہ دوم تمدن اسلام مین لکھتے ہین کہ عہد اسلام مین بنی امیہ کے تمام مناصب چھین لیے گئے تھے جنمین لوا اور ندوہ بھی تھا۔ بعد اس بیان کے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ تاریخ نے خلافتی انقلاب کیا کیا ئے ہین۔ ایک زمانہ تھا جب مکہ مین خلافت قائم تھی جسکو ایک فرقہ خلافت راشدہ کہتا ہے مگر جب مکہ شریف سے دمشق مین منتقل ہوکر آئی تو اس خلافت کو بعض بادشاہت قرار دینا چاہیے اور جب دمشق سے بغداد مین منتقل ہوئی تو آل عباس کی خلافت تھی اور ایک

[ل] چونکہ آپ ہاشمی تھے اور ہاشم کے معنے ٹکڑے ٹکڑے کے ہین اور روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جاتے ہین اس اضافت سے کھانا کھلانے کی خدمت آل ہاشم کے سپرد ہوئی تھی۔

عباس کو یہ خلافت کس طرح پر حاصل ہوئی اُس کا ذکر بھی تاریخون مین ہے یعنے یافعی نے مرآت الجنان مین جو سبب بنی عباس پر انتقال خلافت کا بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ بعد شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام شیعیان اہلبیت محمد ابن حنفیہ کے زیر سایہ تھے اور اُن کے قضا کرنے کے بعد اونکے بیٹے ہاشم کو اپنا پیشوا جانتے تھے اور اُس زمانہ مین اُنکی بڑی عزت اور بڑا وقار تھا۔ ملک شام مین لاولد انتقال کر گئے اور اُنھون نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو اپنا وصی مقرر کیا اور اُنسے کہا کہ تمھاری اولاد مین خلافت آئے گی اور اپنے اعانت کرنے والون کو اُنکی جانب رجوع کیا جب محمد نے قضا کی تو اُنھون نے اپنے بیٹے ابراھیم کو اپنا قائم مقام کیا جب ابراھیم کی جانب مرجعیت خلائق زیادہ ہوئی تو مروان حمار خاتم خلافت بنی امیہ نے اونکو قید کیا جب ابراھیم کو معلوم ہوا کہ وہ قتل کیے جائینگے اُنھون نے سفاح کو اپنا قائم مقام کیا اور یہی سفاح اول خلیفہ اولاد عباس تھے۔ اس طرح پر جب آل عباس کی خلافت بغداد مین قائم ہوئی اور بنی اُمیہ کی خلافت جاتی رہی تو بنی امیہ مین سے ایک خلیفہ بھاگ کر اسپین پہونچے اُنکا نام عبدالرحمان تھا اُنھون نے وہان خلافت قائم کی۔

دوسرا زمانہ یہ تھا کہ معتضد باللہ خلیفہ عباسی کے عہد مین اہل قرامطہ کا ایک سردار ابوسعید ظاہر ہوا تھا۔ ان کو قرامطہ کیون کہتے ہین۔ اس وجہ سے کہتے ہین کہ ان مین سے ایک شخص خط مقرامط یعنے باریک لکھتا تھا ابوسعید نے بحرین مین نشوونما پائی اور قطیف مین سکونت اختیار کی اور خلیفہ سے جنگ کرکے اُنکے ایک سردار کو مع اُس کے ہمراہیون کے گرفتار کر لیا۔ مکتفی باللہ کے عہد مین اس گروہ کے سردار بکثرت قید کیے گئے اُن مین ایک شخص حسین بن عبداللہ بن محمد بن اسمٰعیل بن بن امام جعفر صادق علیہ السلام بھی تھا یہ بھی قتل ہوا تھا یہ حسین مدعی سیادت تھا اور اسی کی اولاد مین مصر کے خلیفہ اسمٰعیلیہ بھی تھے جنکو عبیدی کہتے ہین۔ اُنھون نے بھی ایک وسیع سلطنت قائم کر رکھی تھی اور گویا بلا آل عباس علیحدہ ایک خلافت قائم کی تھی اُنکا آخری خلیفہ وہ تھا جسکو علاء الدین ایوبی نے سیاسی اختیار کرکے کہ مسلمانون مین دو خلیفہ نہین ہوسکتے معزول کر دیا تھا اور اسی معزولی کی حالت مین اُسکا انتقال ہوگیا تھا اس خلافت کے ملکی اقتدار یہان تک حاصل ہوگیا تھا کہ ملک شام و حجاز کی سرزمین پر اُنکا قبضہ تھا اور اُس زمانہ مین جو خلیفہ عباسی بغداد مین تھے اُنھون نے جب اپنے کو ضعیف پایا تھا تو اُنھین کے نام کا سکہ جاری کیا تھا اور خطبہ بھی۔ تیسرا زمانہ یہ تھا کہ جب بغداد پر ہلاکو خان چنگیز خان کے پوتے نے حملہ کیا اور اولاد عباس بغداد سے بھاگ کر مصر[1] مین پہونچے تو وہان آل عباس سے آخری خلیفہ

[1] جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب حسن المحاضرہ مین لکھا ہے کہ بعد تباہی بغداد ساڑھے تین سال کوئی خلیفہ نہ تھا بعد اسکے مصر مین خلافت قائم ہوئی

چوتھا اُسکا نام مستمسک یعقوب بن متوکل تھا یہ اُسوقت قاہرہ مین برائے نام خلیفہ خطابی تھا اُس نے سلطان سلیم کو (جس نے کہ مصر مین حکومت مملوک کو تباہ کر کے اپنا قبضہ مصر مین کر لیا تھا) خلافت سپرد کی اور تبرکات بھی دیدیے یعنی چند بال پیغمبر کی ریش مبارک کے اور ایک عبا پیغمبر کی جسکو خاندان اسلام بطور علم کے استعمال کرتے تھے اور حضرت عمرؓ کی تلوار بھی سلطان سلیم منصب خلافت اسکے لئے ان تبرکات کو سند سمجھکر مسجد ایوب مین لایا اور اب تک وہان محفوظ ہین اب یہ تفویض خلافت بھی اُسی طرح کی ہے جس طرح پر کہ اولاد محمد حنفیہ نے آل عباس کو خلافت سپرد کی تھی مگر اُس سپردگی کے ساتھ تبرکات کا ذکر نہین ہے معلوم نہین کہ سلطان سلیم کو جو تبرکات دیئے گئے وہ کس طرح سے آل عباس کے پاس تھے اور مصر مین اُن کو برائے نام خلیفہ سمجھتے تھے اس خلیفہ کی نسبت عیسائی مؤرخین کہتے ہین کہ سنی مسلمانون کا یہ اعتقاد ہے کہ خلیفہ کے واسطے دنیاوی شان وشوکت اور جلال وجبروت ہونا چاہیے یہ خلیفہ تو ملوک کا ماتحت تھا اسمین وہ دنیاوی شان وشوکت کہان تھی جیسا کہ مسلمان اعتقاد بیان کرتے ہین مگر اس اعتراض کو تاریخ صحیح ہونے نہین دیتی اسواسطے کہ جب کوئی بڑی سلطنت تباہ و برباد ہوتی ہے تو بادشاہون کی دولت بھاگ کر ادھر ادھر چلی جاتی ہے اور اعزاز سابقہ کی وجہ سے اسکا اکرام و اعزاز کیا جاتا ہے وہی حالت مصر مین اس خلیفہ کی سمجھنا چاہیئے اور یہ بھی ہے کہ ہو بہو مین اور لوگ حکمران ہوکر شاہ کا لقب اختیار کرلیتے ہین خلافت یعنی بادشاہت عبیدیون کی بھی اسی طرح پر تھی مگر یقین تاریخ سے پتہ نہین چلتا کہ ان کو کس نے حق خلافت تفویض کیا تھا اور جب یہ اسماعیلی شیعہ تھے تو یہ کیسے امیر المومنین اور خلیفہ ہو سکتے تھے اثنا عشری اور اسماعیلی شیعون مین اس مسئلہ خاص کے متعلق اختلاف نہین ہے اون کے نزدیک بھی حق خلافت بجز حضرت علی مرتضیٰؑ کے اور کسی کو حاصل نہ تھا اور یہی حق خلافت و امامت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تک پہونچکر ختم ہو جاتا ہے اور شیعہ اثنا عشری حضرت اسمٰعیل کو امام تسلیم نہین کرتے بلکہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جو دوسرے صاحبزادے حضرت صادق علیہ السلام کے تھے اونکو امام و خلیفہ تسلیم کرتے ہوے چلے آتے ہین اور حضرت صاحب الامر علیہ السلام تک پہونچکر حق امامت و خلافت ختم ہو جاتا ہے وہ اس طرح پر بارہ امامون کو امام و خلیفہ جانتے ہین اور دنیا مین کسی مسلمان بادشاہ کو امیر المومنین نہین کہہ سکتے ہین - اور نہ اُن کے بادشاہ کسی اور مسلمان سلطان کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کسی عہدنامہ کے سرنامہ پر یہ القاب استعمال کیا کرتے ہین جیسا کہ اُس ایک عہدنامہ سے ظاہر ہے جو سلطان روم اور شاہ ایران کے مابین بمقام ارض روم ہوا تھا اسمین یہ القاب درج ہے بادشاہ اسلام پناہ سلطان امیر البحرین محافظ حرمین الشریفین

بات یہ ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین اور تاریخ بھی شہادت دیتی ہوئی چلی آتی ہے کہ جب دنیا
مین کوئی عظیم الشان سلطنت منتشر ہو جاتی ہے تو اُس سلطنت کے افسران فوج اور صاحب اقتدار
وزراء و امراء علیحدہ علیحدہ خود مختار ہو کر شاہ اور سلطان ہو جایا کرتے ہین اسی طرح پر ایک زمانہ مین
خلافت کا چرچا تھا اور بعد زوال خلافت بغداد جو اُمراء و سردار تھے وہ بادشاہ نہ کہے گئے بلکہ
عرفاً خلیفہ ہو گئے مگر یعنی بادشاہ اور یہ عبیدی شیعہ بھی اسی سلسلہ سے مسلسل ہو کر رہ گئے شیعون کا
اعتقاد دربارہ خلافت یہ ہے کہ خلیفہ منصوص من اللہ ہے اور اہل سنت و جماعت کا باجماع اُمت
اور چونکہ اہلسنت و جماعت کے اعتقاد مین یہ بھی داخل تھا اور ہے کہ اسلامی دنیا مین دو خلیفہ نہین
ہو سکتے اسی بنا پر صلاح الدین نے ایک محضر بطور استفتا تیار کیا تھا اور اُس عہد کے علماء سے دستخط کرا کے
اور موقع پا کر عبیدی خلیفہ کو معزول کیا اور خود بادشاہ ہو کر حکمرانی کرتا رہا حالانکہ اُس عہد مین بغداد کی خلافت
زوال پذیر حالت مین رہ گئی تھی اگر اُس زمانہ مین ہلاکو خان بغداد پر حملہ کرتا اور اولاد عباس بھاگ کر مصر
مین جاتی تو عبیدیون کے عہد مین وظیفہ خوار ہو کر رہتی اور مسلمان عبیدیون کو خلیفہ سمجھتے جو ممالک حجاز و
شام پر قابض ہو چکے تھے اور اس اعتبار سے کہ جو حجاز و شام پر قابض ہوا اور صاحب طاقت اور صاحب
جبروت ہوا وہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ پر قبضہ کے اعتبار سے خلیفہ وقت ہے یہ عبیدی بھی بڑے صاحب
طاقت ہو گذرے ہین اب تاریخ کی بوقلمونیان ملاحظہ ہون کہ ایک جانب اندلس کی خلافت جاتی رہی
اور آل عباس کی خلافت کا احترام و اعزاز دنیا کے بادشاہون مین تھا اور وہ اُنکی نیابت کا فخر کرتے
تھے اور جن کے ضعف سے اور خلیفہ ہو گئے تھے وہ اب کہان ہین وہ ایک جھگڑا
خلافت کا چھوڑ کر سب کے سب فنا ہو کر رہ گئے بعد اُن کے یہ حق خلافت کا جھگڑا سلطان سلیم پر منتقل
ہوا کیونکہ جب اُنھون نے مصر کو فتح کر کے مملوک کی حکومت کو برباد کر ڈالا تھا اور ایک زمانہ ایسا گذر چکا ہے
کہ سلاطین روم کی عظمت و شان اور شوکت و دبدبہ تمام یورپ مین مسلّم تھا یا ایک زمانہ اور آیا کہ اُس خلافت
کے جھگڑے نے کیسا نشو و نما پایا کہ ختم نہین ہوتا اور نہ ختم ہونے والا ہے اسواسطے کہ دنیا مین اب یورپ کی
قومون کا دور دورہ ہے جسکی نسبت یہ کہنا چاہیے کہ عیسائیت و اسلام مین تصادم ہو رہا ہے بہت عرصہ
گذرا جبکہ اسلام کی آئندہ حالت پر فیوچر آف اسلام مولفہ ولفرڈ اسکاون بلنٹ صاحب کی ایک کتاب
شائع ہوئی تھی جسکا ترجمہ منشی سید اکبر حسین صاحب منصف علیگڈھ نے کیا تھا اسمین اس انگریز مصنف
اور مورخ نے ایک باب خلافت کا بھی لکھا ہے اور اسپر طول طویل بحث کی ہے کہ خلافت کا حق اہل قریش
کو حاصل تھا نہ کہ سلطان سلیم اور اُنکی اولاد کو کیونکہ یہ ترکون کی قوم مین سے ایک قوم ہے جو بالکل علیحدہ

اہل قریش سے ہے مگر غیر عربی دان مورخ اس کو باطل نہ کر سکا کہ سلطان سلیم خود بخود خلیفہ ہوئے تھے
اُن کو اہل قریش کے ایک ممبر نے یہ حق معہ تبرکات سپرد کیا تھا اور یہ سپردگی اُسی طریق پر تھی جسکا ذکر
پہلے ہو چکا ہے کہ حضرت محمد حنفیہ کے بیٹے حضرت ہاشم نے اولاد عباس کے ایک ممبر کو بذریعہ وصیت
کے حق خلافت تفویض کیا تھا البتہ خلیفہ نہ ہونا یا نہ ہونا کا صحیح ہو جسکو مولوی مسیح الدین صاحب کاکوروی
نے بھی اپنی تاریخ خلفا میں نقل کیا ہے حضرت محمد حنفیہ کا دعوی امامت جو بمقابلہ حضرت امام زین العابدین
علیہ السلام کیا گیا تھا حجر اسود کے متعلق جب ہونے پر وہ ساقط ہو چکا تھا یہ روایت تاریخی نقطہ نظر سے صحیح
نہیں معلوم ہوتی اسواسطے کہ حجر اسود ایک صامت شے ہے اسپر تمثال معجزہ کے سوا اور کیا کہا جائے
جو اعتقاداً اور مذہبًا اہل مذہب کے لیے حجت ہو سکتا ہو اور تاریخ عام اہل مذاہب کے واسطے حجت قرار
پائی ہوئی ہے بخلاف اس کے مراۃ الجنان میں جو واقعہ درج ہے اُس کے متعلق شبہ نہیں ہو سکتا اس لیے
کہ دوسری تاریخوں میں بھی ایسے واقعات ہیں جنسے تصدیق اُس واقعہ کی ہوتی ہے صرف پیرایہ بدلا ہوا
ہے یعنے عبداللہ ابن عباس کا انتقال جب سنہ ۶۸ ہجری میں ہوا تو اُن کے فرزند علی تھے جو اولاد رسول سے
بہت محبت رکھتے تھے جب اُنکا انتقال سنہ ۱۱۸ ہجری میں ہو گیا تو اُن کے فرزند محمد رئیس و پیشوا آل عباس
ہوئے یہ بڑے لائق تھے اُنھوں نے خلافت حاصل کرنے میں کوشش کی یہ شام کے علاقہ میں سکونت
رکھتے تھے اور ہاشم بھی شام میں تھے پس اُنھوں نے اُنکو سمجھا بجھا کر کہ بنی امیہ سے بدلا لیا جائیگا اور
یہ کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اُن کے بیٹے امام زین العابدین علیہ السلام خلیفہ اور
امام نہ تھے بلکہ یہ حق محمد حنفیہ کو حاصل تھا اپنے واسطے خلافت کی وصیت حاصل کرائی کتاب الفخری
کے مصنف نے بنی عباس کی خلافت پر رائے لکھی ہے یہ کتاب ہلاکو خان کے حملہ بغداد کے چند سال
کے بعد لکھی گئی ہے اُسکا بیان ہے کہ بنی عباس کی حکومت اگرچہ چالبازیوں کی پالیسی لیے ہوئے
تھی اور آل عباس کا اقتدار اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ بڑے بڑے مسلمان بادشاہ انکا رعب وداب
تسلیم کیے ہوئے تھے اور حاضر ہو کر زمین پر بوسہ دیتے تھے اور بغداد میں اُنکی حاضری اُسوقت ہوتی
تھی جبکہ خلیفہ سے اجازت حاصل کر لیتے تھے بغیر اُن کے فرمان کے کسی کی سلطنت مستند نہ تھی اور دیگر
مسلمان بادشاہ خلیفہ کی سواری میں پیدل چلنے میں اپنا فخر سمجھتے تھے اور غاشیہ برداری بھی کرتے تھے
اور اس خلافت کے ضعیف ہونے کے وقت میں بھی جب خلیفہ مسترشد عباسی نے سلجوق سے شکست
کھائی اور اُنکا لشکر بھاگ گیا تو مسعود رکاب تھامے غاشیہ برداری کیے ہوئے تھا اس طرح پر وہ اُن کو
اپنے خیمہ میں لایا۔

یہی خلیفہ وہ تھے جنہیں سے ایک نے سلطان محمود غزنوی کو خطاب عطا کیا تھا - اب خیال کرنا چاہیے
کہ جب خلافت بمعنی بادشاہت رنگی ہی تھی جسکو ان لفظون مین بھی کہہ سکتے ہین کہ دنیاوی خلافت
تھی بھی چاشنی دی ہوئی تھی اُس نے کیسا وقار وعزاز واحترام ان خلفا کا بڑھا رکھا تھا اور
عام مسلمانون کی گرویدگی ومیلان بھی اسی چاشنی کی بدولت تھا - پھر خوارزم شاہیون کا زمانہ آیا -
اور خلافتی جھگڑا پیش ہوا ناصر باللہ خلیفہ کے وقت سے اس خاندان کی ناچاقی چلی آتی تھی جب
سلطان محمد قطب الدین خوارزم شاہی بادشاہ ہوا تو اُسکا مذہب اہل سنت وجماعت تھا اُسنے
اپنے مذہبی علماء سے استفتا کیا کہ خلافت کا حق کس کا ہے - علماء نے فتوی دیا کہ خلافت کا حق سادات
حسینی کا ہے پس سید علاء الملک سے بیعت کیگئی اور انکو خلیفہ بنایا گیا یہ واقعہ بھی اُس واقعہ کی تائید
کرتا ہے جس کا ذکر کتاب ہذا مین کیا گیا ہے کہ قریش کا لقب آل رسول کے سوا عرب کے کسی قبیلہ پر صادق
نہین آتا -

اب سوال یہ ہے کہ ترکان عثمانیہ کو حق خلافت حاصل ہے یا نہین بعض انگریز مؤرخ اور
اہل الرائے کے نزدیک شاید حق نہین ہے - مگر دو واقعہ ایسے ہین کہ اُنکو مسلمانون کا خلیفہ تسلیم کیا
گیا تھا ایک وہ کہ جب ٹیپو سلطان سے جنگ تھی تو سلطان وقت کو خلیفہ اسلام سمجھ کر ٹیپو سلطان
کے پاس پیام لایا گیا تھا اور دوسرا یہ ہے کہ جب امیر شیر علی خان سے جنگ ہونے والی تھی تو سلطان
کیجانب سے ایک آفندی صاحب افغانستان مین آئے تھے کہ امیر صاحب کو سمجھا کر راضی کرین -

یہ واقعات اس زمانہ کے ہین جبکہ انگلستان اور سلطان ٹرکی مین اتحاد تھا - مگر جب سلطان
عبد الحمید خان کے زمانہ سے اس اتحاد مین خلل پڑتا رہا اور پھر پارلیمینٹ سلطنت عثمانیہ مین قائم ہوئی
تو اس اتفاق مین اور کمزوری پیدا ہوتی رہی پھر جرمنی سے جنگ چھڑی اور سلطان ٹرکی نے جرمنی کی
تائید کی تو وہ خلافتی اقتدار جو انگلستان بھی سلطان کا اپنی ملکی پالیسیون کی وجہ سے تسلیم کیے ہوے
تھا اُسکو بھی انگریزی قوم نے حسب عادت اپنے دل ودماغ سے نکال دیا اور یہ پالیسی کیا ہو رہی ہے
جو عرصہ دراز سے انگریز اختیار کیے ہوے ہین جب تک کوئی غیر حکومت ان کی دوست رہتی ہے
تو یہ بھی اوسکی تعریف اور توصیف مین رطب اللسان رہتے ہین اور وہی سلطنت جب ان کے
خلاف ہوجاتی ہے تو پھر اس قوم کے نزدیک اُسکے تمام اوصاف مسلوب ہوکر رہ جاتے ہین نپولین
اول کے زمانہ مین بھی یہی تھا اور ایک زمانہ مین جب روس سے بگڑی ہوئی تھی تب بھی تمام روسی قوم
وحشی قرار پائی تھی اور جب روس نے جرمنی کے خلاف ہوکر انگلستان کی تائید مین جرمن سے جنگ کی

ور روس سے بڑھکر قابل تعریف کوئی اور بادشاہ اور قوم نہ تھی پھر بھی حال قیصر جرمنی اور اُنکی قوم کا ہو اتھا
پھر روس کی تاریخ بدلتے ہی جو حال بالشویک کا ہے ظاہر ہے اور سلطان کی مذہبی سرداری جس کو ایک
وقت مین انگلستان مانے ہوئے تھا وہ اب اختلاف کی صورت مین کہان باقی رہی انگلستان کے مورخ تو اب
اس کے درپے ہین کہ وہ ترک ہین سنی مسلمانون کے خلیفہ نہین ہوسکتے اس کے متعلق کتابین چھاپی جاتی ہین
اور سُنی مسلمانون سے تصنیف کراکر اسکے خلاف شایع کی جاتی ہین کہ حق خلافت قریش کا تھا نہ کہ ترکون کا آجکل
یہ بحث اس زور شور سے جاری ہے کہ صدیون سے شیعہ اور سنیون مین خلافت کے متعلق جو بحث چلی آتی ہے
وہ بھی اس سرگرمی کے ساتھ نہ تھی سوال یہ ہے کہ انگلستان کو اس بحث سے تعلق کیا ہے۔ اہل سنت جماعت
کا خیال یہ ہے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ سلطان ٹرکی خلیفہ ہین انگریزون سے کوئی واسطہ نہین ہے کہ اس خلافت
کی تردید کرتے رہین پھر وہ کہتے ہین کہ اگرچہ کوئی تعلق انگریز مؤرخین کو نہین ہے مگر ملکی پالیسی انکو مجبور کیے ہوے
ہے کہ سلطان کی خلافت اور یہ مذہبی اعتقاد اگر مسلمانون کے دلون سے جاتا رہے تو مسلمانون کی قوت اور اقتدار
دنیا مین ضعیف ہو کر قائم رہے تو اچھا ہے۔

اب بعد اس بحث کے یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ قریش کے لفظ سے کیا مراد ہے اور صحیح اطلاق عرب کے
کس قبیلہ پر ہوتا ہے لغوی معنے تو اس کے یہ ہین کہ قریش ایک دابہ کا نام ہے اور یہ ایک بڑا جانور دریا کا ہے
پس جبکہ نضر بزرگتر قبیلہ مین تھے اس خیال سے ملقب باین لقب ہوے اور بعض نے قریش کو تقرش سے مشتق
کیا ہے اور لکھا ہے کہ تقرش بمعنے کسب و تجارت ہے اور چونکہ حضرت نضر تجارت پیشہ تھے اس لیے اونکا لقب
قریش ہوا اور پھر قریش بمعنی تجمع بھی آیا ہے اسی کو ناسخ التواریخ نے جو ایک اسم بامسمی کتاب ہے اور جسکا
مولف ایک مشہور و معروف عالم فاضل مؤرخ اور اعلی درجہ کا ادیب ہے۔

اُسنے لکھا ہے کہ تقرش بمعنی تجمع ہے اور جبکہ نضر مرد بزرگ اور قوم پر سیادت رکھتے تھے اور منتشر اور پراگندہ
قبائل کو جمع کر کے دسترخوان بچھا کر ہر روز صبح کو کھانا کھلاتے تھے اس اعتبار سے آپکا لقب قریش ہوا اُس سے
پہلے حضرت نضر کے آبا و اجداد مین کوئی قریشی نہ تھا پس یہ ایک لقب تھا جسکو آپ کی ذات تک ختم ہو جانا چاہیے اور
اگر ختم نہوا اور برابر جاری رہا تو اس لقب کا مختص استحقاق حضرت سرور کائنات اور آپ کی اولاد امجاد کو ہے نہ کہ
کسی دوسرے قبیلہ کو گو وہ اولاد اسمعیل ہی کیون نہو اور یہ اسواسطے لکھا گیا ہے کہ ایک روز نضر مکہ معظمہ مین
سو رہے تھے اُنھون نے خواب مین دیکھا کہ ایک سبز درخت اُنکی پشت سے ظاہر ہوا اُس درخت کی شاخین
آسمان سے باتین کرتی تھین اور ہر برگ درخت نور سے سرتاپا منور تھے شمار شاخون کا زیر و بالا مساوی تھا
اور اُس کے پتون پر ایک قوم سفید چہرہ قیام پذیر تھے اب نضر بیدار ہوے اور کاہون سے اس خواب کو بیان کیا

اُنھوں نے کہا کہ تمھارے خاندان حسب ونسب وکرامت وشرف مسلمہ ہوگا پھر وہ نور مالک پر منتقل ہوا۔
اور پھر فہر پر اور پھر غالب پر اور پھر لوی کی جانب اور لوی سے کعب پر اور کعب سے مرہ اور کلاب اور قصی اور
عبد مناف اور ہاشم اور عبد المطلب اور عبد اللہ پر اور آخر کار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے
تمام عرب منور ہوگیا۔ اب کیا اس نور کے ساتھ ہی ساتھ قریش کا ذاتی لقب بھی منتقل ہوتا رہا؟ نہیں لقب
کا مرتبہ اور ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب خصوصیت کے ساتھ عربوں نے حضرت نضر کو یہ خطاب دیا تھا تو اسکو
اُس اضافت سے اولاد عبد مناف میں بنی امیہ اور بنی ہاشم بھی شریک ہیں۔ یہ لقب برابر اختیار کئے رہے تھے
مگر جب یہ خیال ہوتا ہے کہ تخصیص بنی ہاشم کے سپرد حاجیوں کا کھانا کھلانا تھا تو اس سے آل ہاشم ہی مستحق اس لقب
قریش کی ہے جیسا کہ قدیمی شاعر نے کہا ہے کہ اے قریشی نقبی ہاشمی ومطلبی۔ اور ابن خلدون لکھتے ہیں کہ زمانہ
جاہلیت میں ابن نزار اور سطیح ابن مازن جسکا بدن کپڑے کی طرح ایسے ہی لپیا جاتا تھا اور تمام بدن میں سوائے
کھوپڑی کے کوئی ہڈی نہ تھی بہت مشہور کاہن ہو گذری ہیں ان دونوں نے ربیعہ ابن نصر کی خواب کی تعبیر
بتائی اور خبر دی کہ یمن پر پہلے حبش کا تسلط ہوگا پھر مصر کی باری آئے گی۔ اور رسالت خاتم المرسلین قریش
میں ظاہر ہوگی (یعنے صرف پیغمبر ہی کے خاندان میں) جب بعد حضرت سرور کائنات خلافت کا جھگڑا پیش
آیا تو اس لقب کا بھی آل اسمٰعیل میں تقسیم ہونا ضرور تھا اور یہ اسوجہ سے تھا کہ بعض احادیث میں قریش قریش
اور اُن کی سرداری اور امارت کا ذکر ہے نہ کہ آل اسمٰعیل کا تذکرہ اور یہی وہ جھگڑا خلافت کا ہے جس نے
اسلام کو شیعہ اور سُنیوں میں تقسیم کردیا تھا اور اب بھی تقسیم کئے ہوئے ہے اور یہ تقسیم بھی وہ ہے کہ جس نے
کہ مسئلہ خلافت کو ابتدا سے پیچیدہ کر رکھا ہے مگر اہلیت اور قابلیت اور پابندی بجا آوری احکام شرعی اور
عدم بجا آوری احکام نے قضیہ خلافت کو خلفائے وقت کے طرز عمل سے ایسا کر رکھا تھا کہ خلیفہ کا لفظ صرف
مذہبی چاشنی لیے ہوئے تھا اس لئے خلفائے بنی امیہ اور آل عباس کا طور اور طریق شاہانہ تھا اور تیمناً و
تبرکاً یہ مذہبی تمغہ خلافت بھی آویزاں کئے ہوئے تھے مگر بقول حضرت مسیح علیہ السلام کہ درخت اپنے پھل اور
پھول سے پہچانا جاتا ہے اس لیے لوگ کہتے تھے کہ یہ خلیفہ ہیں یا بادشاہ پھر یہ خلافت کا جھگڑا تھا کہ عبداللہ
ابن زبیرؓ کو کعبہ میں بھی پناہ نہ ملی اور کربلا میں جو کچھ ہوا اُسکا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ اس کے سوا یہ اسلامی
تفرقہ بھی قابل یادگار ہے کہ عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں چار مختلف جھنڈے کوہ عرفات پر نصب کئے
گئے تھے ایک عبد اللہ ابن زبیرؓ کا دوسرا عبد الملک کا تیسرا محمد ابن حنفیہ کا چوتھا خارجیوں کا گویا یہ چار مدعیان
خلافت تھے مگر عبد الملک کے زمانہ میں انمیں سے کسی ایک کی بھی نہ چلی اور آخر کار اسی کا شاہانہ سکہ اور
خطبہ جاری تھا اور زمانہ کی بھی بوقلمونیاں ہیں کہ جابر اور ظالم اپنے کارنامہ پیش کر کے چلدیتے ہیں اور نیکوں کی

نیکی اور بدون کی بدی کا تذکرہ تاریخ مین رہ جاتا ہے - اسی کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ جو
عہدنامہ جناب امام حسن علیہ السلام اور امیر شام کے درمیان ہوا ہے اُسمین حضرت نے خلافت کا حق سپرد
کیا ہے یا آپ سے سپرد کرایا گیا ہے اس کے بعد ہاشم ابن محمد حنفیہ جنھون نے لاولدی کی حالت مین انتقال
کیا تھا آل عباس کے ایک رکن کو خلافت کی وصیت کی تھی جس سے یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ اگر قریش کا
نقب بھی منتقل ہوتا چلا آتا تھا تو اُس کے مستحق خصوصیت کے ساتھ بجز آنحضرتؐ کے خاندان کے اور کوئی
نہ تھا یعنے نہ بنی اُمیّہ نہ بنی عباس اگر ان مین سے وہ دونون مستحق ہوتے تو پھر سپردگی کی ضرورت کیا تھی جب
خاندان عبد المطلب قریش تھا تو بعد پیغمبر آخر الزمان صلعم کے خاندان کا حق خلافت تھا اور لوگ واقف
تھے کہ اُن کی سپردگی سے وہ خلیفہ ہو سکتے ہین - مگر پھر یہ بحث باقی رہتی ہے جو ایک حدیث کے متعلق ہے
کہ تیس ۳۰ سال چھ مہینے خلافت حقہ رہے گی اور بعد ختم اس میعاد کے بادشاہت ہوجائے گی یہ زمانہ
جناب امام حسن علیہ السلام کے خلع اور تفویض خلافت تک ختم ہوجاتا ہے اب اس حدیث کے مطابق حق
خلافت یعنے بادشاہت کو جو آل عباس نے ہاشم سے حاصل کیا تھا اُسی کو اس خاندان کے ایک رکن نے
سلطان سلیم کے سپرد کیا تھا اُس زمانہ سے مسلمانون کا ایک طبقہ عظام سلاطین عثمانیہ کو خلیفہ یا
سلطان المسلمین سمجھتا ہے اُن کی تردید اُن دلائل سے کیونکر ہو سکتی ہے جنکو مسٹر بلنٹ صاحب نے اپنی
کتاب مین پیش کیا ہے کہ خلافت حق قریش ہے اور چونکہ ترکان عثمانیہ قریشی نہین ہین لہذا وہ خلیفہ نہین
ہو سکتے ہان شریف مکہ خلیفہ ہو سکتے ہین - جو نسل قریش سے ہین حالانکہ ابھی ایک سال نہ گذرا ہوگا کہ انھون نے
اپنے اخبار القبلہ مین خلافت کا اہل اپنے کو نہ سمجھ کر اس سے انکار کر دیا تھا - اور یہ شریف مکہ اُسی خاندان
مین ہین - جن کے مورث اعلیٰ کی نسبت شہنشاہ اورنگ زیب نے اپنے ایک رقعہ مین باین کلمات
یاد کیا تھا - اور وہ رقعہ[1] یہ ہے -

شریف مکہ معظمہ در ہندوستان دولت بسیار شنیدہ ہر سال برائے جلب نفع خود ایلچی میفرستد این
مبلغہا کہ میفرستیم برائے مستحقین ست بجہت او فکرے بجا باید نمود کہ بآن جماعت برسد دوست این متلف
حق بران نرسد لسبو اگران عمدہ و مالداران و تجار بندر مبارک سورت از طرف خود بنویسید کہ اگر بطورے
معرفت آنہا بمردم اہل استحقاق حرمین شریفین سالم تواند رسید بوساطت آنہا ارسال داشتہ آید خواہی نخواہی
منحصر در اظہار شہرت نذر سرکار دالاہم نیست مطلب بخوشنودی ارواح مطہرہ حضرات و جناب جل و علا
حبیب اوست صلی اللہ علیہ و الہ و صحابہ و در صورتیکہ اینہم متعذر باشد چرا مستحقان این ملک نباید رسانید

[1] رقعات عالمگیری ۱۲

کہ در ہمہ مقامات جلوہ او سبحانہ اظہر است نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔

اور یہ وہی وظیفہ اور انعام معلوم ہوتا ہے جس کو شہنشاہ[1] اکبر نے شرفاء مکہ معظمہ کی معرفت مستحقین کے واسطے بذریعہ امیر حاج بھیجنا قرار دیا تھا۔

اب خیال ہونا چاہیے کہ شہنشاہ اکبر نے اپنے فاضل اجل اور ادیب اکمل شیخ ابو الفضل سے لکھوا کر جو خط شرفاء مکہ معظمہ کے نام روانہ کیا تھا اُسمین یہ بھی ایک فقرہ ہے یعنے شریف الخلفاء اس سے کیا یہ مفہوم ہے کہ دین حنیف کے شریف اور بزرگ ہین یا یہ شریف مکہ حنفی المذہب یعنی مقلدین امام ابو حنیفہ سے تھے خیر جو کچھ ہو اس سے قطع نظر کر کے غور طلب یہ ہے کہ اکبر اعظم کے پرپوتے شہنشاہ اورنگ زیب نے جن الفاظ سے اُس خانوادہ کے ایک رکن اعظم کو اپنے خط مین یاد کیا ہے اُس لحاظ سے کیسی وہ اہمیت اور قابلیت خلافت کی رکھتے ہین اور جب اس زمانہ کے شریف خود خواہش خلافت کی نہین کرتے تھے پھر دوسرے کے کہنے سے اس امر عظیم کے مدعی ہین تو مسٹر بلنٹ نے اُنکو قریشی قرار دیکر اور انکو منکر مستحق خلافت سمجھا ہے یہ انکی غلطی ہے اور یہ جو اوپر لکھا گیا ہے کہ ایک وقت ایسا گذر چکا ہے کہ تفویض خلافت کا چرچا تھا اُسمین یہ اضافہ مناسب ہے کہ بعد اس کے تفویض کا چرچا بھی جاتا رہا اور اندلس کے بنی اُمیہ اور مصر کے عبیدی بغیر تفویض کے خلیفہ ہوتے رہے ہین۔ چنانچہ عبد الرحمن اول نے اٹھارہ ۱۸ برس تک بنی عباس کا خطبہ اسپین مین جاری رکھا اور صرف اپنے کو امیر قرار دے رکھا تھا اور امیر المومنین کا لقب اختیار نہین کیا تھا جبتک عباسیون کا قبضہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مین رہا بنی اُمیہ امیر کے لقب سے ملقب رہے۔ آٹھوین خلیفہ بنی امیہ ناصر نے اپنا لقب امیر المومنین قرار دیا اور سنہ ۵۶ ہجری مین عباسیون کا خطبہ موقوف کر دیا اور یہ بھی ہوا تھا کہ غیر اقوام کے تابع عباسی ہو گئے تھے اور مونس خادم نے عباسی خلیفہ کو قتل کیا تو ۱۱ جنوری سنہ ۹۲۹ء کو ایک بڑا دربار کر کے ناصر الدین اللہ نے لقب امیر المومنین اختیار کیا اور اپنے کو خلیفہ مشہور کیا اسی وقت سے اسپین مین خلافت بنی امیہ کی قائم ہوئی اور ہشام دوئم مؤید باللہ جب خلیفہ ہوا تو اُنکو اُن کے ایک جنرل حاجب منصور نے قید کیا اور آپ خلیفہ ہونا چاہتا تھا یہ واقعات تاریخ اسلام حصہ اول سے لئے گئے ہین۔ جن سے یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ باوجود بنی اُمیہ اور بنی عباس کی ملکی اور سیاسی عداوت کے جسکی تائید اور تصدیق کے لیے تاریخی شہادت موجود ہے اور دمشق کی خلافت چھوڑ کر عبد الرحمن اول اسپین مین پہونچے تھے اور وہان ایک سلطنت قائم کی تھی۔ تاہم اٹھارہ سال تک انھون نے اپنے کو امیر ہی مشہور کر رکھا تھا اور بنی عباس ہی کی خلافت تسلیم کیے ہوئے تھے اور انھین کا خطبہ خلافت

[1] ملاحظہ ہو دفتر اول شیخ ابو الفضل بسلسلہ ۲ معروضات شہنشاہی بشرفاء کرام مکہ معظمہ منورہ ۱۲

جاری تھا اور اُسوقت تک رہا جب تک کہ بنی عباس کا خلافتی اقتدار مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مین قائم تھا مگر جب بنی عباس کی خلافتی طاقت زوال پذیر ہوگئی اور غیر اقوام کے وہ تابع ہوگئے تو آٹھوین بنی اُمیہ کے حکمران اندلس ناصر نے اپنے کو امیر المومنین اور خلیفہ مشہور کرایا اب سپردگی اور تفویض با وصیت اور بلا وصیت کا زمانہ گذر گیا اور تاریخی حالات اور واقعات نے خلافت کے متعلق جو نیرنگیان پیدا کررکھی ہین اُن کے لحاظ سے بحالات حاضرہ ایک طبقہ عظام اہلسنت اعتقاداً یہ چاہتا ہے کہ سلاطین عثمانیہ کی خلافت جو سلطان سلیم کے وقت سے چلی آتی ہے قائم رہے اور جو ملک اُنکا چھین لیا گیا ہے وہ مسترد کردیا جائے مگر شیعون کا اعتقاد اگرچہ خلافت کے متعلق دوسرا ہے تاہم وہ بھی غیر اقوام کا قبضہ مقامات مقدسہ مین نہین چاہتے جیسا کہ اُن کے مجتہدین لکھنؤ کے اعلان سے پایا جاتا ہے لیکن اہل ایران کا یہ دعویٰ حق بجانب تھا اور اب بھی ہے کہ عراق عرب کی حکومت اُن کے سپرد ہے اور ترکون کے سپرد نہ رہے کیونکہ اُن کے قبضہ مین عراق عرب مدتون رہا ہے اور وہان اُن کے سکے اب تک جاری ہین اسکی سماعت نہوئی اور بجائے اس کے امیر فیصل شریف مکہ کے بیٹے جو پہلے شام کے حاکم کئے گئے جب فرانس کی وجہ سے وہان کی حکومت سے محروم ہوگئے تو عراق عرب کے بادشاہ ہوے اور سجادہ نشین اُس خاندان کے ایک رکن رکین پریسیڈنٹ کونسل آف اسٹیٹ مقرر کیے گئے جو صرف اہل سنت کے نزدیک اعتقاداً واجب التعظیم اور لائق احترام ہین - یہ پالیسی جو اختیار کی گئی ہے وہ تاریخ کی اُس صداقت کو یاد دلاتی ہے جس کے بموجب شاہان سلف جسکی جمعیت کو زیادہ دیکھتے تھے اُسی کے حق مین بمقابلہ قلیل جماعت کے تصفیہ کردیتے تھے اگرچہ اُسی صداقت کے اعتبار سے یہ تصفیہ ہوا ہے تاہم دونون فریق رضامند نہین ہین اور کیونکر رضامند ہون جبکہ امیر فیصل کا خاندانی تعلق کبھی عراق عرب مین نہین رہا ہے صرف اُن کے خاندان کی حکومت ایک زمانہ مین حجاز مین تھی عراق مین ترکون اور ایرانیون کا تعلق تھا جنکو علٰحدہ رکھا گیا ہے اور کچھ تعجب نہین کہ ایک سبب یہ بھی ایران اور روس کے معاہدہ کا ہو بہرحال شیعہ اور سُنی کا خلافتی جھگڑا تو دور کنار اب بے سود جھگڑا ایک تیسرا شروع ہوا ہے جس کے متعلق کتابین اور رسالجات شایع ہوا کرتے ہین کہ ترک قریشی نہین ہین اس لیے مستحق خلافت بھی نہین ہین - حالانکہ یہ خصوصیت بھی باقی نہین رہتی ہے واسطے کہ سعد بن عبادہ رأس الرئیس انصار مدینہ نے بھی دعویٰ کیا تھا اور اُن کے قبیلہ نے اُس کی تائید کی تھی وہ قریشی نہ تھے -

علاوہ اس کے یہ بھی ہوچکا ہے کہ یزید اپنی خلافت کو جناب سید الشہداءؑ سے بلعنافت بیعت تسلیم کرانا چاہتا تھا اور اُس زمانہ مین بوجہ اقتدار کلو سعف یزید ہی کو خلیفہ سمجھا جاتا تھا اگر ایسا نہو تا تو کربلا کے

قریب جب حضرت حرؒ نے آپ کو روکا تو نماز کا وقت بھی آگیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو گے یا نہیں حر نے کہا کہ یا ابن رسول اللہؐ میں آپ کے سایہ امامت میں نماز پڑھونگا چنانچہ حرؒ نے نماز پڑھی مگر ابن زیاد کی طرف سے ایک اور شخص آیا اُسنے آپ کو سلام بھی نہ کیا اور نہ آپ کا مقتدی ہو کر نماز ادا کی وہ یزید ہی کو امام اور خلیفہ جانتا تھا پھر خلافت جب یزید کے مرنے کے بعد معاویہ ابن یزید پر منتقل ہوئی تو اُسنے اُسکو قبول نہ کیا اور کہا کہ یہ حق حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ہے اور چالیس روز تک گھر سے باہر نہ نکلا اور نہ نماز جمعہ اور جماعت کی امامت کی اس پر مروان بجائے اُس کے خلیفہ ہوگیا اور یہ بھی ہوا کہ خلافت اول باتفاق جمہور قائم ہوئی مگر خلیفہ اول نے ولیعہد[۱] قرار دیکر بذریعہ وصیت خلیفہ ثانی کو خلیفہ قرار دیا اور بعد اُن کے پھر پنچایت سے انتخاب ہوا اسی انتقال بالوصیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وصیت اور سپردگی خلافت کا دستور مدتوں جاری رہا اور دومۃ الجندل میں جو محاکمہ بعد جنگ صفین ہوا اُس سے ظاہر ہے کہ کس طرح پر خلافت کا حق حضرت علی مرتضی علیہ السلام سے نکلکر امیر شام کو پہونچا تھا امیر شام اپنے ایک خط میں جو جناب امام حسن علیہ السلام کے نام ہے لکھتے ہیں کہ جب آپکے والد اپنے حق خلافت سے علیحدہ ہوگئے اور اُنکا کوئی حق نہ رہا تو آپ اُس حق کا اب کس طرح پر دعوی کرتے ہیں۔

یہ تمام تاریخی واقعات وہ ہیں کہ اُنسے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا اب جب لفظ خلافت پر عمل کرنے والوں کی تاریخ مذہبی تاریخ سے اور ہوگئی اور خلافت بمعنی بادشاہت قرار پاگئی تو تاریخی حالات اور واقعات سے استدلال ہونا چاہیئے نہ کہ الفاظ سے لفظ خلافت اس درجہ کثیر الاستعمال رہا اور برائے نام خلفاء کے طرز عمل سے ایسا تغیر ہوتا ہوا چلا آیا کہ شہنشاہ اورنگ زیب جو نہایت باشرع بادشاہ ہوے ہیں اُنھوں نے بھی جابجا اپنے رقعات میں اپنے کو خلیفہ قرار دیا ہے یعنی بادشاہ اگر اُنکو بھی کوئی ذیحق حق خلافت سپرد کرتا تو وہ بھی خلیفہ اُس سپردگی یا وصیت سے ہوجاتے۔ اور بغیر سپردگی بھی خلیفہ ہوا کیے ہیں۔ اس اعتبار سے امیر دوست محمد خان امیر کابل نے بھی جو پہلے امیر تھے بعد اس کے وہ امیر المومنین ہوگئے یہ قریشی بھی نہیں ہیں پھر بھی لقب علماء اور سرداران کابل نے امیر عبد الرحمن خان کو عطا کیا۔ اُس وقت سے یہ لقب برابر امیر حبیب اللہ خان اور امیر امان اللہ خان تک چلا آتا ہے۔ اور یہ اُسی طریق پر معلوم ہوتا ہے جسکا ذکر اوپر ہوچکا ہے کہ عبد الرحمان نے پہلے اپنے کو اندلس میں امیر قرار دیا مگر اُن کے بعد آٹھویں پشت میں جو حکمران ہوا اسنے اپنے کو دربار میں امیر المومنین اور خلیفہ مشتہر کردیا وہ اُسوقت میں حرمین شریفین پر قابض نہ تھے۔

---

[۱] ابن خلدون ۱۲

اب مناسب سمجھا جاتا ہے کہ مسٹر بلنٹ صاحب نے فیوچر آف اسلام مین جو دور خلفا کے تنزل و
ترقی کا قرار دیا ہے اسکو بھی نقل کردیا جائے وہ لکھتے ہین کہ خاندان بنی امیہ جس کو امیر معاویہؓ
نے قائم کیا تھا دمشق مین بیاسی سال تک سلطنت کرتا رہا ہے بعدہٗ ۷۵۰ء مین نسل قریش کی ایک دوسری
شاخ یعنے بنی عباس نے پھر تلوار ہاتھ مین لی اور بجاے خاندان اُمیہ کے متمکن ہو کر اسلام کی دارالحکومت کو
بغداد مین منتقل کردیا۔ اور وہان دنیاوی سلطنت کو پانچسو سال تک رکھا اگرچہ اس دوسرے دور
خلافت مین اسلام نہایت عروج وجاہ وجلال پر پہونچا اور بلند ترین دنیاوی کامیابیان اُس کو
حاصل ہوئین لیکن بلحاظ دین ومذہب کے وہ دور بہ نسبت اپنے ماقبل سال کے کم مکمل رہا قطع نظر
اختلاف اہل ایران واہل عرب کے بہ متشرع جماعت بھی مختلف فرقے ہوگئی اور خلفا نے حریف
ایک دیگر نے خودمختاری کے ساتھ مصر اور اسپین مین اپنے تئین قائم کرلیا علاوہ اس کے پچھلی دو صدیون
مین خلفا کے دنیاوی اختیارات عملی طور پر حقیقت مین ترکان سلجوقیہ کو رہے جو دیوان بادشاہی مین
ارکان سلطنت کا کام کرتے تھے مگر اُن کی مذہبی قوت اور اختیار کی تائید مین علم یا تقوے کی نمود نہ
تھی ہلاکو خان نے اس دور کو خاتمہ پر پہونچا دیا اور ۱۲۵۸ء مین بغداد کو تاراج اور برباد کیا۔ تاریخ خلافت
کے تیسرے دور مین تمام دنیاوی قوتین خلفا سے چھین گئین زوال سلطنت عرب کے بعد اسلام مین بہت
سی جداگانہ عملداریون نے صورت پکڑی اور ہر عملداری پر خاص اُسکا والی یا سلطان فرمانروائی کرتا
تھا اور اپنی سلطنت کے حدود کے اندر دنیاوی بادشاہی کے ساتھ پیشواے مذہب بھی ہوتا تھا۔
مغلون نے مکہ کا مذہب قبول کر کے ملک مشرق مین ایک اسلامی سلطنت قائم کی اور ترکان سلجوقیہ اور
ترکان عثمانیہ بعد کو جنگی جگہ قائم ہوے ایشیاے کوچک مین فرمانروائی کرنے لگے ممالک باربری نے
اپنے فرمانرواؤن کو علیحدہ قائم کرلیا تھا اور مصر پر اُس عجیب خاندان کے لوگ یعنے مملوک سلاطین حکمران تھے۔
کوئی ایک صدر دنیاوی حکومت اسلامیہ کا کہین دکھائی نہ دیتا تھا اور خلیفہ کا نام اس حیثیت سے کہ وہ
ایک حاکم فرمانروا ہو دُنیا سے اُٹھ گیا تھا صرف قاہرہ مین جہان پسماندگان خاندان عباسیہ نے قتل اور
تباہی بغداد کے بعد پناہ لی تھی براے نام ایک دبی ہوئی حالت مین پیغمبرؐ کی جانشینی کا سلسلہ قائم رکھا گیا
تھا یہ خطابی خلفا جو ملوک سلطنت مصر کی تحت مین تھے اُن کو سلطان سلیم نے مصر پر قبضہ کرکے اپنا
ماتحت کرلیا تھا جسکا تذکرہ صدر مین کیا گیا ہے۔

یہ دور خلافت کے متعلق جسکو مسٹر بلنٹ نے بیان کیا ہے اس کی صحت مین کسی کو کلام نہین
ہوسکتا البتہ یہ بات ہے کہ سلجوقیون اور چنگیز خانیون نے جبکہ بغداد کی خلافت اُنکے زیر اقتدار تھی کبھی

خلافت کا دعویٰ نہین کیا بلکہ سلجوقی اسی خلافت کو تسلیم کرتے رہے اور چنگیز خانی بھی خلافت مذہب چھوڑ کر دعویٰ کیونکر کر سکتے تھے۔ جب مغلون نے مذہب اسلام اختیار کیا تو وہ بھی کبھی خلافت کے مدعی نہین ہوے اور تیمور سا اولوالعزم بادشاہ بھی مسلمان ہوکر اُس سے علٰحدہ رہا۔ یہان تک کہ جامع مسجد بلخ مین جب اُس سے کہا گیا کہ امامت آپ کرین تو اُنھون نے کہا کہ مین امامت کے لائق نہین ہون مگر جب اُنسے علماء نے اصرار کیا تو اُنھون نے امامت کی اور خلافت کا تو کہین ذکر تک پایا نہین جاتا۔

اُس زمانہ مین عربون کی پارٹیون تک یہ جھگڑا محدود رہا تھا اور فاطمی بھی اپنے اقتداری زمانہ مین اس خلافت کے مدعی نہوے تھے اُنکا دعویٰ اسواسطے نہ تھا کہ وہ شیعہ اثنا عشری تھے ہان عربون مین بنی امیہ کے قبیلہ سے عبدالرحمان اول جب بھاگ کر اسپین پہونچے تو پہلے وہان وہ حکمران ہوے بعد اُس کے وہ امیر کہے گئے اور اٹھارہ برس تک اُنھون نے بنی عباس ہی کا خطبہ جاری رکھا اور اُنھین کو خلیفہ سمجھا دراںحالیکہ آل عباس نے اُنکی حکومت کا قلع وقمع کر ڈالا تھا جیسا کہ صدر مین بیان ہوچکا ہے اس پر بھی وہ اُنھین کی خلافت کو تسلیم کرتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ خلافت اُسی خاندان کو زیبا ہے جو حرمین شریفین پر قابض ہو اور فوجی طاقت اور عظمت رکھتا ہو۔ جب ال عباس کی خلافت متزلزل ہوگئی اور دوسرون کے قبضہ مین سرزمین حجاز آگئی تو بنی اُمیہ کے آٹھوین خلیفہ ناصر نے اپنے کو امیرالمومنین اور خلیفہ مشہور کیا جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہین اب دو امر قابل بحث ہین اول یہ کہ اس زمانہ مین حرمین شریفین پر شریف مکہ قابض ہین اور سلطان روم قابض نہین ہین تو اس حالت مین کیا شریف مکہ خلیفہ قرار پا سکتے ہین (نہین) بجز سلطان کے اُنکو اب بھی کوئی حق نہین ہے وہ اُس درجہ پر کہان ہین جو عبدالرحمان اول کے خاندان کا اسپین مین تھا جو باوجود اُس خصومت اور عداوت کے جو بنی امیہ اور بنی عباس مین تھی۔ آل عباس کی خلافت کو قبول کرتے رہے تھے۔ تو شریف صاحب کا شمار کس مین ہے کہ وہ بمقابلہ سلطان خلیفہ قرار دیے جائین اُنکا قبضہ حرمین شریفین پر ویسا ہی ہے جیسا کہ خلافت بنی عباس کے متزلزل ہوجانے کے بعد دوسرون نے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا تھا یا اُنکی خلافت برائے نام رہ گئی تھی وہ دوسرون کے اثر مین ہوگئے تھے جب اس طرح پر اُن کے قبضہ کی اضافت باقی نہ رہی تھی تو اسپین کی عظیم الشان حکومت کا خلافت پر منتقل ہوجانا اُنکی شان حکومت کے مطابق تھا حالانکہ اُنکا قبضہ حجاز پر کبھی نہ رہا تھا۔ دوسرا امر ایک سوال سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا جو امیرالمومنین کا لقب اختیار کرتا ہے وہی خلیفہ ہوسکتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ امیرالمومنین کا لقب اول اول حضرت عمرؓ نے اختیار فرمایا تھا وہ خلیفہ بھی تھے پس جو اس لقب سے ملقب ہو وہی خلیفہ ہے۔ مگر

؎ اب تو زمانہ نے خلافت کے جھگڑے کو یون اُلٹ دیا ہو کہ شریف مکہ کے بجاے ابن سعود قابض ہین ۱۲ مصنف

مومن اور مسلمان مین فرق ہے یعنے مومن کے واسطے اسلام لازم ہے اور مسلمان کے لیے مومنیت کا لزوم نہین
ہے مومن اُس کو کہتے ہین جو پورا پورا اقرار باللسان وتصدیق بالجنان اور عمل بالارکان پر عامل ہو ودر
قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے۔ سورۃ الحجرات آیۃ (۱۴) "قالت الاعراب آمنا
لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم الخ" کہ عربون سے کہدو کہ وہ مومن نہین ہین مسلمان
ہین اب خیال کرنا چاہیے کہ مسلمانون کی عملی تاریخ نے مومنیت اور خلافت کے متعلق اس درجہ تبدل
و تغیر کر دیا ہے کہ انہین سے خلافت کا اطلاق بمعنی بادشاہت ہوتا ہے اور مومنیت تو کسی مین باقی
نہین ہے ہان ظاہری احکام کی بجا آوری کے لحاظ سے مسلمان ہی مسلمان رہ گئے ہین۔ وہ مومن
اب کہان ہین جنھون نے کبھی کلمہ حق کہنے سے گریز نہین کیا انھین پر مومنیت کا اطلاق ہو سکتا ہے جنکا
ذکر اوپر ہو چکا ہے اور غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ جب مومن کا اطلاق کسی پر نہین ہوتا تو انکا امیر کون ہو سکتا ہے
ہان خلیفۃ المسلمین یا سلطان المسلمین بلحاظ طاقت اور قوت بجز سلطان روم کے اور کون ہے جن کا انتخاب
مسلمانان عالم کرین سلطان وحیدالدین خان جو بھاگ کر مالٹا گئے اور مکہ مین آئے ہین اور مکہ سے پھر نہین
معلوم کہان ہین وہ اسی طرح پر ہین جس طرح پر بنی عباس کے ایک رکن مصر مین بزمانہ مملوک پہونچے تھے
اگر کچھ فرق ہے تو یہی ہے کہ مملوک مسلمان تھے اور یہ دوسرون کی پناہ مین پہونچے ہین جس کو سازش سے پہونچنا
کہا جاتا ہے گو خلافت کا دعوی کرتے تو ہین۔ مگر دنیا کے مسلمان انکو خلیفہ کیونکر قرار دیسکتے ہین ورہم صدی تو
بعد انتخاب کا مسئلہ چھیڑا گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہ نے جب سے ولیعہدی کا مسئلہ ایجاد کیا اُس
زمانہ سے اسپین اور دمشق کی خلافت کا عملدرآمد اسی طرح جانشینی پر رہا اور بنی عباس بھی اسی مسئلہ پر عمل
کرتے رہے اور سلاطین بھی یونہی پیرایہ بدل کر جانشین ہوتے رہے مگر اب مصطفےٰ کمال پاشا نے اس صدی
مین جو اقتدار پیدا کیا انھون نے اپنی حکومت کو جمہوری حکومت پر منتقل کر دیا ہے اس صورت مین سیاسیات
سے علیحدہ ہو کر سلطان برائے نام صرف روحانی خلیفہ رہ گئے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی مین جو نوبت
کی حالت رہ گئی ہے کہ انکو بھی سیاسیات سے کچھ تعلق نہین ہے وہی موجودہ خلافت کی ہے تاریخ نے بزمانہ مصطفےٰ
کمال پاشا یہ تبدیلی ایسی کی ہے کہ دنیا کے مسلمانون مین کبھی جمہوری حکومت نہ تھی بس یہی نیرنگیان ہمیشہ
اس مسئلہ خلافت کے متعلق رہین اور یہ ہین اس کی تاریخ مین رد و بدل ہوتا رہا۔

باب یازدہم

حکومتون کا اقبال و ادبار

سلطنتون اور خلافتون کے زوال و کمال کی تاریخ تاریخ کی صداقتون مین ایک صداقت یہ بھی ہے کہ دنیا کی ہر شے مین زوال و کمال رہتا ہے و مدت ترقی و
تنزل بغیر اسباب نہین ہوتا ہے اور تاریخ دو حصون مین منقسم ہوتی چلی آتی ہے ایک حصہ تو اسکے کمال اور عروج کا ہے اور دوسرا
حصہ فنا اور زوال کا مثلاً عربون کے اقتدار پر غور ہو پھر اس تاریخی صداقت کو دیکھو کہ ایک مرتبہ غنیمت کا مال قبل خلافت
حضرت علی علیہ السلام تقسیم ہوتا تھا عرب نہایت خوشی اور مسرت سے حصے لے رہے تھے اور ایک عرب گریہ و زاری مین مشغول تھا وقت دریافت
کیا گیا یہ مقام خوشی کا ہے یا رونے کا اوسنے کہا کہ مین رونا اس وجہ سے ہون کہ مجکو عربون کی طمع درم و دینار اور حرص
مال و دولت سے عربون کا انجام بخیر نہین معلوم ہوتا ایسی ہی سبب عربون کے زوال کا ہوا اور دنیا مین
ایسے ہی اسباب اقبال اور ادبار کے دوسرے قومون کیواسطے بھی گویا قدرت نے مقرر کر رکھے ہین
اب ہر کمال را زوالے دنیا مین بہت دیکھا گیا ہے اور اب بھی دیکھنے مین آتا ہے مگر ہو شاذ و نادر دیکھنے مین آیا
ہے یعنے قومین کمال کے بعد زوال قبول کر کے معدوم ہو جاتی ہین جو باقی رہتی ہین انکا پھر کمال پر پہونچنا
دشوار ہو جاتا ہے قومون کا قاعدہ ہے کہ وہ اول اول اپنے افعال سے بڑھا کرتی ہین اور اخیر مین اپنے ہی
افعال سے زوال کا درجہ قبول کر لیتی ہین یعنے ایک زمانہ مین جب تک قومیت کا نشو و نما نہوا تھا صرف مذہب
ہی مذہب تھا تو اوسی مذہب کے ذریعہ سے ملکی اقتدار پیدا کیا جاتا تھا اور پھر وہی مذہب باعث انحطاط اقتدار
ہو جایا کرتا تھا جیسا کہ سید خیرالدین پاشا نے اپنی کتاب تنظیم الممالک مین لکھا ہے کہ مسلمان جب تک اپنے مذہبی
احکام پر قائم رہے انکا اقتدار بڑھتا گیا اور جب اونکو ترک کر دیا بس وہی ترک اونکے تنزل کا باعث ہو گیا
مگر کیا تنہا یہی سبب ہوا کرتا ہے نہین بلکہ اور اسباب بھی ہوتے ہین جیسا کہ مسلمانون مین افتراق
و اختلاف مذہبی نے وہ نیرنگیان پیدا کر رکھی تھین کہ وہی باعث ہوئین عبیدیون اور
آل عباس کی خلافت کی بربادی اور تباہی کی یعنے ان سب کی قومیت مین کوئی فرق نہ تھا مگر افتراق
مذہب نے وہ کر دکھایا جو صدیون تک باعث خونریزی ہوا کرتی ہے اس بات سے کو بالاجمال
اوپر بیان کر چکے ہین اب اوسکی تصریح کی جاتی ہے کہ کیونکر خلافت عبیدیہ و آل عباس
کو زوال ہوا ہے اور جو قومین پست تھین وہ کسطرح پر بلند ہو گئی تھین صلاح

صلاح الدین ایوب کردستانی عبیدیون کے آخری خلیفہ کا وزیر تھا وہ جس طریق سے خلیفہ کو معزول کر کے سلطان صلاح الدین ہوا اُس کا تذکرہ ہو چکا ہے اور یہی مذہبی عصبیت خلیفہ کے زوال اور اُس کے عدم اقتدار کی باعث ہوئی اور اسی مذہبی عصبیت نے بغداد کی خلافت کو تباہ کر دیا اور بنی امیہ کی سلطنت بھی اسی سبب سے جاتی رہی ان سب زمانون مین دین پرستی اور دنیا پرستی کا مقابلہ تھا اور مذہبی افتراق کے ہو جانے سے یہ سب کرشمے پیش آتے رہے وہ ظلم و جبر جو بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ مین اسلامی تفرقہ سے ہوا تھا وہی باعث ہوا ہلاکو خان کی حملہ آوری بغداد کا اور وہی سبب تھا کہ دیلمیون کے ہاتھ مین بغداد کی خلافت کٹھ پتلی کی طرح تھی اور وہی صاحب اقتدار اور خلیفہ گر تھے جیسے کہ ہندوستان مین نواب حسین علی خان اور نواب عبداللہ خان بادشاہ گر ہو گئے تھے ایک سفاری خاندان بھی فارس مین خود مختار ہو گیا تھا جس کے پاس ایک خلیفہ نے سفارت بھیجی تھی اُس نے یہ کیا کہ چند پیاز کی آنڈیان اور سوکھے ٹکرٹے روٹی کے سفیر کے سامنے رکھ دیے یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ اگر خلیفہ مجھ پر غالب آ جائیگا تو مین یہ کھا کر بسر کرونگا اور اگر مین غالب آگیا تو خلیفہ کو اسیر بسر کرنا دشوار ہو جائیگا اور یہی راجپوتانہ کے ایک رئیس نے دلی کے ایک بادشاہ ہمایون سے کہلا بھیجا تھا کہ مین باجرہ کی روٹی کھا کر بسر کرونگا اور آپ مغلوبیت کے عالم مین نہایت پریشان ہونگے اور یہ روٹی نہ کھا سکین گے اب اسلامی تاریخ کے متعلق خلافت انھین اسباب سے مملو ہے اور یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ بعد وفات حضرت سرور کائنات بنی امیہ اور بنو العباس کی جو شاہانہ شان و شوکت رہی وہ کسی اور کو حاصل نہ تھی یہ یادن کہین کہ وہی مزے مین رہے مگر تاریخ جہان انکی عظمت و شان بیان کرتی ہی وہان اُس نے اُنکے زوال کے اسباب بھی ظاہر کر دیئے ہین اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان خلفاء کے عہد مین صرف اسی شک کی بنا پر کہ مسلمانون کا ایک مذہبی فرقہ ہماری سلطنت کو تباہ کریگا اس فرقہ پر کیسے کیسے مظالم روا رکھے جس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہمیشہ سے ظاہر ہوتا ہوا چلا آتا ہے یعنے آخر کو مظلوم ہی کامیاب ہوئے ہین آخری خلافت العباس کے متعلق مورخین نے فریق مخالف پر یہ الزام قائم کیا ہے کہ ان کے ایک وزیر نے ہلاکو خان کو طلب کر کے مسلمانون کی خلافت کو درہم برہم کر دیا مگر دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ صلاح الدین پر بھی یہ الزام قائم ہونا چاہیے کہ اُسنے عبیدیون کی خلافت کو کیون تباہ کیا خیر تاریخ کی صداقت جب مذہبی فرقون کے متعلق ہو جایا کرتی ہی اُسپر اعتبار نہ کرنا چاہیے اور یہ تو مذہبی تعصب سے یونہی لکھتے ہی رہتے ہین اب ہلاکو خان نے بغداد مین پہونچکر جو مظالم کیئے وہ یہ ہین اُس نے حکم دیا کہ شہر کو لوٹ لیا جائے اور باشندون کو قتل کر دیا جائے عورتین اور بچے جو قرآن ہاتھون مین لیے ہوئے اور پناہ مانگتے ہوئے گھرون سے نکلے

اونھین مار مار کر موت کے آغوش مین دھکیل دیا گیا تین دن تک سڑکون پر خون بہتا رہا اور دریا
دجلہ کا پانی کئی میل تک سرخ ہوگیا لوٹ مار قتل و غارت کا بازار چھ ہفتہ تک گرم رہا اور بغداد ہمیشہ کے
لیے برباد ہوگیا اس کی آبادی بیس لاکھ سے زیادہ تھی اس قتل عام مین ابن خلدون نے لکھا ہے سولہ لاکھ
رہ گئی اور ذہبی نے لکھا ہی کہ اٹھارہ لاکھ آدمی قتل ہوے یہ خونریزی جو بغداد مین ہوئی اس کا الزام علقمی
وزیر پر ہے جس کا مذہب شیعہ تھا رکھا جاتا ہے اور الزام ہی نہین بلکہ مولوی مسیح الدین صاحب نے تاریخ خلفا
مین اُس کی نسبت وہ الفاظ لکھے ہین جو اُن کے مذہبی تعصب پر دلالت کرتے ہین یہ انھین تک
محدود نہین ہے بلکہ اُن کے پہلے مورخین نے بھی یہ شیوہ اختیار کر رکھا تھا کہ اپنے مذہب کی حمایت
اور تعصب مذہبی سے تاریخی صداقتون کو چھپا کر اور الٹی تاویلات کر کے سچے واقعات کی روشنی پر تاریکی کا
پردہ ڈال رکھا ہے ابن خلدون کو دیکھئے کہ اس نے عجیب تاویل کی ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام
حق پر تو تھے مگر اُنھون نے غلطی کی جو یزید سے مقابلہ کیا علی ہذا عبداللہ ابن زبیر نے بھی کہ حکمران کی
قوت اور شوکت پر خیال نہ کیا اس لکھنے سے یہ لازم آتا ہے کہ کلمہ حق کا اظہار بمقابلہ حکومت نہ ہونا چاہیے
جو منشار حکومت کا ہو اُسی کو اختیار کر لینا مناسب ہے۔ حالانکہ انبیا اور دیگر برگزیدگان دین کے
تاریخی حالات جنھون نے اظہار کلمہ حق کیا اس کے خلاف ہین غرضکہ ہر اہل مذہب کا خاصہ یہ ہے
کہ وہ اپنے مذہب کی جانبداری ضرور دیگا اور اگر تعصب کو کام مین لایا تو تاریخی واقعات کو اُلٹ پلٹ کر
ایسی تاویلات کریگا جو واقعات کے خلاف ہوا کرتی ہین۔

یہ قضایا مذہبی کی تاریخ تھی جو دنیا پرستی کی ظلمت اور دین پرستی کی روشنی پیدا کر کے گذر گئی
اور دنیا کی کسی قوم مین شاید یہ ہوا ہو کہ صدیون تک صرف خلافت کے جھگڑے کی بنا پر شک پیدا
ہوجانے سے خلافت یعنے بادشاہت نے ایک فرقہ کی اس درجہ خونریزی کی ہو جس کا شمار لاکھون
تک پہونچ گیا ہو کہتے ہین کہ علاوہ خانہ بربادی کے وہ قید بھی کیے جاتے تھے اور ہلاک بھی اور
بزرگان دین کی زیارتون سے محروم بھی اور اُن کے شہدا کے مشاہد مقدسہ منہدم کر کے زراعت کی
جاتی تھی تاہم وہ باز نہ آتے تھے ایک مورخ کو نہین شاید تیسری یا چوتھی صدی ہجری مین گذرا ہے
جس کی تاریخ اعثم کوفی مشہور ہے اُس نے لکھا ہے کہ بعد تحکیم و وقعۃ الجندل ایک لاکھ شیعہ ہلاک ہوے
اور منجانب امیر امارت شام فرامین نافذ کیے گئے تھے کہ جن محکمون مین یہ لوگ نوکر ہین موقوف کیے
جائین اور وظائف بھی بند کیے گئے تھے اور امارت شام کا اس درجہ اقتدار حکومت ترقی کر گیا
تھا کہ چھ مہینے کی خلافت حقہ برائے نظر آتی اور دوسرا فرقہ جو دعویدار خلافت تھا وہ بغیر کسی

شہادت کے صرف تہمت پر قید کر دیا جاتا تھا یہ سب کچھ کیون ہوا اسی خلافتی جھگڑے کی وجہ سے تھا
جس سے ہمیشہ تاریخ مین تبدیلی ہوتی رہی یہ حالات اس واسطے بیان ہوئے ہین کہ تاریخ ہمیشہ حق پرستی
اور باطل پرستی مین امتیاز کرتی ہوئی چلی آتی ہے مگر ان صداقتون کو تبدیل نہین کر سکتی جیسا پہلے ہوتا
آیا ہے ویسا ہی آیندہ بھی ہوتا رہیگا یعنے ایک زمانہ وہ تھا کہ مذہب نے اپنا رنگ پھیلا رکھا تھا اسکے
بعد موجودہ زمانہ یہ ہے کہ مذہب قومیت پر منتقل ہوتا جاتا ہے اور اس سے عجیب وغریب نیرنگیان
ظہور پذیر ہو رہی ہین خاصکر فاتح اور مفتوح اقوام مین۔

فاتح و مفتوح

کہتے ہین کہ فاتح و مفتوح اور حاکم و محکوم کو ایک دوسرا ہمیشہ مشکوک و مخدوش
خیال کرتا رہتا ہے اور اعتبار جیسا کہ چاہیئے ویسا ان دونون مین نہین کیا جاتا اسکا
سبب اوپر بیان ہو چکا ہے اب مثالاً لکھا جاتا ہے کہ قبیلہ بنی امیہ کا ایک رکن عبدالرحمن نامی فرار ہوکر شام
سے اُندلس پہونچا تو اُس نے وہان خلافت و حکومت قائم کی اُندلس کا حکمران عیسائی تھا اور مسلمان بطور ذمی
کے وہان پہونچے تھے مگر حکومت کرتے کرتے جب ایک زمانہ گذر گیا تو یہ عیش پسند ہو گئے اور اگر یہ بھی نہ ہوتا
تب بھی مٹنے والا قبیلہ اس ملک مین نہین رہ سکتا تھا اس خیال سے کہ کربلا مین جناب امام مظلوم علیہ السلام
نے پیشینگوئی فرمائی تھی اس حالت مین کہ جب آپ اُس بیوفا قوم سے جنگ کر رہے تھے اور سینہ مبارک آپکا
تیرون سے مجروح ہو رہا تھا تو آپ نے حصین بن نمیر السکونی کے اس کہنے پر کہ خداوند تعالی اب کس طرح سے تمھاری
وجہ سے انتقام لیگا فرمایا کہ اول تو لوگون مین باہمی عداوت پیدا کریگا اور ایک دوسرے کی خونریزی کریگا
بعدہ اپنا عذاب و قہر اُن لوگون پر نازل کریگا۔

اس پیشینگوئی کا یہ اثر ہوا کہ ولید بن یزید کے زمانہ مین باہمی کشت و خون ہوا اور یزید بن ولید نے
اپنے باپ پر خروج کیا اور باپ کو بیٹے سے یہ ثمرہ حاصل ہوا کہ بیٹے نے اپنے باپ کو قتل کر دیا مگر اسکو
بھی سلطنت کا ثمرہ نہ ملا اور تھوڑے دنون مین مرگیا اسکا قائم مقام اسکا بھائی ابراہیم ہوا اسپر مروان
حمار نے خروج کیا اور باہمی عداوت و شقاوت سے اسکو بھی خلافت سے دستبردار ہونا پڑا پھر اسی مروان
پر سلطنت بنی امیہ ختم ہو گئی اور اسکا اثر یہ بھی ہوا کہ اُندلس مین جو خلافت اس قوم کے افراد نے قائم کی تھی
اس کی نسبت اگرچہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہان مسلمانون نے انصاف پسندی سے کام لیا تھا اور ہر دلعزیزی
حاصل کی تھی مگر یہ کیسی انصاف پسندی اور ہر دلعزیزی تھی کہ مفتوحہ عیسائیون نے اسپین مین کچھ اُن کی
قدر و منزلت نہ کی اور نہایت ذلت و خواری سے اُنکو اپنے ملک سے خارج کر دیا اسپین مین فاتح اور مفتوح
کے درمیان سالہا سال تک جنگ رہی غرناطہ فتح کر لیا گیا تو عیسائیون اور مسلمانون کے درمیان

ایک معاہدہ ہوا تھا یہ دسمبر ۱۴۹۱ء کا معاہدہ ہے اور اس مین مسلمانون کے واسطے بہت سی سہولتین رکھی
گئی تھین مگر موسیٰ نامی ایک مسلمان نے مسلمانون سے کہدیا تھا کہ عیسائیون کے دھوکے اور دغابازی کے
جھوٹے وعدون پر نجاؤ محاصرہ توڑکر نکلجاؤ غلامی کے تنگ و تکلیف سے مرجانا بہتر ہے لیکن مسلمان ایسے مجبور
تھے کہ اُن کو معاہدہ کرنا پڑا بعد معاہدہ موسیٰ کی پیشین گوئی پوری ہوئی یعنے مسلمانون کو ہر طرح سے ذلیل
و خوار کیا گیا ان کے قوانین اور مذہب کو ممنوع قرار دیا گیا انمین سے بہتون کو جبراً عیسائی بنایا گیا اب مسلمانون
نے پھر جنگ شروع کردی مگر نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیون نے مظالم مین اور اضافہ کیا بہت سے مسلمان دوسرے
ممالک مین بھاگ گئے اور ان کا تمام مال عیسائی حکومت نے ضبط کر لیا اب جو رہے اُن کی تعداد بیشمار
تھی اُنکو بھی بزور شمشیر عیسائی کیا گیا مگر یہ لوگ دل سے مسلمان رہے پوشیدہ طور پر خدا کی عبادت کرتے تھے
اور مقررہ وقتون پر وضو کرتے اور نماز ین پڑھتے تھے پادری سے چھپکر اُس پانی کو جس سے اصطباغ دیا
جاتا تھا دھو ڈالتے تھے عیسائیون کی طرح گرجا مین نکاح ہونے کے بعد گھر آتے تو شریعت اسلام کے مطابق
نکاح کرتے تھے روز بروز عیسائیون کی بیرحمی زیادہ ہوتی جاتی تھی ان برائے نام عیسائیون پر ذرا بھی شبہہ
ہوتا تو اُن کو زندہ آگ مین جلا دیا جاتا تھا غرناطہ اور قرطبہ مین آگ کے شعلے ہمیشہ بلند رہتے روزمرہ
مرد اور عورتین اور بچے اس مین زندہ ڈال دیئے جاتے تھے اور بغاوت کے اندیشہ سے ہتھیارون
اور ہر تیز دار شی انکو ممانعت کردی گئی تھی یہانتک کہ چھوٹا سا چاقو رکھنا بھی جرم مین داخل تھا اور
اسی پر قناعت نہ تھی بلکہ اُس زمانہ مین فلپ ثانی جو اسپین مین حکمران تھا اس سے بڑے پادری نے
ایک فرمان صادر کرایا تھا کہ مسلمان ایک دن کے اندر ہی اپنی زبان اپنے رسومات غرض کہ اپنے
ہر قومی آئین کو ترک کردین عیسائیون کی ایسی ٹوپیان اور پتلونین پہنا کرین نہانا چھوڑ دیں اور اسپین
کی زبان بولا کرین غرضکہ آٹھ سو برس تک اسپین کے عیسائیون پر مسلمانون کی حکومت کا کیا یہی نتیجہ
تھا کہ لاکھون قتل کئے گئے اور فلپ سوم نے لاکھون کو جلاوطن کردیا یعنے اُس کے عہد تک تیس لاکھ
مسلمان اسپین سے نکالے گئے یہانتک کہ اسپین مین ایک مسلمان بھی باقی نہ رہا اور یہی وہ فلپ ہے جس کے متعلق
ایک مورخ جو اسپین کا باشندہ ہے لکھتا ہے کہ مسلمانون نے اسپین مین تہذیب اور شائستگی
کے آفتاب اور ماہتاب کو چمکا رکھا تھا اب تاریکی اُس تمدن پر چھا گئی ہے قدرت نہین بدلی ہے
وہ تو اُسی طرح شگفتہ ہے مگر تاریخ تبدیل ہوگئی ہے اور ایسی تبدیلی ہوئی ہے کہ مسلمانون کو اپنا مذہب
بھی بدلنا پڑا تھا یہ تقیہ نہ تھا تو پھر کیا تھا بہرحال جو کچھ ہوتا تھا وہ ہوا یہ فاتح مسلمان جب عیش پسند ہوگئے
اور عیش پسندی فاتح قوم مین آگئی تو مفتوح قوم کو موقع ملگیا اُس نے اس ملک سے انکو نکال باہر کیا اور

یہ قوم دنیا سے ایسی مٹگئی کہ اوسکا نام و نشان تک باقی نرہا اور یہ تو مانی ہوئی بات ہی کہ دنیا مین شاید ہی کوئی بادشاہ ہوا ہو جس نے اپنے وطنی ملک مین اپنی حکومت کو محدود کر لیا ہو ان سب کے بزرگ غیر قومون کے ملکون کو فتح کرتے پہرتے تھے مگر کچھ مدت تک فرمانروا ہو کر اون حالتونکو اختیار کر لیتے تھے جو مفتوحہ قومون کو اپنے فاتحین کو مفتوح بناتی ہوئی چلی آتی تھین وہ ایک سلسلہ تاریخ نے یہ بھی قائم کر رکھا تھا اور یہ بھی تاریخی واقعات ہین کہ جب غالب قوم کسی کو مغلوب کر لیا کرتی ہے تو مغلوبیت اوسکے مطیع و منقاد ہونے کا کوئی ذریعہ ہو جایا کرتی ہے پھر ایک زمانہ مین وہ مغلوب قوم غالب ہو کر حکمران ہوا کرتی ہی اور یہ تو مخلوق کے ہمیشہ پیش نظر رہا ہے کہ جب کسی زبردست بادشاہ نے کسی بادشاہ پر چڑھائی کی اور اوسکی فتح کے آثار نمایان ہوے تو محکوم قوم کے افراد نے یہ خیال ضرور کیا ہے کہ اب ایک کی حکومت جانیوالی ہے اور دوسرا حاکم ہونیوالا ہے تو اوس کی تائید ہونا چاہیے اور مدتون جسکی رعایا رہے ہین اوسکو چھوڑ کر اوس فاتح کی اطاعت کرنے لگے ہین تاتاریون کا اقتدار ملاحظہ ہو کہ اونکی حکومت مین دنیا کے مسلمانون کی کیا حالت رہی یہی حالت تھی جسکو بیان کیا گیا ہے اور نادرشاہ و تیمور کا اقتدار حکومت غور طلب ہے کہ اونکے ساتھ اور اونکے خاندان کے ساتھ کیا کچھ گذر چکا ہی اور ابدالی و نادرشاہ کے حملہ ہندوستان کے وقت یہ بھی تاریخ کا بیان ہے کہ ہندوستان کے رئیسون نے یہ معاہدہ جو مغلیہ بادشاہون سے کر رکھا تھا کہ جب بیرونی حملہ ہوگا تو ہم اپنی قومون سے مدد دیا کرینگے مگر بجائے اعانت کے خاموشی اختیار کرینگی اور یہ بھی تاریخ کا بیان ہی کہ نادرشاہ نے مفتوحہ قومون کو برسر اقتدار کر رکھا تھا اونہین نے اخیر مین نادرشاہ کو ہلاک کر دیا اور آپ برسر حکومت ہو گئین یہ گذشتہ تاریخ تھی اور اب قومیت کا زمانہ ہی اور جو ردوبدل حکومتون مین ہو رہا ہی اوسمین منجانب رعایا حقوق کا مطالبہ بھی ہی نہ کہ حکومت کی خواہش مگر ہو وہی رہا ہے جو پہلے ہو چکا ہے

گذشتہ اور موجودہ زمانہ کی تاریخ ہم صدر مین جو کچھ بیان کر آئے ہین وہ مذہب و شخصیت کے متعلق ہے شخصیت مین حقوق رعایا کے کچھ بھی نتھے صرف بادشاہون کو اختیار تھا وہ جو چاہتے تھے کر گذرتے تھے موجودہ زمانہ مین جب سے شخصیت قومیت پر منتقل ہو گئی ہے اوس قومیت نے حقوق کے مطالبہ کا رنگ جما رکھا ہی مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک جس طرف نظر اوٹھا کر دیکھئے یہی غوغا بلند ہو رہا ہی اور گذشتہ رسمی تاریخ کو موجودہ زمانہ کی تاریخ نے تبدیل کر دیا ہی اور مذہب جس نے کہ حق پرستی قومون مین قائم کی تھی معدوم ہوتی جاتی رہی اور بجائے اوسکے باطل پرستی کا نشو نما ہو رہا ہی ہم پہلے ہی یہ ذکر کر آئے ہین کہ انبیا و اولیا وسکے زمانہ مین

کیا گذرتا رہا اور بنی امیہ اور بنی عباس کی خلافتون مین اسلامی تفرقہ نے کیا رنگ دکھایا تھا ہم کو تاریخ
مین کسی رسول اور نبی کے وقت یہ سراغ نہ ملا کہ صدیون تک صرف مذہب کی وجہ سے ایسا جھگڑا قائم ہوتا
ہوا چلا جاتا ہو جیسا کہ مسلمانون مین ہو رہا ہے مسلمانون مین ایک طبقہ تھا جس کے افراد اب بھی دنیا مین
موجود مین وہ اس درجہ کچلا گیا کہ اوسمین ذرا بھی طاقت نہ رہی تھی مگر کچلنے والون کا یہی خیال رہا کہ یہ
ہماری حکومت کے مٹانے والون مین ہین یہ دنیا سے معدوم ہون تو اچھا ہے مگر جو حق پر ہوتے ہین
اُنکو خدا معدوم نہین کرتا اور جب خدا اُنکا محافظ ہے تو انسان اُنکو کیونکر معدوم کر سکتا ہے تاریخ روضۃ الصفا
جو ایک مستند تاریخ ہے اسمین ائمہ اثنا عشر کے حالات مین بذیل حالات حضرت امام علی نقی علیہ السلام
لکھا ہے کہ مفسدین کے کہنے سے متوکل خلیفہ عباسی نے آپکی خانہ تلاشی کا حکم دیا تھا کہ ہتھیار تو آپ کے
مکان مین نہین رکھے ہین اسی طرح بر خلافت عباسیہ کے عہد مین اور ائمہ کئی مرتبہ طلب ہوے ہین اور
ان سے بعض امور مین پرسش ہوئی اور یہ تو تاریخ آگاہ کر چکی ہے کہ شخصی سلاطین کیسے ہی رحم دل
کیون نہ ہوتے تھے مگر ان کے درباری دشمن اپنے اغراض و نیز مذہبی تعصب اور رسوخ پیدا کرنے کی
نیت سے اور جھوٹی خیر خواہی جتانے کے واسطے اُن حق پرستون سے ہمیشہ چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے
تھے اور خوشامدانہ فتنہ پردازی سے ان سب کو جیل روانہ کیا کرتے تھے اور قتل کرنا اور ہلاک کرنا بھی تھا
اس تاریخی صداقت کا انکشاف ائمہ اثنا عشر اور بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ مین بخوبی تمام ہوا
کیا ہے علاوہ اس کے قید خانہ مین بھجوا دینا یہ تو ادنیٰ کرشمہ تھا دیکھیے خلیفہ مہدی کو کہ اُس نے ایک مرتبہ
یعقوب کو رہا کیا اور اپنا مصاحب بنایا اور پھر رفتہ رفتہ وزیر کیا مگر حاسد اس کے درپے آزار ہوے آخر مین
خلیفہ نے ایک علوی کے قتل کا حکم دیا یعقوب نے اُس کی ہمدردی کی اور اُس کو بھگا دیا یعقوب کے پاس ایک
لونڈی خلیفہ مہدی کی دی ہوئی تھی اُس نے مہدی سے یہ سب ماجرا بیان کر دیا مہدی خلیفہ نے پھر اس علوی
کو گرفتار کرا یا اور بعدہ یعقوب سے اسکا حال دریافت کیا یعقوب نے مہدی کے سر پر ہاتھ رکھکر قسم کھائی
اور کہا کہ مین نے اس کو قتل کیا ہے اُس وقت مہدی نے اُس علوی کو اُس کے روبرو کر دیا اب یعقوب کو
ندامت اور خوف کے سبب سے غش آ گیا مہدی نے یعقوب کو قید کیا اور اُس علوی کا سر تن سے
جدا کیا یعقوب سولہ برس تک قید رہے اور اس مدت مین اُنکو نہایت تکلیف دی گئی کہ اُنکی آنکھون کا
نور جاتا رہا اور اُن کے تمام بدن پر بال مثل چارپاؤن کے ہو گئے تھے ہارون رشید کے وقت مین اُن کو
مجلس سے نکالکر رہا ہوے گئے اُنھون نے کہا السلام علیک یا امیر المومنین لوگون نے دریافت کیا کہ کس امیر پر
تم نے سلام کیا اُنھون نے کہا مہدی پر لوگون نے کہا کہ مہدی قضا کر گئے تب اُنھون نے کہا کہ ہادی پر

کہا گیا کہ وہ بھی مر گئے تب انھون نے کہا کہ ہارون پر اب ہارون رشید نے اُن سے کہا تم کیا چاہتے ہو انھون نے کہا کہ اجازت چاہتا ہون کہ مکہ معظمہ مین جا کر سکونت اختیار کرون اور بقیہ عمر وہین بسر کرون ان کو اجازت دیدی گئی اور وہ وہین جا کر رہے اور وہین انکا انتقال ہوا یہ واقعہ الفخری کی کتاب آداب الوزراء مین بہ تفصیل موجود ہے اور کتاب مطبوعہ یورپ کتب خانہ آصفیہ مین موجود ہے اور یہ خوشامد اور رسوخ کا تذکرہ جو اوپر ہوا ہے اس کی بہت سی مثالین ہین مگر ایک دلچسپ مثال یہ ہو کہ ایک بادشاہ مع اپنے مصاحبین کے گرمیون مین بغرض شکار گیا وہان ایک غریب آدمی اُس کو ملا وہ بوجہ تشنگی مثل ماہی بے آب تڑپ رہا تھا بادشاہ نے اپنی خاص صراحی سے پانی پلانے کا حکم دیا جب وہ پانی پی چکا تو مصاحبین نے یہ کہنا شروع کیا کہ تم کو فخر کرنا چاہیے کہ برف مین سرد کیا ہوا پانی تم کو دیا گیا اس نے جواب دیا کہ جھوٹ نے دیا ہے وہ تو کچھ سکتے نہین ہین تم لوگ کیون خوشامدی باتین کر رہے ہو اور یہ پانی گیا ہے اللہ جاڑے کے موسم مین ہم کو اچھا پانی پلاتا رہتا ہے آپ سے اسپر بادشاہ نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو اور یہ لوگ تو ہمیشہ خوشامد کی باتین کرتے آئے ہین اور اب بھی کرتے ہین۔

یہ چند واقعات بطور مثال لکھ دیئے ہین اور اب قومیت کے عالم مین بھی یہ تبدل اغراض قوم پرستی اپنا جلوہ دکھا رہی ہے یعنے یورپ مین جو اتفاق و اتحاد قومی ہوا اس نے شخصیت کے زمانہ مین جو مظالم ہوا کئے ہین انمین بہت کچھ تخفیف کر رکھی ہے مگر ان کے اصلی ملک کی تاریخ اور ہو گئی ہے اور جو ملک اُن کے تحت مین غیر قومون کے آگئے ہین وہان کی تاریخ دوسری ہے یعنے خود حکومت مین قوم بھی شریک ہو گئی ہے اور یہی فرجب ان کے ممالک مفتوحہ مین ہوا تو فاتح و مفتوح اقوام مین مطالبہ حقوق کے لحاظ سے تصادم واقع ہو رہا ہے اور ایسا تصادم جس سے ہر شخص نتیجہ نکال سکتا ہے کہ کیا فاتح قوم کے سوا مفتوحہ اقوام کا نام و نشان باقی نہ رہیگا یا مفتوحہ اقوام کی پھر حکومت ہو جائیگی حصول و زوال حکومت کے لئے یہ قومی ہماہمی اور جوش و خروش نہین ہے اور جو ایسا سمجھتا ہے وہ غلطی پر ہے وہ زمانہ دور گیا جبکہ شخصی حکومتون کا دور تھا اور حافظ شیرازی نے یہ شعر کہا تھا۔

رموز مملکت خویش خسروان دانند — گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

ابھی ہندوستان پر خیال کرنا چاہیے کہ شخصیت کے زمانہ مین ایک مٹھا چور قوم کس طرح سارے ہندوستان پر مسلط ہو گئی یا خالصہ طبقہ کا کیسا دور رہا اور نواب حیدر علی خان کیا کمر گذرے اور انکے ساتھ کیا ہوا اب قومیت مین حکومت کی خواہش کسی مفتوحہ قوم کو نہین ہے بلکہ حکومت مین مساوی یا نہ طریق سے شریک ہونے کی تمنا ہے اور یہی وہ تاریخی روایت ہے جس نے گذشتہ زمانہ مین جلال کو تمام اور تمام کو جلال

جاتنے والون مین کہہ رکھی تھی اور اب ناحق کو حق اور حق کو ناحق سمجھنا یہ نیرنگیان دیکھنے مین آرہی
ہین پھر یہی مقام وہ ہے جس مین یہ تذکرہ بھی مناسب اور موزون معلوم ہوتا ہے کہ آل عباس
اور آل امیہ کے عہد مین جو خلافتی جھگڑا ایک دوسرے گروہ کے مقابلہ مین تھا اوسی کے مطابق
اس قومی زمانہ مین بھی دیکھا جاتا ہے اوس عہد مین جس گروہ پر سختیان عمل مین آرہی تھین
اس اندیشہ سے کہ یہ خلافت چھین لینگے حالانکہ اوسکو طاقت کہان تھی نہ اوسکے خواب وخیال
مین یہ تھا وہی وسوسہ اور اندیشہ اب بھی کام کر رہا ہے ایک جانب اور دوسرے جانب
اسکا خیال بھی پچھلے لوگون مین نہین ہے اور نہ کسی قسم کی طاقت اور قوت اون مین ہے کہ ایک عظیم الشان
گورنمنٹ کو اولٹ دین یہ اولٹ پلٹ تو یورپ ہی مین رہتی ہے نہ کہ ایشیا مین جہان قومیت کا آغاز بھی ابھی ہے
درحقیقت جن قومون مین مذہبی اثرات باقی نہین ہین اون مین حق پرستی کا مادہ بھی نہین ہے مگر ملکی معاملات
مین ہین کہ ہمیشہ کسی قوم نے مذہب کا خیال نہین کیا ہے اور منصفانہ ہمدردی و رحمدلی جو قومون کے بنیاد اور اصول
کہہ گئے ہین وہ دنیا کے معاملات جنمین ملکی معاملات بھی شریک ہین کہان عمل مین آنے پاتی ہے جہانتک دیکھا جاتا ہے
قومی لیڈرون کی حالت پہلے بھیک منگون کے مقابل نہ تھی یعنے جو دعا کے ساتھ سوال کرتے رہتے
تھے ۔ اگر کچھ مل جاتا تھا تو خاموشی کے ساتھ قبول کر لیتے تھے یہی تاریخ مدتون اونکی رہی مگر جب
اونھون نے زمانہ کا رنگ دگرگون پایا تو پھر اونھون نے اب بنا پر طلب حقوق ایک دوسری
تاریخی حالت قائم کی ہے اور یہ وہی غیر اقوام فاتح اور مفتوح کے تصادم کا نتیجہ ہے اور
عجیب انصاف ہے کہ جن قومی جھگڑے اور فاتح ہی قوم کے افراد اکثر ایسے مقدمات کا انفصال کرتے رہتے
ہین اور جو سزائین تجویز ہوتے ہین ان سزاؤن سے بجائے فائدہ کے نقصان ہو رہا ہے اور اشتعال ترقی پاکر
اتحاد و اتفاق ملکی اور قومی کا باعث ہو رہا ہے اور اس زمانہ مین جبکہ قومی جھگڑے مقابلہ گورنمنٹ اوٹھ کھڑا ہوا ہے
تو معدلت پرستی کا یہ اصول بھی کہ انگریزی قوم کے افراد کے اجلاس مین ایسے مذہبی اور قومی مقدمات ہوا کرین
کب قائم رہ سکتے ہین اسمین گورنمنٹ بھی احتیاط کرتی جاتی ہے اور نہین بھی کرتی ہے مگر ہندوستانیون کے اجلاس
مین جو مقدمات اس نوعیت کے پیش ہوا کرتے ہین وہ بھی ہی ہین جنکو ملازمت کی طمع اور حرص محاصرہ کئے ہوئے ہے اور جنکی
نسبت کہا جاتا ہے کہ ملازمت سے دست بردار ہو جائینگے وہ نہ ترقی کی خواہش و شوخ کے سبب سے ہم وطنون اور ہم مذہب
کی سزا دہی مین بھی انگریزون سے بھی بڑھ گئے ہین انگریز تو کبھی کبھی اپنی رحمدلی اور انسانی ہمدردی کا کام مین لاکر سزا نہین دیتے ہین
[illegible] خیال نہین کرتے بلکہ اپنے افسران کی خوشنودی کیواسطے جو چاہتے ہین کر گذرتے ہین حیرت ہے کہ ان
[illegible] شریک کر لیا جاتا تو بھی [illegible] ہے کہ وہ اس عدالت

اصول کو اب مدنظر رکھے کہ جس اجلاس سے کچھ بھی خصومت اور عداوت ہو اُس اجلاس پر مقدمہ نہ ہوا کرے بلکہ وہ اجلاس تصفیہ کرے جس کا قلب و دماغ ان عیوب سے پاک وصاف ہو۔

یہ اختلاف کا سلسلہ جو باہم قومی لیڈرون اور حاکم ومحکوم قوم مین قائم ہوا ہے وہ جدید امر نہین ہے اسکا قیام تو ہمیشہ سے ہے اور اب جبکہ قومیت کا آغاز ہے تو ہمیشہ رہیگا اور اگر بنظر انصاف غور ہو۔تو اختلاف کچھ برا نہین ہوتا بلکہ اس مین اچھائی یہ ہے کہ ہر مسئلہ اگرچہ مختلف فیہ ہوجاتا ہے مگر کسی نہ کسی مانہ مین عمدہ نتائج اس سے ضرور پیدا ہوتے رہتے ہین فرض کیجیے کہ ہندوستان مین ایک متحدہ قوم حکمران ہے وہ اپنے اغراض کے تحفظ کے لیے اختلاف کرتی ہے تو اُس کے اختلافی دلائل اور حقائق پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کہانتک وہ حق بجانب ہین اور کہانتک نہین۔ہان گورنمنٹ کو بچاہیے کہ وہ اپنی قوم ہی کے حقوق کی موید رہے اور قومین جو اسکی رعایا ہین اُن کے حقوق پر توجہ نہ ہو یہی بنیاد قومی ہنگامہ آرائیون کی ہے اور تاوقتیکہ مساوات کا لحاظ تمام انتظامی امور مین نہ کیا جائیگا یہ قومی وملکی شور وغوغا دفع نہ ہوگا اور یہ قلم وزبان کی جنگ وجدل تو ایک قوم سے دوسری قوم کی معلوم ہوتی ہے نہ کہ شہنشاہ وقت سے ان کے تو سب خیرخواہ ووفادار ہین مگر مجبوری یہ ہے کہ جس کو گورنمنٹ کہا جاتا ہے وہ قومی ہے اور اس خصوصیت کے اعتبار سے انگلستان کا ہر قومی فرد شریک ہے وہان جو پلوسکا اور ہر تالین ہوا کرتی ہین وہ دیگر قومی جھگڑے اینر بلحاظ ہم قوم ہونے کے یہ قیاس نہین کیا جاتا کہ وہ سلطنت کے زوال کا سبب ہین برعکس اس کے مفتوحہ ممالک مین یہ قیاس دوسرے پیرایہ مین ہوجایا کرتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے خیر انگریزون کے اختلاف پر تعجب وحیرت نہ کرنا چاہیے تعجب اور حیرت تو اپنے ہم وطن واہل مذہب اور ہم قوم کے حالات اور مقالات پر ہے اور رنگ برنگ کی پالیسیون اور ماڈریٹ طبقہ کی کارروائیون پر یہ ماڈریٹ طبقہ وہی ہے جس نے کانگریس کو قائم کیا تھا اُس وقت تمام انگریزی اخبارات مین اور دیگر اینگلو انڈین صاحبان نے یہ کہنا اور لکھنا شروع کیا تھا کہ اس کے ممبر انگریزی حکومت کو مٹانے والے ہین اور خفیہ پولس سایہ کی طرح ان کے ہمراہ رہا کرتی تھی اور یہ پالسی اختیار کی گئی تھی کہ جہانتک ہوسکے مسلمان اس سے علحدہ رہین اور بمقابلہ ہندوون کے مسلمانون کی وفاداری اور خیرخواہی تسلیم کیجاتی تھی مگر جب حرار طبقہ کی بنیاد پڑی تو ماڈریٹ کی وفاداری کا چرچا ہوا اور جب ٹرکی سے جنگ ہوئی تو مسلمانون کو چھوڑ کر پھر ہندوون پر توجہ ہوئی مگر جب ہندو اور مسلمانون مین اتحاد واتفاق کی ٹھہری اور خلافتی جھگڑا بھی اُن کے پروگرام مین شریک ہوا تو پھر ماڈریٹ سے اتحاد کی نوبت پہونچی اور یہی اعتدال پسند طبقہ اب حقیقی خیرخواہ مین شمار کیا جاتا ہے۔اور اب اعتدال پسند طبقہ دل سے تو مہاتما گاندھی کو اچھا سمجھتا ہے مگر ترک موالات

اچھا نہین جانتا اور اس مقولہ پر عامل ہے کہ یکے را نگیر و دیگرے را دعوی کن ۔ اس خیال سے وہ احرار طبقہ کو لائق سنگ ساری تو نہین جانتا مگر اسی طرح پر انپر پھول مارا کرتا ہے جس طرح پر جنید نے منصور پر جو انا الحق کہنے پر مجرم قرار پائے تھے اور اُن کو عوام الناس سنگ سار کر رہے تھے جب جنید نے منصور پر پھول مارے تو منصور نے کہا کہ آپ سے تعجب ہے کہ میری حالت کو جانتے تھے اور دیدہ و دانستہ آپ کا پھول مارنا مستوجب شکایت ہے اور عوام الناس کی شکایت نہین ہے وہ تو میری حالت سے بالکل ناواقف ہین ۔

پھر یہ بھی اب ہو رہا ہے کہ جب ماڈریٹ طبقہ نے کونسلون مین اور اِدھر اُدھر برٹش گورنمنٹ کے خلاف گل افشانی شروع کی تو انگریزی اخبارات نے اینر شک کیا ہے انکی بھی حالت اُسی مینڈک کی ہو گئی ہے جس کی پشت پر ایک مینڈک بیٹھ گیا تھا اور جو مینڈک بیٹھ گیا تھا اُس کی پشت پر دوسرا مینڈک بیٹھ گیا سب سے اوپر گویا پالسی کا مینڈک بیٹھا ہوا تھا اُس کے تحت مین احرار طبقہ تھا جب بیچ والے مینڈک نے کہا کہ چہ غم تو تحتانی بولا ہیچ نہ غم اور سب سے نیچے والے نے کہا کہ مرے سو ہم یہی حال اور حضرات کا بھی دیکھا جاتا ہے ۔

یورپ کی شخصیت اور قومیت

ہم اوپر بیان کر آئے ہین قومیت و شخصیت کا فرق اور یہ بھی لکھ آئے ہین کہ زمانہ سابق مین مذہب قوم بناتا تھا اور انسانی افراد متحد الکلمہ و متحد المقاصد ہوتے رہتے تھے اب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یورپ کی شخصیت قومیت پر کیونکر منتقل ہوتے ہوئے چلی آتی ہے ۔

دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ ازمنہ ماضیہ مین کل ملکون مین شخصیت تھی اور جو محکوم کے جاتے ہین اُنمین بادشاہ پرستی زیادہ تھی اور اپنے حقوق کی معرفت جیسی کہ چاہیے اُنمین نہ تھی وہ انصاف کے معترف رہتے تھے اور ظلم و جبر کے شاکی اور اسی ظلم و جبر کا نتیجہ تھا کہ ملکون مین بغاوت ہو جایا کرتی تھی اور چونکہ اُس زمانہ مین قومی اتحاد و اتفاق کا مذاق پیدا نہ ہوا تھا اگر کچھ تھا تو صرف مذہبی اختلاف ۔ لہذا بادشاہون کی تائید اُسی ملک کے باشندہ جو بغاوت کرنے والون کے ہم قوم اور ہم مذہب ہوا کرتے تھے اور زبردستون کا مجمع زیردستون کو دبا دیا جاتا تھا مگر قدرتاً اُنمین جو وطن پرستی تھی اُس کے لحاظ سے سب متفق تھے اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جب کوئی غیر ملک کا بادشاہ چڑھائی کرتا تھا تو سب ملکر اپنے وطن کی محبت کر کے اُس سے مقابلہ کرتے تھے اور شکست کی صورت مین جبراً و قہراً اُس کے مطیع ہو جاتے تھے مگر اپنے ہم قوم کا ملک یاب ہو جاتا اور دوسری قوم کا غلام ہونا انکو کبھی پسند نہ تھا اور یہ لفظ بغاوت جس کو مرقع نے وضع کیا ہے کبھی اپنے معنے اور مفہوم کے

اعتبار سے صحیح سمجھا جاتا ہے اور کبھی بالکل صادق نہین آتا مثلاً شخصیت کے زمانہ مین جب ظلم وجبر خود
حکومت اور اُس کے عمال کرتے تھے اور کوئی سماعت نہ ہوتی تھی تو لوگ حکومت سے انحراف کر جاتے تھے اور
خونریزی تک نوبت پہونچ جاتی تھی اسی خیال سے کہ ابتو انصاف ہوگا اسپر بغاوت کیونکر صادق آسکتی ہے
مگر خونریزی کو وقت حکومت برے افراد اس کو بھی بغاوت مین داخل کر دیا کرتے تھے خیر شخصی حکومتون مین ہمیشہ
یہ خمیر اُٹھا کرتا تھا اور یہ بھی تھا کہ ایک بادشاہ کے درباری دوسرے کسی غیر ملک کے بادشاہ کو طلب کرکے اپنے
بادشاہ کو مغلوب بنا دیتے تھے یہی انقلاب ہا کرتا تھا جو قومیت اور وطن پرستی کے بالکل منافی تھا مثلاً محمد شاہ
بادشاہ ہند کے درباریون نے [illegible]ر شاہ کو بلا کر دلی پر قبضہ کرا دیا تھا اور ہلاکو خان سے سازش کر کے بغداد کو تباہ کیا
تھا اور آل عباس اور بنی امیہ یہانتک کہ کل دنیا کی شخصی حکومتون مین یہی ہوتا رہا ہے اب قومی حکومتون نے
اس مین عمدگی اور سنجیدگی سے اصلاح کر رکھی ہے۔

مگر ابھی جو خامی باقی ہے وہ یہ ہے کہ جیسا کہ لارڈ مارلے صاحب نے جبکہ وہ وزیر ہند تھے اپنی ایک اسپیچ
مین بیان کیا تھا کہ ہندوستان مین جب کبھی مطالبہ حقوق کی بحث چھڑ جاتی ہے تو بحفاظت اغراض ذاتی فوراً
دوسری جانب سے بغاوت کا الزام قائم ہو جایا کرتا ہے اُس زمانہ سے اب اس لفظ کی اور بھی ترقی ہے
خیر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو مگر یورپ کی قومی افراد مین بھی ایک وقت یہی چرچا رہا کرتا تھا اور
ایسی ہی سخت کار رعایاؤن سے یورپ مین بھی قومیت کا احساس پیدا ہوا اور مختلف پولیٹکل پارٹیون نے
اپنے ملکی و قومی جوش وخروش سے آخرکار حکومتون مین شرکت پیدا کر لی اور تاریخ سے ثابت ہو سکتا ہے
کہ جس درجہ رعایا پر شدید مظالم روا رکھے جاتے تھے وہی ذریعہ افراد رعایا مین احساس قومیت کا ہوا کرتا تھا
اور انصاف جس کو کہتے ہین اسکی شہرت کسی طرح پر ہو جایا کرتی تھی مثلاً محمود غزنوی کی نسبت بیان ہے کہ اُسکے
ایک لڑکے نے کسی غریب رعایا پر ظلم کیا تھا اُس نے فریاد کی تو اُس شاہزادہ سے انتقام لیا گیا اور خلافت
ثانیہ کے عہد مین جبلہ کا قصہ مشہور ہے جو ایک شاہزادہ شام کا تھا اور مسلمان ہو گیا تھا مگر طواف حج کے
وقت کسی غریب کی حرکت سے جبلہ کا تہ بند کھل گیا اُس وقت جبلہ نے اُسکی ناک پر گھونسہ مارا کہ اُسکی
ناک سے خون جاری ہو گیا جب یہ خبر بارگاہ خلافت مین پہونچی تو جبلہ کو حاضر کر کے کہا گیا کہ اگر تم اسکو
راضی نہ کروگے تو وہ بھی تم سے بدلا لیگا جبلہ نے عذر کیا اور کہا کہ مین ایک عالی خاندان شاہزادہ ہون
اور مین نے اسلام اس واسطے اختیار کیا تھا کہ میرا اعزاز قائم رہے گا اسکا یہ عذر مسموع نہ ہوا اور
جب عذر نہ سنا گیا تو وہ بھاگ گیا اور ہرقل کے دربار مین پہونچکر وزیر ہو گیا اور جس زمانہ مین خلافت کی
جانب حذیفہ یمانی ہرقل کے دربار مین سفارت لیکر گئے تھے جبلہ وزیر تھا اور پھر عیسائی ہو گیا تھا۔

ایسے ہی واقعات اور بھی تاریخون مین ہین مگر انصاف امن وامان قایم رہنے کا ذریعہ ہوسکتا ہو نہ کہ قدم بنانے اور قومی اتفاق کا قومیت تو ظلم وجبر حکومت سے پیدا ہوا کرتی ہے اور روحانیات کی تعلیم اور وطن کی محبت سے اب رہا انصاف وہ بقبول بندگان خدا کر گئے ہین - باقی بادشاہون کے زمانہ مین قال تو رہ گیا ہے اور حال نمایشی ہے پھر یہ دوسرا واقعہ ہے کہ جو بادشاہ غیر ممالک مین حکومت کرتے ہین اُنکو بھی ضرور انصاف کرنا چاہیے اور اُسی طرح پر کسی کو محروم نہ کرنا چاہیے جیسے کہ ایک ایران کے بادشاہ نے جس کے قبضہ مین ترکستان بھی تھا ایک ضعیفہ سے جو ترکستان سے اُس کے پاس فریاد لیکر گئی تھی یہ کہدیا تھا کہ ایسے دور دراز ملک مین ہم انصاف نہین کر سکتے اس کے جواب مین اُس ضعیفہ نے کہا کہ جبکہ وہ ملک دور تھا تو آپ نے اس کو فتح کیون کیا اور اب مجھ سے کہتے ہو انصاف نہین ہوسکتا یہ دوسری طرح کا عذر انصاف نہ کرنے کا تھا جس کو لارڈ ڈلٹن صاحب نے بھی فلر کے قضیہ کے متعلق اپنے زمانہ ویسرائی مین اسی مثال کو بیان کیا تھا جبکہ فلر ایک یورپین نے ایک دیسی سائیس کو ہلاک کر دیا تھا اور رہا ہو گیا تھا یہ خبر جب وائسرائے کو پہونچی تو انھون نے حکام وقت پر چشم نمائی کی تھی اور ہایکورٹ کے ججون پر بھی کہ اچھی طرح پر انصاف نہین کیا گیا اسپر ہائی کورٹ الہ آباد کے ججون نے یہ لکھا ہے کہ ہم وائسرائے کے ماتحت نہین ہین وائسرائے کے ماتحت نہین کر سکتے اسکا تصفیہ ولایت مین ججون کے خلاف ہوا تھا یعنے الہ آباد ہائی کورٹ کے جج وائسرائے کے ماتحت قرار پائے تھے اور یہ تصفیہ شاید اُس زمانہ کے گزٹ آف انڈیا مین چھپکر شایع ہو گیا تھا تیسرا یہ ہے کہ دنیا مین انصاف کا دعوی بھی کیا جاتا ہے مگر اس دعوی کے ثبوت کے واسطے کوئی عملی دلیل پیش نہین کی جاتی جس سے مساوی طور پر انصاف کا ہونا پایا جاتا ہو غرضکہ انصاف کا لفظ بھی واضع نے وضع کر دیا ہے لیکن حقیقی انصاف جو رعایا مین ہر دلعزیزی پیدا کرتا ہو وہ کسی تاریخ سے ظاہر نہین ہوتا اور اس طرح کا انصاف تو اُس وقت ہو سکتا تھا اور ہوسکتا ہی جبکہ بادشاہون کی انصاف پسندی پر عمال اور اُن کے وزیر اور دیگر عہدہ دار عمل کرتے ہون یا کرتے رہین بادشاہون مین اگر معدلت کا مادہ ہوتا تھا تو اُن کے عہدہ دارون مین یہ بات نہ تھی کہ وہ سب کو مساوی سمجھے اور سب کے ساتھ بلا امتیاز قومی و مذہبی انصاف کرتے ہون مگر یہ کہان تھا اور کہان ہے شہنشاہ اورنگ زیب بھی یہی کہتے رہے جیسا کہ وہ اپنے ایک رقعہ مین لکھتے ہین۔

باواز بلند گفتہ ایم و باز میگویم کہ ما را ور احقاق حق و رفع تعدی شعدی گرویدگی بہیچ یکے از فرزندان نیست تا بہ دیگرے چہ رسد۔

ایسا انصاف عالمگیر کے مزاج مین تھا مگر عمال انکا بھی اور ان کے عمال کا بھی تاریخی حالات کے دیکھنے سے

خلاف پایا جاتا ہے کہتے سب رہے ہین مگر جب عمل اوسکے خلاف ہوتا رہا تو وہ کہنا صرف نمائشی سمجھا جا سکتا ہے
اسکے بعد یہ بھی لکھنا ہو کہ یورپ مین قومیت کا نشو و نما تعلیم کی ترقی اور اُسکی اشاعت سے ہوا ہے
کیونکہ جو حالت عہد ماضیہ مین ایشیائی ممالک کی تھی کہ سوائے شخصی حکومت کے اور کچھ نہ تھا وہی رنگ یورپ کا
تھا اور مذہبی لڑائیان مدتون وہان بھی ہوتی رہین جب سے ملکی حقوق کی معرفت ہوئی اور قومی افراد نے
دیکھا کہ بادشاہون کا طمطراق و شوکت و شان محض قومی افراد کی محنت اور مشقت کی بدولت ہو تو وہ
بھی طالب حقوق ملکی ہوائے اور رفتہ رفتہ اونکے لیڈرون نے پبلک طاقت و قوت کی تائید سے
قومیت پیدا کرلی کسی سلطنت مین جمہوریت ہوگئی۔ ورکسی مین پارلیمنٹ قائم ہوئی اور یہی وہ بات
تھی اور یہی جسکا احساس ہندوستان مین بھی ہو رہا ہی یعنے ہندوستان کے لیڈرون کا یہی یہ دعوی ہے
کہ جبکہ ہندؤن کی کثرت بمقابلہ اور اقوام مسلمان وغیرہ کے ہو وہی زراعت کرتے ہین و اونہین کے ہاتھون
مین تجارت ہو تو اونکے حقوق اور جن قلیل قومون کی وہ تائید کرتے ہین وہ کیونکر نظر انداز ہو سکتے ہین
اور یہ بھی ہے کہ کوشش تو تمام باقیماندہ شخصی حکومتون مین ہونا ضرور تھا صرف نام تبدیل کرتے گئے
بر وقت طلب حقوق یورپ مین بھی صدیون جھگڑے ہوتے رہے اوسکے بعد اونکو حقوق ملکی حاصل ہوے
اور اس طرح پر وہان کی حکومت کے شدائد سے قومی خیالات اور مطالبہ حقوق کا مذاق پیدا ہوا اور اونکے
لیڈرون نے نہال قومیت نصب کیا جو پھولتا اور پھلتا رہا یہانتک کہ جب دنیا مین اوسکی شاخین
پہونچین تو اور ممالک مین بھی اوسکا اثر ہوا اور وہان کے باشندے یورپ کی قومون کی تقلید سے
اب فیضیاب ہونے کی توقع رکھتے ہین اب ایشیا مین بھی وہی ہوتا ہے جو یورپ اور امریکہ مین
قومیت نے اپنا رنگ پھیلا کر دنیا کو دکھا دیا ہے اور یہ قومی جھگڑے روز بروز ترقی پاتے جاتے ہین
اونکا تصفیہ ایک نہ ایکدن ضرور ہوگا گھبرانے کی کونسی بات ہے۔

رات دن گردش مین ہین سات آسمان ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائین کیا

یہ قومی و ملکی اور تجارتی غوغا جو ہو رہا ہے اسکے نتائج کا

تصفیہ ہو سکتا ہی یا نہین تصفیہ کیونکر ہو سکتا ہے بس یہی ایک حل طلب سوال ہو جسکا جواب
منصفانہ قول فیصل سے ہونا چاہیے اور وہ کیا ہو یہ ہے کہ اس متحدہ قومی زمانہ مین اقوام مفتوحہ جو فاتح
اقوام یورپ کے زیر سایہ اپنی زندگی ایشیا مین بسر کر رہی ہین جنمین سلطنتین بھی شامل ہین جو بالکل خود مختار [illegible]
ہین [illegible] ہوا مین پرورش پا رہی ہین جو یورپ [illegible] قومون کی اولاد ہوئی ہو مثلاً ہندوستان
کہ مختلف اقوام اور مذاہب کا مجموعہ اور ایک انگریزون کی حکومت کی بدولت کیا تھا اور کیا ہو رہا ہے اور

جیسے مین اسکا ذکر ہو چکا ہی تو کیونکر ہو سکتا ہی کہ وہی حکمران تحلہ قوم اپنی برکات حکومت سے محروم کر دے
اور اپنی تعلیم و اثرات قومی کو واپس لے ۔ گورنمنٹ انگریزی یہ نہین کر سکتی اور نہ تعلیمیافتہ اشخاص اس عطیہ کو
واپس کر سکتے ہین اس قومی کشمکش مین وہ حقوق بھی آگئے ہین جن کی طالب مفتوحہ رعایا ہی اور اسی مقولہ پر عامل ہی
جو حضرت مسیح فرما گئے ہین کہ جو مانگیگا وہ پائیگا اور جو کھٹکھٹائیگا اُس کے واسطے کھولا جائیگا اس مقولہ پر عامل ہو
کر وہ زمانہ گذر گیا جبکہ فدوی اور احقر لکھنے سے کام چل جاتا تھا اور خوشامد سے کام نکلا کرتا تھا اب تلو تفنگ دم وخم نہ دکھایا
جائیگا جو یورپ کی قومین دکھا کر اپنے منزل مقصود تک پہونچی ہین اُس وقت تک کاربراری دشوار ہے یورپ کی
قومین بھی ایک زمانہ مین یہی شخصیت تھی اُنھون نے جب اس الہامی مقولہ پر عمل کیا تو کامیاب ہوئی ہین یورپ کے
ہر ملک مین یا قومی پارلیمنٹ ہی یا قومی کونسلین بمنزلہ پارلیمنٹ سمجھی جاتی ہین مثلاً انگلستان ہو جس مین بادشاہ بھی ہی
اور اُس کے زیر سیادت پارلیمنٹ ہے اور لبرل اور کنسرویٹو وغیرہ اور دیگر پولیٹکل پارٹیان ہین انھین مین سے وزرا
مقرر ہوا کرتے ہین وزرا تبدیل ہو جایا کرتے ہین اور بادشاہ تبدیل نہین ہوتا اور فرانس کی حالت یہ ہے کہ اُسمین جرمنی
کی جنگ کے بعد جبکہ نپولین سوم کی شخصیت جاتی رہی تو پھر جمہوریت قائم ہوئی تھی اب وہان پریسیڈنٹ بجائے
بادشاہ کے ہوتا ہے یہان وزرا تبدیل ہوا کرتے ہین مگر پریسیڈنٹ کے واسطے کوئی میعاد مقرر
نہین ہے وہ اپنی علالت یا کسی اور وجہ سے استعفا دیا کرتا ہے اور امریکہ تو بالکل جمہوری ہے اور
اُس کے پریسیڈنٹ کی میعاد پانچ سال ہے ختم میعاد کے بعد پھر انتخاب ہوتا ہی مگر کثرت رائے سے وہی
سر مجلس منتخب ہو جاتا ہو تو وہی قائم رہتا ہی اور اگر کثرت رائے کسی دوسرے کی تائید مین ہوتی ہی تو وہ مقرر ہو جاتا ہے
اور اندرون میعاد اگر کسی مسئلہ مین پریسیڈنٹ اور قومی جلسو نمین اختلاف ہو جاتا ہی تو قومی مجلس کثرت رائے کی وجہ سے
پریسیڈنٹ کی رائے لیڈرون کے مطابق ور موافق ہوا کرتی ہی اور اگر موافقت نہ کی جائے تو کہا جاتا ہی کہ پریسیڈنٹ
موقوف ہو جاتا ہو اور جرمنی آسٹریا و روس و انگلستان مین بھی وزرا کی تبدیلی ہوا کرتی ہی مگر پریسیڈنٹ کی تبدیلی نہین ہوتی
صرف یہ ہوتا رہتا ہو کہ جب وزرا کی تبدیلی ہوتی ہی تو جدید وزرا اور پریسیڈنٹ کی رائے پر انتظام ہوا کرتا ہی
یہی وہ افسرنہ قومی ہین جنھون نے ایشیا والون کے جذبات قومی کو ابھار رکھا
اگر یورپ کی قومی طاقت رفتہ رفتہ اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ روس اور جرمنی اور آسٹریا
مین جو کچھ گذرا وہ گذر گیا مگر اس پر غور ہونا چاہیے کہ یورپ کی قومون نے جو اپنی
جلالت و عظمت و شان قومی حاصل کی اسکا ذریعہ اتحاد و اتفاق قومی تھا اور جب
کبھی وہ قومین کسی اپنے حق کے واسطے بگڑ بیٹھتی ہین اور کشمکش شروع ہو جاتی ہے
تو ممکن ہی نہین کہ وہ کامیاب نہ ہون یہی وہ باتین ہین جن سے تمام ایشیا مین قومی شور و غوغا

شروع ہوگیا ہے اور انگلستان کی عجیب خاصیت ہے کہ وہ قومی جھگڑون کو پسند کرتا ہے اس سے جو
جھگڑے کرتا رہتا ہے وہ کچھ نہ کچھ لے ہی مرتا ہے دیکھئے آئرلینڈ اور مصر اور افغانستان مین کیا ہوتا رہا اور اب کیا
ہوا اور کیا ہو رہا ہے اس زمانہ مین انگلستان کے اس حصہ یعنے آئرلینڈ مین بڑی لوٹ مار اور خونریزی ہوتی رہی
اُس کے بعد پھر گفتگوے صلح ہوئی آئرش طالب جمہوریت تھے اور دوسری جانب خیال تھا کہ حقوق دینا چاہیے اور
یہی مسٹر گلیڈسٹن کی رائے تھی اور ایک زمانہ مین اُنھون نے اس باب مین بڑا زور لگایا تھا مگر اُنکی نہ چلی
اور کیونکر چلتی جبکہ اُنھین کی پارٹی مین اختلاف آرا ہوگیا تھا آئرلینڈ مین اول تو درمیان انگریز و آئرش
مذہبی اور قومی اختلاف بھی تھا اور دوسری بات یہ ہے کہ وہان انگریزون کی آبادی بھی ترقی کئے ہوئے
تھی اگر مدبرین انگلستان کا رجحان انکو حقوق دینا بھی چاہتا تھا اس درجہ اختلافی شور و غوغا ہوتا تھا بجز
سکوت اور کیا چارہ تھا اس پاک مقولہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ منشا سمجھا گیا ہے کہ جبتک ڈھونڈھنے والے
اور کھٹکھٹانے والے کے ساتھ سخت سے سخت برتاؤ نہ کیا جائے یعنے باہم خونریزی نہ ہو اور چیلخانہ نہ بھر
جاوین اُس وقت تک طالب اپنے مطلوب کو حاصل نہ کر سکے جہانتک خیال کیا جاتا ہے یہ مفہوم و
مطلب اُس مقدس رسول اور نبی کا ہرگز نہین ہے اگرچہ اُس مقولہ کے خلاف ہو رہا ہے تاہم جیساکہ
آئرلینڈ کو اس سے بڑھکر دیدیا گیا ہے جس کے کہ مسٹر گلیڈسٹن محرک تھے اور بعد خرابی بصرہ دیا گیا تو کیا
بس چونکہ خربوزہ خربوزہ کو دیکھکر رنگ اختیار کر لیتا ہے اس لیے ہندوستان بھی بامید حصول حقوق یہی
رنگ لئے ہوئے ہے لیکن اس عطیہ سے تو وہ عطیہ بہتر تھا اور ہے جو بغیر خونریزی اور فساد کے اول ہی مرتبہ
عطا کر دیا جایا کرے اور شور و فساد ہونے کے بعد تو کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا لیکن جب انگلستان اور دیگر
ممالک یورپ کی اقوام مجبور رہین تو کیا کیا جائے اُن کی شخصیت کی تاریخ تو اب باقی نہین رہی
ہے اُسمین سے جن قومون نے اپنی قومی تاریخ اختیار کر لی ہے تو ساتھ ہی ساتھ یہ اصول بھی اختیار کر رکھے
ہین کہ جس طرح پیر اُنکو ملتا رہا ہے اُسی طرح وہ بھی بعد خرابی قومی حقوق دیتی رہتی ہین اور سب سے
بڑھکر انگلستان کی خاصیت یہی ہے اور اُس کی قومی تاریخ سے یہی تعلیم نکلتی ہے کہ جبتک ایک قوم
سے دوسری قوم کا تصادم نہ ہو اور مطالبہ مین سختی عمل مین نہ آئے اُس سے وہ حقوق حاصل ہونا دشوار
ہین جن مین کہ اُس کے قومی حقوق بھی شریک ہین اور وہ شرکت بھی ایسی ہے کہ اُس کی علحدگی مدبرین
انگلستان کو پسند نہین ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ ایک قوم سے دوسری قومی جد و جہد کر رہی ہے جسکو غلبہ
حاصل ہوگا وہی کامیاب ہوگی اور یہ پالسی جو اختیار کی ہے ایسی ہے اس واسطے کہ تاریخ نے
یہ بتا دیا ہے کہ جبتک ایک قوم دوسری قوم کو مجبور نہین کرتی تو قومی خمیر بھی نہین اُٹھتا اور تعمین

بنتی بھی نہین ہین جس کی مثال مین ہندوستان ہی پیش کیا جاتا ہے کہ یہان انگریزون کا رہنا اور حکومت کرنا بدرجہا اچھا ہے کہ اُن کی وجہ سے انگریزی تعلیم مین ترقی ہوئی اور قومون مین قابلیت اور لیاقت پیدا ہوئی اور قومی اتحاد واتفاق بھی کہ اُس کے اثرات نے وہ رنگ دکھا رکھا ہے کہ اگر ایک جانب سے سختی بھی ہو رہی ہے تو دوسری جانب کا نہال قومی اور بھی سرسبزی و شادابی کے ساتھ بڑھتا ہوا نظر آرہا ہے اگر طلب حقوق کے ساتھ ہی فوراً حقوق قومی عطا کر دیے جاتے تو ہرگز ہندوستان مین یہ قومی اتحاد نہ ہوتا اور نہ طلب حقوق کی لیاقت وقابلیت اس لحاظ سے گورنمنٹ انگریزی کی یہ پالسی نہایت پسندیدہ ہے اب رہے حقوق قومی انکی نسبت تاریخ اسی رائے کی موید ہے کہ جب ایسی قومی کشمکش مین آخرکار اور قومین کامیاب ہوئی ہین تو ہندوستان بھی محروم نہین رہ سکتا۔ رہی یہ بات کہ جو لوگ اُن لیڈرون کو بُرا کہتے ہین جو سچے طالب حقوق ہین انکی رائے اول تو آزاد نہین ہوتی ہے اور رائے کا آزاد ہونا اس وجہ سے نہین ہے کہ کسی کو ملازمت مین ترقی کا خیال ہے اور کسی کو جان ومال کا خطرہ یہی موانع ایسے ہین جو آزادی رائے کے مانع ہین مگر کثرت اور قلت کے اثرات کو دیکھنا چاہیے کہ کثرت کے ساتھ اثرات بھی ہین اور ذاتی اغراض شامل نہین ہین تو اُس آغاز کا انجام بخیر ہوا کرتا ہے اور یہ اختلاف تو ہر زمانہ مین ہوا کیا ہے اور ہوتا رہیگا مگر اُس وقت نہ ہوگا جب قطرات دریا مین شامل کر دریا ہو جائینگے۔

قطرہ دریا مین جو ملجائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہو

یہ اثرات جو تعلیمی ترقی سے پیدا ہو کر تمام انڈیا مین پھیلے ہوئے ہین اور احرار فریق بمقابلہ اعتدال پسند سوراج کا شور وغوغا کر رہا ہے اور اُسکا دعویٰ ہے کہ سوراج حاصل کر لیجائیگی مگر

دیکھیے پاتے ہین عشاق بتون سے کیا فیض
ایک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہو

خیر برہمن تو کہتے ہی رہتے ہین۔ دینے والا بھی تو دے بقول لارڈ مارلے کہ ہندوستانی لیڈر تو چاہتے ہین کہ فوراً چاند توڑ کر اُن کے ہاتھ پر رکھ دیا جائے اب سوراج کیا ہے اپنی آپ حکومت لیکن انگریزون کو بھی ملکی وقومی حقوق پر لحاظ ہونا چاہیے اس واسطے کہ انڈیا مین حکمران ہی ہین اُنکا ایک ہاتھ تو مخملی پنجہ کا ہے اور دوسرا آہنی پنجہ کا کبھی وہ آہنی پنجہ کا استعمال کرتے ہین اور کبھی مخملی پنجہ کا یہی انکی قومی تاریخ ہے اور سچ پوچھیے تو انھین کے مدبرین کا یہ دل ودماغ ہے کہ قومی رزم وبزم کا بازار گرم کیے رہتے ہین یہ قومی ہماہمی شخصی حکومتون مین کب تھی اور یہ طلب حقوق کا چرچا کہان تھا یہ خوبی تو اسی حکومت مین ہے اور یہی سمجھکر احرار کے قافلہ سالار مسٹر گاندھی نے اُن حقوق کے طلب کرنے مین کوشش کی اور انکی صدائے جرس ایسی خوش آئند ہے کہ قافلہ کے قافلہ اُسی جادہ پر چل رہے ہین جو اُن کے کعبہ مقصود کے واسطے احرار کے لیڈر اعظم اور قافلہ سالار نے قرار دے رکھا ہے

اور یہ شعر بھی پڑھتے جاتے ہیں جو خانخانان نے اُس وقت پڑھا تھا جبکہ اُن پر عتاب ہوا تھا اور مکہ معظمہ جا رہے تھے۔

در بیابان گر بشوق کعبہ خواہی زد قدم سرزنش ہا گر کند خار مغیلان غم مخور

اب سوال ہے کہ گاندھی کون ہیں جن کا جیرتناک اثر قبول کرتی ہوئی مختلف قومیں چلی جاتی ہیں وہ ایک دُبلے پتلے آدمی ہیں مگر ویزیر ہند پچھلے دنون اُن کے اعلیٰ کیرکٹر کی تعریف کر چکے ہیں اور حال میں بنار ناتھ ٹیگور جو فلاسفر بھی ہیں اور انگریزی کے مشہور اور معروف شاعر بھی وہ جب امریکہ میں تھے تو اُن سے کسی نے یہ سوال کیا تھا جس کے جواب میں انھون نے گاندھی کی روحانی طاقت کی تعریف کی ہے اور کہا کہ گاندھی وہ ہیں کہ اگر سلطنت اُن کو دی جائے تو وہ قبول نہ کرینگے ہان اگر اُنکو اس واسطے دی جائے کہ قومون کے لیے رفاہ اور محتاجین و غربا کے لیے روپیہ صرف کرین تو قبول کر لینگے اگر یہ صحیح ہے تو وہ بڑے با اثر اور زبردست لیڈر ہیں مگر با وجود واجب التعظیم لیڈر ہونے کے کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کی ملکی و قومی اقتصادی تاریخ کو اپنے منشار کے مطابق تبدیل کر لین یعنے گورنمنٹ انگریزی سوراج اُنکو نہ دے وہ خود ہی قائم کرین اُنکا منشار بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے اسیواسطے وہ پنچایتین قائم کرنا چاہتے ہین کہ انگریزی حکومت کو نقصان پہونچے اور آبکاری اور دیگر محکمون کی آمدنی کو روکتے ہین علاوہ اسکے اُنکی یہ بھی خواہش ہے کہ تمام ایسی نشتی اشیار کا سدباب ہو جائے جو بداخلاقی وغیرہ کی باعث ہین اور یہ خیال بھی رہے جس سے پبلک کی بہبودی اور سرسبزی تصور ہے اسی خیال سے ولایتی کپڑے کا بائیکاٹ کیا گیا ہو کہ وہ ملک مین نہ آنے پائے اور یہ اُسی طرح کا بائیکاٹ ہے جس کا تذکرہ انگلستان کی تاریخ مین بھی پایا جاتا ہے اس طرح سے مسٹر گاندھی اپنی آپ حکومت قائم کرنا چاہتے ہین اور آنکی یہ بھی خواہش معلوم ہوتی ہے کہ جب جمہور اُن کے کہنے پر عمل کریگی اور اُنھین کا کلمہ پڑھتی رہیگی تو حکومت کو مجبور ہو کر اُنکی خود ساختہ حکومت کو تسلیم کرنا پڑیگا یعنے اور ملکون مین انگلستان نے سلف گورنمنٹ وغیرہ عطا کی ہے مگر ہندوستان مین اُس کی رعایا بغیر اُس کے عطا کئے کیا خود اپنی حکومت قائم کر لیگی یا یہ منشار ہے کہ مرگ کے واسطے کوشش ہونا چاہیے اگر اس پر رضامندی ہو جائے تو بہتر ہے خیر جو کچھ ہو اور عوام کچھ سمجھے ہون اگر یہی مہذبانہ جدوجہد رہی تو کامیابی لازمی ہے اور اُنھین کی تحریک کا ایک یہ نتیجہ تو ظاہر ہو چکا ہو کہ بڑے بڑے شہرون کی میونسپلٹیان اور لوکل بورڈ ہندوستانیون کے اختیار مین آ گئے ہین یعنے گورنمنٹ نے ایک مدت کے جھگڑے کے بعد آزادی کے ساتھ یہ اختیارات دیدیے ہین یہ سوراج کا ایک مبارک نمونہ ہے اب رہے دوسرے حقوق اُنکا تصفیہ ہو تو کیونکر ہو اگر نیشنل کانگریس کے پچھلے مطالبات پورے

کئے جاوین یعنے سول سروس کی شاخ ہندوستان مین قائم ہو اور پریوی کونسل بھی ورا گئزیکیٹو اور جوڈیشل اختیارات علیحدہ کر دیے جاوین اور ہندوستانی اور یورپین مساوات پر لحاظ ہو اور دیگر ایسے حقوق عطا کر دیے جاوین تو کیا یہ قومی جھگڑے دفع ہو سکتے ہین یہ مطالبات اعتدال پسند فریق کے جبکہ نیشنل کانگریس قایم کیا گیا تھا اُس وقت سے چلے آتے ہین - مگر انکی تکمیل کبھی نہین ہوئی یہانتک کہ ایک فریق کے دو فریق ہو گئے اور جب جدید اسکیم کا نفاذ ہوا تو اعتدال پسند فرقہ نے اس کو تسلیم کیا مگر غیر اعتدال پسند فرقہ نے مخالفت کی اور کہا کہ اس اسکیم کا نتیجہ یہ ہونا ہے کہ ایک ہاتھ سے دیا گیا اور دوسرے ہاتھ سے لے لیا گیا یہ چرچا پھیلا ہوا تھا کہ حریت پسند فریق کی جانب سے ترک موالات کا آغاز ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس فریق نے کونسلون مین ممبر ہونا ترک کیا اور جو حضرت ممبر منتخب ہو کر کونسلون مین داخل ہوے اُن پر اعتبار نہین کیا گیا اور یہی نہین ہوا بلکہ یہ کہا گیا کہ یہ اپنے ذاتی اغراض کے واسطے مخالفت کے ساتھ عمل کر رہے تھے جب اُس کی تعمیل و تکمیل کا زمانہ آیا تو ان کے واقعات و حالات نے دوسرا رنگ اختیار کر لیا اب سوراجی پارٹی قائم ہوئی ہے اور کونسلون مین داخلہ شروع ہوا - یہ کل واقعات ابھی اخباری ہین اور آئندہ تاریخون مین درج کئے جاوینگے - اور یہ تصویر ایسی ہے کہ اس کے نقش و نگار پر اعتدال پسند فریق کو اعتبار ہے مگر حریت پرست فریق نہ تو گورنمنٹ پر اعتبار کرتا ہے اور نہ گورنمنٹ اسپر اور حکمران قوم کی تو یہ حالت ہے کہ وہ اپنے قومی حقوق کی حفاظت کے واسطے ہرگز نہین چاہتی کہ ہندوستانیون کو وہ حقوق عطا کئے جاوین جو اُس کے قومی اغراض کے مضر ہون کہتے ہین کہ جدید اسکیم سے جو حق عطا ہوا ہے جس کو کہ حریت نثار فریق کچھ بھی نہین سمجھتا اس پر حکمران قوم کے ایک جلسہ نے انگریزی مین پمفلٹ شائع کیا ہے جس مین ناراض ہو کر لکھا ہے کہ موجودہ وزیر ہند اور سابق وائسراے ہندوستان کی سلطنت کو کھو کھل کئے دیتے ہین یہی اسکیم وہ ہے جس کی نسبت ۴ اگست ۱۹۲۱ع کو ہوس آف کامنس مین ایک ممبر نے سوال کیا کہ ہندوستان مین پچھلے انتخاب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہان پر فراخ دل اور غیر جانبدار راج کے بجاے ایسی حکومت قائم نہین ہوئی ہے جسکا تمام باشندگان ملک سے تعلق ہو بلکہ وہان تو ایک امیرانہ حکومت قائم ہو گئی ہے جو اہل ہند کی نمایندہ نہین ہے مسٹر مانٹیگو وزیر ہند نے جواب دیا کہ مین اس مسئلہ پر بحث کر رہا ہون اگر ہندوستان مین پورے طور پر قابل اطمینان حلقہ انتخاب قائم ہو سکا تو ذمہ دار حکومت کی راہ کی ایک خاص رکاوٹ دور ہو جاویگی -

اس قسم کے تار تو آیا جایا کرتے ہین اسپر عمل ہو یا نہ ہو کلاس سے اور اس بھاؤن کے قیام و رفتار اور مختلف پالیسیون کے اختیار کرنے سے جو غوغا ہو رہا تھا اُسکا دفعیہ ممکن تھا بجاے اس کے کہ دفعیہ ہوتا انگوری

بیل تو اور چڑھتی ہوئی چلی جاتی تھی اور اسپر بھی تو خیال ہونا چاہیے تھا کہ ایک جانب یہ ہو کہ مفت بغیر کسی اجرت کے محض قومی جوش سے با ایثار نفسی کام ہو رہا ہے اور سزاؤن کی برداشت بھی عمل مین آ رہی تھی اور دوسری جانب کی کارروائیون کا اثر ایسا پیدا نہین ہوا تھا کہ اس سے وہ نتیجہ پیدا ہوتا کہ ایسی ہوا کے جھوکون سے اُن درختون کی جڑونکو جنبش ہوا اور وہ پژمردہ اور خشک ہو کر بجائے امن سبھاؤن کا قیام بظاہر اسواسطے ہوا تھا کہ نقص امن نہ ہونے پائے لیکن اس کو وسعت دیکر اگر یہ منشار تھا کہ ملکی قومیت ضعیف و معدوم ہو تو کیا وہ درخت قطع کیا جائیگا جس کو خود ہی ایک زمانہ مین انگریزی قوم نے نصب کیا تھا مگر ویسے ہی قوم چاہتی ہے کہ پھولنے پھلنے نہ پائے امن سبھاؤن کا قیام اپنے محدود مفہوم مین لائق پسند تھا اور اپنے اغراض کی حفاظت کے لیے ایک ضروری امر لیکن محدود حالت تک نہ کہ اپنی وسعت کے لحاظ سے بہرحال خواہ محدود تھا یا با وسعت ایک دوسرے فریق کو اس درجہ اُس کی مخالفت نہ چاہیے تھی کہ وہ اُن سبھاؤن مین گھس کر دنگا و فساد کرتا اور نہ گورنمنٹ کے عمال کی طرف سے ایسا ہوا کرتا۔ اس سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوا کہ شیر شاہ کی ڈاڑھی بڑی تھی یا سلیم شاہ کی اس سے اجتناب ہوتا تو بہتر تھا اور جب امن سبھائین قائم کی گئی تھین اور مقرر شدہ ممبران ادھر ادھر بتائید گورنمنٹ تقریرین کرتے پھرتے تھے تو پھر سزادہی کی ضرورت کیا تھی ورآپ اپنے اپنے ڈھول اور اپنے اپنے راگ کا مصداق ہو رہا تھا بس ایک زمانہ مین جو قاعدہ جاری ہوا تھا کہ مذہبی واعظ بازارون مین وعظ کہا کرین اور ایک دوسرے کے مذہب کی تردید کرتا رہے وہی قاعدہ اس زمانہ مین جاری کرنا چاہیے تھا کہ چالیس قدم یا چالیس گز پر یہ ملکی واعظ اپنا اپنا وعظ کہا کرین تاکہ شر و فساد کی نوبت نہ آئے ورنہ اس سے پیشتر زد و کوب کی نوبت بھی پہونچ جاتی تھی اور کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ عوام الناس پادریون کے سخت اور درشت اور دل دکھانے والے مباحثہ سے بگڑ کر شورش انگیز غوغا کیا کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کرتے مونچھون والے تھے اور پکڑے جاتے تھے ڈاڑھی والے بھی اور اس زمانہ مین ڈاڑھی والے اور مونچھون والے دونون گرفتار ہو کر جیل برضا و رغبت چلے جاتے ہین اور مسٹر گاندھی کہتے ہین کہ اس طرح پر جیلخانہ جانا سوراج ملنے کی نمایان دلیل ہے اور یہ وہ مہاتما ہین جنھون نے ہندو و مسلمانون مین اتفاق کرا دیا ہے اور انکا مرتبہ ایسا ہے اور اس مقبولیت کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر رہے ہین کہ اس شعر کے وہ ضرور مصداق ہین جس کو کہ ابوالفضل نے اپنے بھائی فیضی کو یاد دلا تھا اور لکھا تھا کہ آپ عرفی کے قائل نہین ہین مگر یہ شعر انکا آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

چنان با نیک و بد عرفی بسر کن کز پس مردن
مسلمانت بہ زمزم شوید و ہندو بسوزاند

یہ اتفاق و اتحاد جو ہندوؤن اور مسلمانون مین ہو گیا تھا اور کسی کا افسون کارگر نہ ہوا اسکا سبب مہاتما جی ہین

اگر ترک جرمنی سے نہ ملجاتے اور انگریزون سے خلاف ہوکر جنگ نہ کرتے تو یہ اتفاق ہرگز نہ ہونے پاتا اور
نہ اس قسم کا کوئی رزولیوشن منظور ہوتا ادھر مسلمانون کو یہ موقع ملا کہ ترک مغلوب ہوگئے اور اُنکا خلیفہ انگریزون کا
مطیع ہوگیا اور اُنکا ملک اقوام فرانس و انگلستان وغیرہ نے تقسیم کر لیا اُدھر ہندؤن نے دیکھا کہ اب مسلمانون کو ملا لینا
چاہیے جب مسلمان اور ہندو اس طریق سے باہم ایک جان دو قالب ہوگئے اور اس شعر کے بھی مصداق

من تن شدم تو جان شدی من جان شدم تو تن شدی تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگرے

بس سوراج کا غلغلہ شروع ہوا اور سوراج مین مسئلہ خلافت شامل کرکے اسکو لازم و ملزوم قرار دے رکھا
تھا اور یہ غلغلہ ایسا ہو کہ اب سوڈے کا ابال نہین ہے بلکہ اس نے حکمران قوم مین بھی ہلچل مچا رکھی ہو اگر ایسا نہ ہوتا
تو اس کے دفعیہ کی کوشش بلیغ نہ کی جاتی اور یہی ہوتا جیسا کہ پہلے کئی مرتبہ ہو چکا ہو کہ ہندوستان مین جوش
و خروش قومی ہوا اور پھر مثل سوڈے کے تہ نشین ہوکر رہگیا اب مسئلہ خلافت کے متعلق تو ہندوستان کی گورنمنٹ
اگر کچھ کر سکتی ہے تو یہی کر سکتی ہو کہ مسلمانون کی جانب سے جو کچھ ہو رہا تھا اُسکی اطلاع انگلستان کو
دیتی رہتی تھی جیسا کہ ہوا کرتا ہے اور ہوتا رہیگا۔ اور لارڈ ریڈنگ کی گورنمنٹ نے تو ایک مراسلہ روانہ کرکے
ظاہر کر دیا کہ مقامات مقدسہ واپس کر دیے جائین۔ اُنکی یہ رائے تنہا نہین ہے بلکہ ہندوستان کے کل
گورنرون کی یہی رائے تھی ان گورنرون نے اتفاق کرکے اس مراسلہ کو روانہ کیا تھا یہ نتیجہ مسلمانون کی شور و
غل کا تھا اور دوسرے رزولیوشن وغیرہ جو پاس ہو چکے ہین اگرچہ آینرا بھی عمل نہین ہوا ہے یہ سب
ہندوستانیون کی قومی تحریک اور مسٹر گاندھی کی جد و جہد کے نتائج ہین صرف گورنمنٹ نے پبلک کی اطمینان
کیواسطے پیرایہ تبدیل کر رکھا ہے تاکہ پبلک کو یہ نہ معلوم ہو کہ ہندوستان کی قومی کوشش نے یہ کر رکھا ہو
اب یہ بات اور تھی کہ متعلق حقوق اُس سے جس درجہ استدعائین ہو رہی ہین اُنکا تصفیہ جہانتک وہ کر سکتی ہو
کر یگی مگر اُسکا تصفیہ تو اُس حد پر پہونچ چکا ہو جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہو کہ اگر ایک قوم کو حقوق عطا کیے جاتے
ہین دوسری قوم ناراض اور ناخوش ہو جاتی ہے حیران ہین کیا کرین کیا نہ کرین یہ فقرہ ایسا مایوس کن ہو کہ ہرگز
اس سے توقع نہین ہو سکتی کہ انگریزون کے قومی خوف سے ہندوستانیون کو وہ کامیابی ہو جو قابل اطمینان
ہو یہی وہ بات ہو جس نے مسٹر گاندھی وغیرہ کو اُبھار رکھا ہے کہ اس زمانہ مین اگر گورنمنٹ دینا بھی چاہتی ہو تو وجہ
خوف قوم دے نہین سکتی ہو جبتک لینے والا نہ ہو بس انھون نے اپنی آپ حکومت قایم کرنے کیلیے جد و جہد
شروع کر رکھی ہے اور یہ آواز صحرا کی صدا نہین ہے۔
اب دیکھو کہ فرقہ احرار کے مقابلہ مین پنچایتون کی قرارداد ہوئی اور رضا دیان بھی کرائی گئین اور رسنرا دن کی بھی
گرم بازاری رہی اور امن سبھاؤن کا بھی قیام تھا اور دیگر وسائل بھی اختیار کیے گئے جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے اُن

وسائل سے اگر گورنمنٹ اپنے اغراض کی حفاظت کرتی تھی تو بیجا نہیں۔ تاریخ کا یہ اصول بھی ہے کہ ہر انسان اپنے اغراض کی حفاظت کا مجاز اور مختار ہے اور یہی اصول بالانفراد اور بالاجتماع ہمیشہ سے جاری اور ساری ہین اور اگر اس پالسی کے علاوہ اور کوئی پالسی مقصود ہے جس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نہ ہونا چاہیئے اسواسطے کہ پھر لوگون کا یہ خیال ہو جایگا کہ آزادی مذہب اور آزادی قومی یہ سب نمائشی ہین جب ضرر دیکھا جاتا ہی تو نہ مذہبی آزادی ہے اور نہ قومی وہی شخصی حکومتون کا طرز اختیار کر لیا جاتا ہے جو گذشتہ زمانہ مین تھا اور یہ اعتدال پسند طبقہ جس کے سایہ مین یہ سب کار و بار ہو رہا ہے وہ بھی احرار پسند طبقہ کی ایک شاخ ہے بظاہر احرار پسند طبقہ کی توقیر کم کرنے والون مین اسکا شمار ہو رہا ہے اس لئے احرار نے اس سے محبت بھی کم کر رکھی ہے اور اس کے ورد زبان گویا یہ شعر ہے۔

محبت اس لیے تجھ سے بت بے پیر کم کر دی — کہ تو نے غیر کی خاطر مری توقیر کم کر دی

ایسی حالت گذشتہ زمانہ مین کہان تھی اُس زمانہ مین تو یہ تھا جیسا کہ بلی چوہے سے جو پھنسا ہو اس کے مقابل ہے کہہ رہی ہے کہ "نچھوڑونگی تجھ کو مین کھا جاؤنگی تیری ہڈیان تک چبا جاؤنگی"۔ اور سب چوہے خاموش ہو کر رہ گئے اب اس زمانہ مین تاریخ نے دوسری حالت قائم کر رکھی ہے۔

پھر یہ بھی خیال ہونا چاہیئے کہ یہ قومی و ملکی مکالمے و مناظرے و مباحثے جو ہو رہے ہین انکی غایت احقاق حق و ابطال باطل تو ضرور ہے مگر جب مجادلہ کی چاشنی پہونچا دی جاتی ہے تو اس کی حالت دگرگون ہو جایا کرتی ہے اور نقصان رسان ہو کر رہ جاتی ہے اور تاریخ نے حکومتون کے اصول مین جو تغیر و تبدل کر رکھا ہی اسکا نتیجہ ہے کہ حکومت سے جو سرتابی کرتا ہے اُسی قصور وار کو سزا بھگتنی پڑتی ہی ورنہ اُس سے پیشتر خلاف ورزی اور انحراف کرنیوالے کو بھی سزا دیجاتی تھی اور اسکے عیال و اطفال بھی محفوظ نہ رہتے تھے اس زمانہ مین اس مقولہ پر عمل تھا کہ افعی کشتن و بچہ را نگاہ داشتن کار خردمندان نیست اسی لیے کہنے والے کہتے رہتے ہین کہ انگریزی حکومت غنیمت ہی کہ نرمی کے ساتھ اسکا برتاو رہتا ہی دیکھیے اس زمانہ مین کیا ہو رہا ہی کہ گورنمنٹ نرمی اختیار کئے ہوے ہی ایک جانب معافی کی خواہش تھی اور دوسری جانب جو معافی قبول نہین کرتا تھا وہ بخوشی جیل چلا جاتا تھا معافی جسکا تذکرہ ہو چکا ہی اسکی متعلق دریافت کیا جاتا ہی کہ معافی کا اثر اچھا ہو سکتا ہی۔ کب جب کوئی معظم و با اثر معافی کا خواستگار ہو معافی کا ذکر و تذکرہ تاریخون مین بہت ہی کم ہے صرف ایک لفظ امان کا تذکرہ ہے جیسا کہ تاریخ اعثم کوفی مین لکھا ہی کہ اثنار سفر مین یحیٰی بن سعید نے حضرت امام مظلوم کو لکھا تھا کہ مین وعدہ کرتا ہون کہ آپ کو اپنی امان مین یزید سے کہکر لیلون اس کو آپ نے تسلیم نہین کیا اس پیام سے یہ مطلب تھا کہ پھر طلب بیعت نہ ہوگی اور بغداد مین حضرت امام رضا علیہ السلام زائرین کی ضمانت فرماتے تھے تاکہ آنکی زیارت کی انگلیون کی قطع برید نہ ہو یہ موجودہ

حکومت کا رحم ہے کہ باوجود اس شور شغب کے دل یہ پیام دیا جاتا ہے کہ اگر معافی مانگ لی جائے تو اس پر مقدمہ نہ چلایا جائیگا مگر معافی کا جو فارم پیش کیا جاتا تھا اُس مین قانونی فقرات ایسے تھے کہ اُن سے محدود زمانہ تک انسان کی آزادی پر مضر اثر پڑتا تھا یہ بات قابل قبول ہے کہ معافی ایک خلاقی امر ہے انسان جب غصہ مین آکر جا و بیجا الفاظ زبان سے کہہ گذرتا ہے تو خود ہی پشیمان ہوکے اظہار معافی کرتا ہے یہ نہین ہوتا ہے کہ مجبوری کے طور پر بھی جس سے معافی مانگ لی جاتی ہو پھر اُس کی شکایت نہ کرے مگر تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ سابق مین جو حقیقی اور راستباز پیشوا گذر چکے ہین اُن سے اول تو معافی کی استدعا نہین کی گئی اور اگر کی بھی جاتی تو اُنکا معافی کا طالب ہونا شاید ہی کہین پایا جاتا ہو اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اور برگزیدہ بندہ جو ارادہ کر بیٹھتے ہین اُس سے کبھی ہٹتے نہین ہین اور نہ معافی قبول کرنے پر آمادہ ہوسکے الغرض بلا وجود مذکورہ بالا دلائل اور براہین کے اب پھر اسی سوال کا اعادہ کرتے ہین کہ تصفیہ ہوگا یا نہین لیکن اسکا جواب بنفی ہے اسواسطے کہ تصفیہ اسی حالت مین ہوسکتا تھا کہ فریقین مین سے ایک فریق بھی صلح کرنے پر آمادہ معلوم ہوتا اگر آمادہ بھی ہوتا تب بھی کوئی صورت فیصلہ کی نظر نہین آتی ہے دربارہ حقوق اہل ہند تو تصفیہ ہوسکتا ہے مگر خلافت اور ملک شام اور عراق کی واپسی کا تو فیصلہ نہایت ہی دشوار ہے خیال تھا کہ قیام اور بقا امن بھاؤن سے جیساکہ اوپر بیان ہوا ہے ہر دو فریق کے درمیان مسائل مختلف فیہ ہوکر رہجائینگے اور یونہی بحث و مباحثہ کی گرم بازاری رہیگی جیسی کہ مختلف مذاہب مین چلی آتی ہے اور جب ہر دو فریق کے مابین کسی مسئلہ مین اختلاف ہوجاتا ہے تو وہ مسئلہ مشتبہ ہوکر رہ جاتا ہے یہ تو ہوا نہین بجائے اس کے یہ ہورہا ہے کہ ایک جانب سے یہ صدا بلند ہورہی ہے کہ جیلخانہ بھر دیے جائین اور دوسری جانب سے لبیک لبیک کی آواز آیا کرتی تھی اور قافلہ کے قافلہ جیل جارہے تھے مگر جب ان کے لیڈر جیل جاتے تھے تو اُن کی طرف سے ایک اعلان شائع ہوا کرتا تھا گویا ہوا یعنے صبا کو مخاطب کرکے وہ حافظ کا یہ شعر پڑھ کر بخوشی جیل چلے جاتے تھے۔

اے صبا گر بجوانان چمن باز رسی　　　خدمت ما برسان سرو گل و ریحان را

اب مجبور ہوکر یہی کہنا پڑتا ہے کہ ایک مدت سے ہندوستان بھی مختلف اللون قومون کی قومی بحث و مباحثہ مین مبتلا ہوکر تماشہ گاہ ہورہا ہے یا یون کہین جیساکہ ناسخ مرحوم کہہ گئے ہین -

مسی مالیدہ لب پر رنگ پان ہے　　　تماشا ہے تہ آتش دھوان ہے

اور خاموش ہوکر بیٹھے ہوے تماشاہ دیکھا کرین اور یہ کہتے رہین کہ اللہ بس باقی ہوس -

اب جیل کا منظر جو پیش رہتا ہے اسپر تعجب کرنا چاہیے زمانہ سابق مین تو اس سے بڑھ چڑھ کر ہوچکا ہے

اور کوئی نئی بات نہیں ہے اور ہندوستان میں تو یہ عجیب و غریب رنگ پھیلا ہوا تھا کہ طلب سوراج اور خلافت عثمانیہ کے لیے بخوشی جیل جا رہے تھے اور اس سمجھاؤن کو مانتے نہ تھے اور گورنمنٹ جو وعدہ کرتی تھی اس پر اعتبار نہ تھا بلکہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

نقش و نگار حسن بتان پر نہ کھا فریب — مطلب سے خالی جان ہے تو یہ عبا یتین

اُس وقت لاکھ لاکھ سمجھایا جاتا تھا کہ سلطان روم کا قیام قسطنطینہ میں ہے اور عراق عرب میں امیر فیصل عراق کے بادشاہ بنا دیے گئے ہیں اور حجاز کی حکومت شریف مکہ کے سپرد ہے اب اور کیا چاہتے ہو مگر کچھ بھی نہیں سنتے اور یہی کہتے ہیں کہ یہ سب نمایشی پالیسی ہے سب انگریزوں کے تابع ہیں اور اپنے کو مصائب اور تکلیف میں مبتلا کیے ہوے ہیں یہ لوگ تو یہ کر رہے ہیں اور دوسرے انھیں کے بھائی ہیں جو اُن سے ٹوٹ کر دوسروں سے مل گئے ہیں اور مزے اوڑا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ تاریخ تو پڑھیے اُس سے معلوم ہو جائیگا کہ جب کبھی کسی بادشاہ کے زمانہ میں کسی نے سر اُٹھایا اُس کے سر کے نیچا کرنے میں ہزاروں نے حکومت ہی کی تائید کی ہے اور جو کچھ حکومت نے چاہا وہی ہوا کیا ہے دیکھیے جب اورنگ زیب نے دکن پر چڑھائی کی تو اوروں نے اہل قبلہ سے جنگ کرنے کو تسلیم کیا مگر قاضی القضاۃ قاضی عبداللہ نے ابو الحسن تاناشاہ سے جو مسلمان تھے جنگ کرنا تسلیم نہ کیا اسپر لشکر سے نکال دیے گئے اور جب قاضی شیخ الاسلام سے مسئلہ جواز مہم دو مسلمان شاہان بیجاپور و حیدرآباد دریافت کیا تو انھوں نے اس کو ناجائز قرار دیا اسپر بادشاہ ناراض ہو گیا اور وہ مستعفی ہو کر بیت اللہ چلے گئے۔ پھر غور کیجیے کہ بنی عباس اور بنی امیہ کے زمانہ میں کیسی نیرنگیاں پھیلی ہوئی تھیں منجملہ ان نیرنگیوں کے اول نیرنگی یہ ہے کہ بڑے مانہ بنی امیہ کربلا کے معرکہ میں کیا ہوا مسلمان ہو کر عربوں نے کچھ بھی احترام آل رسولؐ نہیں کیا۔

دوسری نیرنگی یہ تھی کہ حرمین شریفین کی بیحرمتی اور وہان کے باشندوں کی خونریزی جس حد تک ہوئی اُس کے حالات مخفی نہیں ہیں یعنے بجز امام مظلوم کے کہ آپ نے حرم کی خونریزی کو پسند نہیں فرمایا اور اسی وجہ سے بغیر حج کیے ہوے آپ وہان سے بجانب کربلا تشریف لے گئے باقی اُس زمانہ کی اور حکومتوں نے کچھ خیال حرم کی حرمت کا نہیں کیا اور یہ کچھ اسی زمانہ پر منحصر نہ تھا بلکہ زمانہ موجودہ میں بھی امیر علی ابن سعود سے جنگ کر رہے ہیں۔

تیسری نیرنگی یہ تھی کہ بنی عباس کے عہد میں آل رسولؐ اور ان کے تابعین کے قتل پر کتب تواریخ شاہد ہیں اور یہی نہیں ہے بلکہ مشاہد مقدسہ کے منہدم کیے جانے اور اُنکی اراضی میں کاشت کا حکم ہوا تھا جس کے

[1] کتاب حدیقہ رمام مؤلفہ میر عالم ۱۲

زمانہ میں یہ ہوا تھا اُس کے بعد اُس کے بیٹے نے اپنے عہد میں پھر تعمیر کا حکم دیا تھا۔

چوتھی نیرنگی یہ ہے کہ ترکی مسلمانون نے بادشاہ مشاہد مقدسہ پر ظلم کئے ہین جنکا تذکرہ ناسخ التواریخ میں موجود ہے

پانچوین نیرنگی یہ ہے کہ نجد کے وہابیون نے ایک مرتبہ موقع پاکر عمر آغا سرکاری عہدہ دار کی سازش سے کربلا میں وہ ظلم کئے ہین جس کا حال شیر طالبی کے مولف نے جو اس ظلم کے گیارہ ماہ بعد سفر کرتے ہوئے کربلا پہونچا شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

چھٹی نیرنگی یہ ہے کہ ۳۱۷ھ میں اہل قرامطہ میں سے ابو طاہر نامی جب مکہ میں داخل ہوا تو اُس نے حاجیون پر بڑا ظلم کیا اور مکہ میں تیس ہزار آدمی قتل کئے اور اسی قدر عورتون اور بچون کو اسیر کر لیا سترہ سو آدمی تو حالت طواف میں مارے گئے یہانتک کہ اس کے خوف سے حج بھی منقطع ہو گیا تھا اس نے دروازہ کعبہ کو اوکھاڑ ڈالا اور کعبہ کا طلائی میزاب اُکھاڑ ڈالنے کا حکم دیدیا تھا اس غرض سے ایک قرمطی چھت پر چڑھا لیکن کوہ ابو قبیس سے ایک تیر آکر ایسا لگا کہ وہ وہین مر کر رہ گیا۔ اب ابو طاہر ڈر گیا اور اپنے ارادہ سے باز آیا وہ چھ یا گیارہ دن مکہ میں رہا یہان اُسنے بہت سے عالم اور عابد اور زاہد قتل کئے مکہ کے مکانات لوٹ لئے یہی نہین کیا بلکہ کعبہ کا خزانہ اور تمام مال لوٹا گیا اور حجر اسود کو اکھیڑ کر ہجر کو لے گیا اور اپنی مسجد دار الہجرہ میں لگا کر وہان حج قرار دیا تھا اس نے مسجد کے صحن کے قریب ساتوین ستون مین حجر اسود کو لگا دیا بائیس سال تک حجر اسود وہین لگا رہا اور کعبہ میں جو جگہ حجر اسود کی تھی اُس کو لوگ مس کرتے رہتے تھے ابو طاہر نے جس مسجد کو حج کے واسطے مقرر کیا تھا وہان حج تو نہین ہوا البتہ ابو طاہر کا یہ حشر ہوا کہ وہ مرض اکلہ میں مبتلا ہو گیا اُس کے کیڑے پڑ گئے اور وہ بہت مصیبت اُٹھا کر مر گیا۔

یہ وہ تاریخی روایتین ہین جو مسلمانون کے مذہبی فرقون کے تعصب اور عداوت سے پیدا ہوئی ہین اور مسلمانون میں بس ایک ہی فرقہ کی نسبت تاریخ آگاہ کرتی ہے کہ اُس نے اپنی حکومت اور اقتدار کے زمانہ مین بھی کبھی مقامات مقدسہ کی بیحرمتی نہین کی اور نہ پیشوایان دین کے مقابر کا انہدام کیا اور نہ کعبہ کے احترام مین فرق آنے دیا عبیدیون کی حکومت کے زمانہ مین اور دیلمیون کے اقتدار کے وقت کسی ایسے واقعہ کا پتہ نہین ملتا جس سے کسی کو الزام قائم کرنے کا موقع ملے دیکھیے محمد شاہ قاچار کو کہ وہ باوجود شیعہ ہونے کے اکابرین اہل سنت کے مقابر کی مرمت کرتے رہے جیسا کہ ناسخ التواریخ مین درج ہے کہ قبر شیخ فرید الدین عطار پر نیشاپور مین قبہ بنایا اور مزار شیخ ابو الحسن کی بمقام خرقان مرمت کی اسی طرح پر اپنے پیشوایان کے ساتھ ہی دوسرون کے مقابر کی مرمت کرتے رہے تھے۔

ان نیرنگیون کے ماسوا بنی اسرائیل کی نسبت یہ بھی کہا جاسکتا ہو کہ اُنھون نے بیت المقدس کا ہمیشہ

احترام کیا اور عیسائی جو بنی اسرائیل نہین ہین بلکہ مسیح ناصری کی تعلیم کو تسلیم کرتے ہین انھون نے زمانہ جاہلیت
مین شاید ایسے کام کئے ہون تو کئے ہون اب تو شائستگی اور تہذیب کے زمانہ مین بجائے مذہب کے قومیت کی روشنی
پھیلتی جاتی ہے اور تاریخ نے یہ تبدیلی کی ہے جس کا اثر یہ ہو رہا ہے کہ مذہبی اختلاف اور تعصب و عداوت مذہبی
بہت کم پائی جاتی ہے رفتہ رفتہ امید ہے کہ سب متفق ہو جائین پھر یہ بھی تو ہے کہ حکومتون کے کارنامے بھی تبدیل
ہو گئے ہین اور قومیت کے اثرات بھی اپنا رنگ دکھا رہے ہین یہی وجہ ہے کہ برٹش گورنمنٹ نے جب شیعہ پبلک
کے طبائع مین ہیجان دیکھا کہ نجف اشرف مین فوج نے گولہ باری کی ہے تو اس کی تردید کر دی ہے اور
اگر کچھ ہو گیا ہے تو اس کی مرمت کرا دی گئی ہے غرضکہ یہ قضیہ بھی اختلاف مین آ کر مشتبہ ہو کر رہ گیا ہو اب کسکو جھوٹا
سمجھا جائے اور کس کو سچا اسکا تصفیہ اہل بصیرت کر سکتے ہین کہ کیا ہوا اور کیا نہین مگر بخلاف ان مظالم کے جو
مسلمانون نے کئے ہین جن کو اس زمانہ کے مسلمان بھی بہت ہی بُرا سمجھتے ہین اور جب کوئی غیر مذہب
کا پابند بھی ایسے مظالم کرتا ہے تو اس کو بھی بُرا جانتے ہین۔

مگر باوجود اس قومیت کی روشنی پھیلنے کے اب بھی مذہبی عصبیت کی تحریک جو مختلف اقوام کے
افراد مین افراط اور تفریط کے ساتھ پیدا ہوا کرتی ہے خاصکر جنگ کے ہنگام مین اپنا بدنما جلوہ دکھا رہی ہے
یعنے حال مین بدوران جنگ جرمنی پر یہ الزام اس زمانہ شائستگی مین قائم ہوا تھا کہ ایک تاریخی گرجا کو منہدم کر دیا
پھر جہانتک غور کیا گیا یہ تین صورتین عدم احترام کی پائی جاتی ہین ایک انہدام دوسرے آتش زنی جیساکہ
بیت المقدس مین بخت نصر نے کیا تھا تیسرے نجاست پھیلا دینا یہ سب صورتین ایک دوسرے کی
مذہبی تعصبات کی تاریخی یادگار ہین اور یہی ہوتا رہیگا جبتک مختلف اقوام مین بقضمن تمسک معاہدات ایک
شرط یہ بھی نہ ہوگی کہ ہر قوم کے مذہبی مقامات کا احترام بحالت جنگ دامن قائم رکھا جائے مگر معاہدون پر
عمل کہان ہوتا ہے اور اگر کچھ عمل ہوتا بھی ہے تو ماتحت حکام و افسران فوج اس کے خلاف کرتے رہتے ہین
مثلاً تسلیم کیا گیا ہے کہ انگریزی قوم مین جو سربرآوردہ وزرا اور علما اور مدبرین وغیرہ ہین وہ ہر مذہب کا لحاظ
و پاس کرتے ہین مگر اُن کے ماتحت ملازمین کو ہرگز ایسا خیال نہین ہے مثلاً ہمارے ایک کرمفرما نے جو فوج
کے ساتھ مصر گئے تھے ادہر سے فلسطین آئے انھون نے بیان کیا کہ جب ہم عسقلان پہونچے تو وہان ایک
آدمی بھی نہ تھا شہر مین سناٹا تھا اور انگریزی ہیڈ کوارٹر اُس مقام پر تھا جہان سر مبارک جناب امام حسین
علیہ السلام کا رکھا گیا تھا وہان مین نے دیکھا اور مجکو نہایت افسوس ہوا کہ جو قرآن مجید رکھا ہوا تھا اور
مرقع بھی تھے وہ ابتر پڑے ہوے تھے اور اُنکی حالت ناگفتہ بہ تھی مین نے اُنکو چن چن کر ایک طرف رکھ دیا
یہ ایک ایسی سرگذشت ہو جسکا بیان کرنے والا ایک شریف آدمی ہی جو ہم سے کبھی جھوٹ نہ کہتا۔ مذکورہ بالا

واقعات تو اصلاح طلب تھے اور ہین یہ جدید جھگڑا ہندوستان مین پیدا ہو گیا جنگ جو یورپ مین ہوئی اُسکا اثر ہندوستان مین بھی ہوا اس طرح پر کہ خلافت کا مسئلہ چھڑ گیا ہندوستان کے مسلمانون مین دو مذہبی فریق سکونت کئے ہوئے ہین ایک فریق خلافت کو اتبک تسلیم کرتا ہوا چلا آتا ہے اور دوسرا فریق کہ وہ اسکو نہین مانتا یہ باہمی قضیہ صدیون سے چلا آتا رہا اور چلا جائیگا اس کی اصلاح نہ ہونے پائی تھی کہ برٹش گورنمنٹ بھی ٹرکی کی وجہ سے اسمین پھنس گئی اس کے مقابلہ مین اہل سنت جماعت نے اپنے اس اعتقاد کا اظہار کیا کہ تا وقتیکہ فلسطین اور عراق عرب اور حرمین شریفین سلطان کو واپس نہ کئے جائینگے جو ہمارے اعتقادی خلیفہ ہین ہم راضی نہ ہونگے مگر ادھر یہ ہو رہا ہے اور دوسری جانب پہلے شام کا صوبہ امیر فیصل کو دیا گیا پھر فرانس کو اور جب فرانس نے امیر فیصل کو علیحدہ کر دیا تو اُنکو عراق عرب مین بادشاہ بنایا گیا مگر اس امیر کو عراق عرب مین حکمرانی کا کوئی استحقاق نہ تھا یہ خاندان تو حجاز مین ایک وقت مین حکمران ہوا تھا یعنے دسوین صدی عیسوی تک تو حجاز مین خلفاے عرب کی حکومت رہی پہلے جو شریف تھے اُن کا نام جعفر تھا سولھوین صدی مین بعہد سلطان سلیمان ترکی سلطنت عروج پر تھی اور اُس زمانہ مین سارا عرب ترکی حکومت کے زیر اثر سمجھا جاتا تھا اور ترکون کی حکومت حجاز پر انیسوین صدی کی ابتدا مین قائم ہوئی پھر عبدالمطلب نامی شریف مقرر ہوے اُس وقت سے یہ خاندان وہان ایک ایسی حکومت کرتا ہوا چلا آتا ہے جیسی کہ بڑے بڑے شہرون مین کارپوریشن کا پریسیڈنٹ شریف کہلاتا ہے اور عرب مین سید کو شریف کہتے ہین اسی وجہ سے انکا تقرر مکہ مین کیا گیا اس کو یہان کیونکر حق پہونچ سکتا تھا پھر انگریزون نے اپنی سیادت بھی قایم رکھی ہے جس کو اسلام کا کوئی فرقہ تسلیم نہین کرتا پھر دیکھئے کہ فلسطین کا صوبہ اپنے قبضہ مین رکھا ہے وہان اُن انبیا کے مشاہد اور قبور ہین جن کو مسلمان بھی مانتے ہین اور عیسائی بھی مگر عراق عرب اور حجاز مین تو عیسائیون کا نہ مذہبی حق ہے نہ ملکی ان مشاہد مقدسہ اور مقابر متبرکہ اگر سلطان ہی کو مصالحت کرکے کہ آیندہ وہ ہمارے خلاف ہونگے واپس کر دیے جاتے تو دنیا کے مسلمانون کی بہ بھی جاتی رہتی یہ نہین کیا گیا بلکہ وہ پالیسی اختیار کی گئی جس کو کہ ایران اور ترک اور ہندوستان وغیرہ کے مسلمان اچھا نہین سمجھتے اور اپنے مذہبی اعتقاد اور اپنے حق کے مضر سمجھتے ہین اور کہتے رہتے ہین کہ بظاہر عراق اور حجاز مین مسلمانون کی حکومت قائم کی گئی ہے اور باطن مین اسکا مطلب اور ہے خیر کچھ مطلب ہو مسلمانون کا ایک فرقہ کسی طرح پر راضی نہین ہوتا اب رہا دوسرا شیعون کا وہ خواہشمند تھا کہ عراق مین اگر ترکی مسلمانون کی حکومت نہ ہو تو ایران کے شیعون کی حکومت قائم کی جاتی اس لئے کہ یہ ملک اُن کے قبضہ قدرت مین بہت دنون تک رہا ہے اور اُن کے علمار کثرت سے اپنے امامون کے مشاہد مقدسہ مین رہتے ہین

اور ابتک ایرانی بادشاہون کے سکے جاری ہین کیا اگر عراق کی حکومت ایران کو دیجاتی تو اہل سنت
پسند کرتے اس لکھنے کے بعد پھر ہم اسی جادہ پر آتے ہین وہ کہتے ہین کہ موجودہ حکومت کی بعض پالیسیان ایسی
ہین کہ ان سے کوئی مفید نتیجہ پیدا نہین ہوتا منجملہ ان پالسیون کے ایک یہ ہے جس کو لارڈ ریڈنگ نے
اختیار کر رکھا ہے کہ پیشوایان دین اور قومی لیڈرون کو اور اُن کے زیر ہدایت کام کرنے والون
سے جیلخانے بھر دیے جائین مگر اس پالسی کا الٹا اثر پڑ رہا ہے یعنے جو لوگ گورنمنٹ کے حامیون مین تھے
اُنمین سے اکثر گورنمنٹ کے خلاف ہوتے جاتے ہین اور تاریخ نے یہ سبق دے رکھا تھا کہ جب کبھی
دنیا مین کوئی پیشوائے دین یا قومی لیڈر قتل ہوا یا جیل مین گیا تو اس درجہ جوش و خروش اُس کے
مقلدین کے طبائع مین بڑھتا گیا کہ اُس کا روکنا دشوار ہوگیا تھا اور یہ سچ بھی ہے کہ خس و خاشاک
کے جیل مین بھرنے سے حکومتون کے خلاف کم اثر ہوا کیا ہے لیکن جب بڑون مین سے کوئی قید ہوا ہو
تو اُس کا اثر زیادہ ہوتا رہا ہے یہی حالت آجکل ہندوستان مین دیکھی جا رہی ہے کیا حکومت سے مقابلہ
کرنے والون نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جبتک ہم کچلے نہ جائینگے اور ہمپر ظلم و تشدد نہ ہوگا نہ ہم مین قومی
اتفاق ہوگا اور نہ ہم کچھ کر سکینگے اور جب یہ صورت پیدا ہو جائیگی تو ایک جانب گورنمنٹ نرمی کا
برتاو کریگی اور دوسری طرف لوگون کو اس شعر کے پڑھنے کا موقع ملجائیگا۔

نہ چھیڑی چلی باد صبا کی بگڑنے مین بھی زلف اس کی بنا کی

دوسری پالسی جو یہ اختیار کی گئی ہے کہ پانسو علمار کے مذہبی فتوے کے ضبط کرنے کا حکم دیا گیا
تھا اور اہل سنت کے علمائے عظام کے مواعظ بھی روکے گئے اور روکے جاتے ہین یہانتک کہ انمین سے
بعض جیل مین بھی بھیجدیے گئے تھے یہ پالسی اس واسطے اختیار کی گئی۔ کہ اُس کا مضر تنک اثر حکومت
پر ہوتا ہو اس سے اور بھی اہل سنت کے طبقۂ عظم مین برہمی پیدا ہوگئی اور ان کے مقلدین کو باہمی
ارتباط و اتحاد کا موقع مل گیا اب علمار کہتے ہین کہ موجودہ حکومت اپنے بادشاہ کے فرامین کے خلاف
مذہبی مداخلت کرتی ہے مگر لارڈ ریڈنگ بلا دلیل فرماتے ہین کہ یہ مذہبی مداخلت نہین ہے اسپر کچھ تعجب کرنا
چاہیے اسواسطے کہ لارڈ ممدوح کا نہ اپنی قوم کے عالمون مین شمار ہے اور نہ وہ کوئی ایسا مرتبہ رکھتے
ہین کہ وہ اسلامی فقہ کو سمجھتے ہون امر واقعہ یہ ہے کہ متقدمین فقہائے عظام اہلسنت نے جو فتوا دی
پہلے دے ہین وہ اُن کے مذہب مین محدود ہوکر رہ گئے ہین اور مولوی حسین احمد صاحب اور دیگر
علمائے اہل سنت نے صدہا برس کی کتابون سے جبکہ انگریز ہندوستان مین آئے بھی نہ تھے اپنے مقدمہ
کے دوران تحقیقات مین استدلال کر کے ثابت کیا کہ ہمارے واسطے جو حکم ہمارے مذہب کے علمار دیتے

دے رکھا تھا وہ مذہبی ہے جس کو انگریزی حکومت اپنی پالسی سے روکتی ہے بخلاف اس کے شیعون کا یہ اصول ٹھہرا ہوا ہے کہ اُن کے مجتہد کا فتوی جب مجتہد مرجاتا ہے تو فتوی بھی مرجاتا ہے اور زندہ علما کا فتوی قابل تسلیم ہوجایا کرتا ہے۔ یہی حال اہل سنت کا خلافت کے متعلق ہے وہ اپنے اعتقاد کے بموجب خلافت کو تسلیم کیے ہوئے ہین اور موجودہ حکومت کی پالسی یہ ہے کہ خلافت کی کمیٹیان قایم نہ ہون اور جو لوگ ایسا مذہبی وعظ کہتے ہین وہ گرفتار کیے جایئن اب یہ سب باتین ایک فرقہ اسلامیہ کی مذہبی ضرور ہین اور ان کے انسداد کی پالسی مذہبی مداخلت نہین ہے تو اور کیا ہے۔

اب یہ لکھنے کو تو ہم نے لکھ دیا ہے لیکن انصاف اسکا مقتضی ہے کہ اس امر کو بھی ظاہر کردیا جائے کہ دنیا کی حکومتی تاریخ یہ بتاتی ہوئی چلی آتی ہے کہ ہر قوم کا خاصہ یہ تھا کہ وہ حکومت کے تحفظ کے مقابلہ مین نہ رشتہ اور قرابت کا لحاظ کرتی تھی نہ کسی مذہب کا مسلمانون کی بوشاہتون اور خلافتون مین یہی ہوتا رہا کہ انھون نے بھی اپنی حکومت کی حفاظت کے واسطے دیکھیے کربلا مین کیا کیا اور پھر حرم مین کیا ہوتا رہا اور دور کیون جایئے۔ ایران مین محمد علی شاہ نے اور افغانستان مین امیر عبدالرحمان خان نے اپنی تخت نشینی کے بعد علمار کے ساتھ کیسا سخت برتاو کیا تھا اسی سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ تاتاریون نے جب مسلمانون کی حکومتون پر حملے شروع کئے تھے انھون نے مسلمانون کا مذہبی احترام کچھ نہ کیا تھا بس یہی سب قومون مین تاریخ نے اپنا جلوہ دکھا رکھا تھا کہ حکومت نے حفاظتی اغراض سے اور اپنی حکومتون کو قائم اور برقرار رکھنے کے لیے کبھی کسی قوم نے نہ اپنے مذہب کا خیال کیا اور نہ دوسرون کے مذہب کا احترام مگر انگریزون کی حکومت پر یہ الزام اس لیے رکھا جاتا ہے کہ ان کے بادشاہ نے فرمان کے ذریعہ کسی کے مذہب مین مداخلت کرنے کو منع کیا ہے انگریزون کی قوم بھی مدعی ہے کہ ہم کسی کے مذہب مین مداخلت نہین کرتے ہین۔ کیا شاہانہ فرمان اور اس لکھنے کا یہ منشا ہے کہ ظاہری اسلامی احکام بجا آوری آزادی کے ساتھ جائز رکھی گئی ہے مثلاً اذان اور نماز اور دیگر اسی قسم کے احکام کی جیسے کہ مذہبی مجالس اور محافل شرعی وغیرہ ہین فرمان کا منشا یہین تک محدود معلوم نہین ہوتا بلکہ وہ اور احکام شرعی پر بھی موثر ہے مثلاً شراب اور سود وغیرہ اور خلافت اور مذہبی فتاوی پر بھی انھین سب احکام کو مولوی محمد علی صاحب نے شاہی فرمان سے استدلال کرکے کراچی کی عدالت مین اپنی رائے کا اظہار کیا تھا وہ ہرگز اس رائے کو ظاہر نہ کرتے اگر ایسے فرمان نہ ہوتے مگر جج صاحب نے اپنی تجویز مین جن تاویلات سے کام لیا ہے اُنکو علمائے اسلام قبول نہین کرتے اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ مسلمانون مین اور جوش بڑھ گیا تھا۔

یہ سود کی ڈگریاں جو مسلمانوں کے اجلاس سے مسلمانوں پر ہوتی رہتی ہین اور شراب کے معاہدات جن کو قانون نے ناجائز رکھا ہے کیا علماء اسلام اگر مواعظ مین ان خلاف شرع امور کی ممانعت کرین یا اُن کے انسداد مین کوشش کرین تو وہ کیونکر گرفتار ہوکر جیل مین جاسکتے ہین اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان خود بھی خلاف شرع احکام کے پابند ہوگئے ہین وہ سود بھی کھاتے ہین اور شراب کے ٹھیکے بھی لیتے ہین اور شراب فروشی کی دوکانون کو بھی قائم کئے ہوئے ہین حالانکہ مذہب نے ان سب امور کو ناجائز قرار دے رکھا ہے اس سوال کا بس یہی جواب ہے کہ اگر ایسے قوانین جاری نہ کئے جاتے تو مسلمان کبھی اپنی شرع کے تارک نہ ہوتے پھر جب اسپر غور کیا جاتا ہے اور تاریخ نے بھی اس سے آگاہ کر رکھا ہو کہ جب کسی غیر قوم اور غیر مذہب کی حکومت دنیا مین ہوجایا کرتی ہے تو وہ اپنے قوانین کے نفاذ سے دوسری قومون کے مذہبی احکام پر ضرور اثر پیدا کرتی رہتی ہے اور محکوم قومون کا میلان بھی اُسی طرف ہو جاتا ہے اور مذہبی تاریخ بدل کر رہ جاتی ہے یہی حال بہت سی اسلامی حکومتون مین بھی دیکھا جاتا ہے اور مذہب جس کا نام ہے اُس کی تعلیمی حلت و حرمت کی تاریخ بہت کچھ ابتدا مین قائم رہتی ہے اور امتداد زمانہ سے اور ہو جاتی ہے جیسا کہ بعد حضرت موسیٰ کے یہودیون نے بیت المقدس مین کر رکھا تھا اور دوسرے مذہب والے بھی کرتے رہتے ہین یعنے احکام انبیاء کے خلاف یہی وہ بات ہے جس سے مسیح نے بیت المقدس کے اندر جانے سے انکار کیا اور ایک سوال کے جواب مین فرمایا کہ مین بیت المقدس مین جاکر کیا کرون اُس کو تو یہودیون نے ایک منڈی قرار دے رکھا ہو جسمین تورات کے آیات فروخت کیا کرتے ہین غرضکہ حق پرستی کا خیال جیسا پہلے رہتا ہے وہ پھر باقی نہین رہتا ابھی تک تو مسلمانون نے ہندوستان مین اسی قسم کا غوغا کر رکھا ہے آیندہ شریف مکہ کی حالت پر غور نہ کرین جس کی نسبت مسلمان حاجی جو حج کرنے کے لیے جاتے ہین اور واپسی کے بعد شریف کی مظالم اور تعدیات کا ذکر کرتے رہتے ہین اور شریف مکہ وہ ہین کہ جن کی حالت خود مشکوک ہوکر رہ گئی ہے کہین ایک نہ ایک دن علماء یہی فتویٰ نظر بحالات شریف مکہ نہ دیدین کہ جتبک حجاز اُن کے قبضہ مین رہے مسلمان حج کرنے نہ جائین۔ یہ فتویٰ اس سبب سے ابھی علماء نے نہین دیا ہے کہ شریف صاحب کے ملکی خواہشات مین تغیر وتبدل ہوگیا ہے ورنہ بعد ہجرت کے جتبک کہ بنی امیہ کا اقتدار حکومت رہا آٹھ سال تک حضرت رسالتمآب نے حج نہین فرمایا تھا اب باعتبار ان حالات اور واقعات کے اگرچہ علماء فتویٰ دینے مین تامل فرماتے ہین مگر شریف مکہ اپنے افعال کی اصلاح نہ کرینگے اور انکی ملکی و مذہبی خواہشات بڑھتی رہینگی تو ممکن ہے کہ علماء کے خیالات مین بھی تغیر ہوجائے تو زبردستی حاجیون کو کسطرح بہ

روانہ کیا جاسکتا ہے اور اس طرح کی روانگی کیا مذہبی مداخلت نہین ہے پھر اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا
جاتا ہے کہ جب یورپ کی جنگ کا آغاز ہوا انگلستان اور ٹرکی مین لڑائی شروع ہوگئی تو ہندوستان کے
مولویون اور مسلمانون کے قومی لیڈرون نے اس خیال سے کہ سلطان ملکی پالسی اختیار کئے ہوئے ہین نہ
مذہبی سکوت کیا تھا اگر محاربات کے دوران مین علماء وقت مدبرین انگلستان پر زور ڈالتے اور اس وقت
جو ہو رہا ہے وہ اُس تشویش کے زمانہ مین ہوجاتا تو انگلش گورنمنٹ کے واسطے حد سے زیادہ پریشانی
پیش آجاتی مگر یہ کیون ہوتا جبکہ مسلمانون کو عدم مداخلت مذہبی کے متعلق اطمینان دلایا گیا تھا اب مسلمان
خیرخواہی اور وفاداری کے ساتھ مطمئن ہوکر خاموش رہے اسمین کلام نہین کہ اگر ترک فتحیاب ہوجاتے
تو ہندی مسلمانون کے واسطے مسرت کا مقام تھا اور مقتضائے فطرت بھی تھا جس کو ہر زمانہ کی تاریخ
نے صحیح اور درست قرار دے رکھا ہے کہ جب دو قومون مین جنگ ہوجاتی ہے تو قومی افراد نے اپنی اپنی
قوم کی فتح کی دعا کی ہے اب رہے قول وقرار انکا بھی تاریخ نے پتہ دیا ہے اور تاریخی اصول بھی
اس کی تائید کرتے ہین کہ ہر معاملہ مین ہوشیار رہنا چاہیے اور جو کچھ اب ہو رہا ہے یہی ہر زمانہ مین ہوتا
رہا ہے اول تو قول وقرار کی بساط ہی کیا ہے اغراض حاصل ہوگئے قول وقرار سب نسیاً منسیاً ہوکر رہجاتے
ہین ایک زمانہ مین پرنس بسمارک نے اپنی پارلیمنٹ مین طولانی اسپیچ کہی تھی جس کا ترجمہ طہران کے اخبار
اطلاع مین چھپا تھا اُنھون نے بیان کیا تھا کہ معاہدات پر اعتبار نہ کرنا چاہیے بوقت معاہدہ سب کو ہوشیار
رہنا ضرور ہے ورنہ خاموش رہنا اچھا ہوگا یہ خبر دیکر وہ چل بسے مگر اُن کے بعد وہی دیکھنے مین آرہا ہے جو وہ
کہہ گئے تھے بہرحال مسلمانون کا اگرچہ یہ خیال ہے کہ وہ زمانہ گذر گیا جس مین ہم ساکت رہے اگر یہ خاموش
نہ رہتے تو کیا کرتے ترک اُس وقت اپنی مصلحتون کے پابند تھے ہندوستان کے مسلمانون کا کیون کہنا
مانتے کچھ کہا سنا بھی گیا تھا مگر سنا کس نے باوجود اس کے کہ انکی سنی بھی نہین گئی اور یہ کہتے بھی رہتے تھے کہ ملکی
لڑائی کے اندر خلافتی جھگڑا کیون ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریزون نے سلطان کے وہ ملک فتح کر لئے
جہان اُن کے مذہبی مقامات مقدسہ واقع ہین بس وہ چاہتے ہین کہ انگریزی حکومت وہان نہ رہے
اور نہ انگریزی اثر اور ان کے خلیفہ کو آزاد کر کے اُن کے مفتوحہ ملک بھی واپس کر دیے جاوین یہ دعوے انکا
کچھ بیجا بھی نہین ہے اور انگریز بھی اس کو بخوبی سمجھتے ہونگے کہ کوئی مسلمان بھی اس کو اچھا نہ سمجھتا ہوگا کہ
ایک غیر قوم اور غیر مذہب کا حکومتی اثر وہان ہو یہی وجہ ہے کہ وہان مسلمان بادشاہ کی حکومت قائم کی
گئی ہے اور اثر بھی رکھا ہے اب آئندہ جو ہو مگر ہندوستان کی یہ حالت قابل غور ہے کہ یہان مختلف
طبقات کے مختلف خیالات ہین ایک طبقہ کا خیال یہ ہے کہ ہندوستان مین انگریزی رہین ور دوسرے کا

کا خیال یہ ہے کہ رہیں انگریز مگر ہمکو مساوی حقوق عطا کریں یہ جھگڑا ختم نہوا تھا کہ وہابیون نے موقع پاکر حجاز پر قبضہ کیا اور دنیاء اسلام مین ہلچل پیدا کر دی۔
اس وہابی مذہب کا بانی مبانی محمد بن عبدالوہاب تھا اور ہندوستان مین اسکی اشاعت سید احمد جونپوری اور مولوی عبدالحی مولوی محمد اسمعیل دہلوی سے ہوئی ہے اور یہ مذہب اپنے بانی کے نام سے منسوب ہے کہتے ہین کہ محمد بن عبدلوہاب نے نجد کے بدویون مین جب اس مذہب کی تلقین کی تو کثیر التعداد بدوی اونکے معتقد ہوگئے اور ابن سعود کے خاندان کو بھی اپنے مذہب مین کرلیا یہ خاندان درعیہ مین حکومت رکھتا تھا احکام شریعیہ کا نفاذ محمد بن عبدلوہاب کرتے تھے اور سیاسی احکام ابن سعود کے خاندان کے سپرد تھے جب اونکے مذہب کو اس طرح پر سیاسی طاقت حاصل ہوگئی تو پھر اونہون نے ملک گیری کیواسطے پیشقدمی شروع کی اور یہ پالسی اختیار کی کہ اون مسلمانون پر جہاد کرنا چاہیے جو گور پرستی اختیار کئے ہوئے ہین اور اونکا مال واسباب بھی لوٹ لینا چاہیے یہ باتین وہابیون کیواسطے مباح ہین انکے سوا اور امور جو اونکے نزدیک خلاف شرع ہین اور بدعت مین داخل ہین اونکو بیان کرکے بدویون کو بھڑکایا اور رئیس درعیہ کی شرکت سے اونکی قوت روز بروز بڑھتی گئی اور نجدیون کا اجتماع ہوتا رہا یہانتک کہ اول حملہ وہابیون نے رئیس بجامہ پر کیا اور فتحیاب ہوا رئیس بجامہ بھاگ کر قطیف مین پناہ گزین ہوا اور وہین اوسکا انتقال ہوگیا پھر محمد بن سعود نے درعیہ کو خوب آباد کیا اور ایوان شاہی تعمیر کئے اور درعیہ کو دارالحکومت قرار دیا اور اپنا لقب امیر کیا ۱۷۹۰ع مین اوسکی حکومت اچھی طرح قائم ہوگئی تھی اوسکے مرنے کے بعد اوسکا بیٹا اوسکا جانشین ہوا عبدالعزیز خود اور اوسکا لڑکا فوج کی کمان کرتے تھے اونہون نے خلیج فارس کا مشرقی حصہ اپنے قبضہ مین کرلیا اور مسقط پر حملہ کیا سلطان مسقط کا نام سعید تھا اوسنے شکست پائی اور جزیہ دیکر اوسکو نجات ملی اسکے بعد ۱۸۰۱ع مین نجف اشرف پر حملہ کیا اور اوسکا محاصرہ کیا مگر یہان محروم رہا یہان سے ہٹکر کربلائے معلی مین قتل عام کا حکم دیا اور روضۂ اقدس کو لوٹ لیا اور گورنر عثمانیہ نے جب درعیہ پر پیشقدمی کی تو اوسکو شکست ملی بعد اوسکے ۱۸۰۴ع مین اوسنے حجاز کو فتح کیا اس طرح پر کہ تین مہینے تک اوسنے محاصرہ کیا اور اہل مکہ جب مجبور ہوئے تو اونہون نے اوسکی اطاعت قبول کی اوسوقت شریف غالب بھی جدہ مین چلے آئے تھے اونہون نے ترکون سے اعانت کی خواہش کی اور مصر کے محمد علی پاشا نے وہابیون کو بھگا کر درعیہ تک پہونچا دیا اور درعیہ کو تاراج کرکے واپس آئے اوس زمانہ مین تو یہ ہوا تھا موجودہ زمانہ مین جب ترکون کی تاریخ

تبدیل ہوگئی ہے تواب کون ہے جو وہابیون کو حجاز کی سرزمین سے نکالے مصر اور ترکون کی تاریخی نیرنگیون مین عجیب انقلاب پیدا ہوا ہے اور ایران اپنی اندرونی اصلاحات مین مشغول ہے اب رہا عراق عرب وہان شریف صاحب کے فرزند امیر فیصل حکمران ہین اونکو چاہیے کہ وہ وہابیون سے مقابلہ کرین اور اپنے برادر امیر علی کی جدہ مین حفاظت کرین مگر اول وہان انگریزی اثر ہے دوسرے یہ سلطان حجاز کی فوج سے کہان مقابلہ کر سکتے ہین انگلستان کے ایک انگریزی رسالہ مین سلطنت نجد کے حالات شایع ہوئے ہین اوسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نجدی حکومت کو باضابطہ کر لیا گیا ہے اور اور تھی اچھی ہے اس امر پر بھی جب غور ہوتا ہے شریف مکہ اور وہابیون کی جنگ کوئی نئی جنگ نہین ہے ۱۲۰۵ھ سے ۱۲۲۰ھ تک برابر ایک دوسرے سے ہوتی رہی ہے اور پچپن لڑائیون تک نوبت پہونچ چکی تھی ان دونون کی تاریخ ہمیشہ تکرار کرتی ہوئی چلی آتی ہے اور یہ لڑائیان کیون نہوتین جبکہ ایک دوسرے کے مذہبی اعتقاد مین زمین وآسمان کا فرق نمودار تھا اور ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ ان لڑائیون مین بہت سے جوانان ہاشمی شہید ہوے ہین اور طائف کو تاراج کیا گیا تھا اور وہان لوگون کو قتل کیا گیا اور ۱۲۲۱ھ مین سعود نے ملک شام کے حاجیون کو حج کرنے سے روکا اور محمل مصری کو جلوا دیا اور مصر کے حاجیون کو روکدیا تہا اور اسی سنہ مین سعود نے حجرہ نبی کو لوٹ لیا اور اموال وجواہر جو وہان محفوظ تھے اون سب کو اپنے خزانہ مین منتقل کر لیا اور تمام لوگون کو زیارت مدینہ منورہ سے منع کردیا اگرچہ ہندوستان مین وہابیون کی بے عنوانیون سے برہمی پھیلی ہوئی ہے اور لکھنؤ ودیگر مقامات مین جلسہ ہورہے ہین اور آیندہ بھی ہونگے مگر جیساکہ اوپر لکھا گیا ہے کہ وہابی اُن مقامات مقدسہ سے قابل اخراج ضرور ہین لیکن اس سوال کا جواب کیا ہے کہ اونکو وہان سے کون خارج کریگا کیا وہابیون کے خلاف کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو زبردست ہو اور اپنی روباہ بازی کی نیرنگیون سے زبردستون کو فنا کردے جیساکہ اوس لومڑی نے کیا تہا جسکے متعلق ایک حکایت مشہور ہے کہ شیر بیمار ہوا اور تمام صحرا کے جانور اوسکی عیادت کیواسطے آئے اسواسطے کہ شیر جنگل کا بادشاہ کہا جاتا ہے اور یہ جانور اوسکے محکوم ہین مگر لومڑی حاضر نہوئی تھی شیر نے کہا کہ سب جانور میرے دیکھنے کو آئے مگر روباہ کبھی نہین آئی ایک گرگ باباران دیدہ نے چغلی کھائی کہ وہ نہین آئی ہے اور نہ آئیگی لومڑی کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اوسنے حاضر ہوکر سلام کیا شیر نے اوس سے دریافت کیا کہ تو کہان تھی اوسنے کہا کہ آپکی علالت سنکر طبیب کی جستجو کرتی تھی کہ اوس سے دوا

دریافت کرکے اُسنے کہہ دون شیر نے کہا کہ اوسنے کیا بتایا ہے لومڑی نے کہا کہ اوسنے یہ دوا تبائی
ہے کہ آپ اگر بہیڑیئے کو مارکر اوسکے گردے کھالین توآپکو صحت حاصل ہوجائیگی اوسنے فوراً
جنگل خور بہیڑیئے کا کام تمام کیا اس مخالف کو ہلاک کرا کر پہر غائب ہوگئی دو چار روز کے بعد پہر آئی
تو شیر نے دریافت کیا کہ کہان غائب ہوگئی تھی اوسنے کہا کہ مین اسوجہ سے حاضر نہو سکی کہ ایک اور
شیر آیا ہے وہ کہتا ہے کہ مین جنگل کا بادشاہ ہون اوسکی سرِراہی مین تھی شیر نے پوچھا کہ وہ کہان ہے
اوسنے کہا کہ کنوین مین ہے اب شیر غصہ مین آیا اور اسی حالت سے کنوین پر پہونچا اور کنوین کے اندر
دیکھا تو پانی کے اندر اسی شیر کا چہرہ دکھائی دیا اب شیر یہ سمجھکر کہ یہ دوسرا شیر ہے میری حکومت
لینا چاہتا ہے غصہ مین آکر کنوین مین پہاند پڑا اور مرکر رہگیا جب لومڑی اس دوسرے دشمن کو
اس طرح ہلاک کرچکی تو لگی کنوین کی جگت پر ناچنے اوسکو دیکھکر دوسرے جانور بھی ناچنے لگے لومڑی
نے کہا کہ تم کیون ناچتے ہو مجھکو ناچ زیبا ہے کہ مین نے اپنے دشمنون کو اس طرح پر ختم کردیا ان
روباہ بازیون سے تو وہابی نکل سکتے ہین ورنہ اونکا نکلنا مقامات مقدسہ سے دشوار معلوم ہوتا ہے

شریف مکہ کے خاندانی تاریخی حالات

یہ بیان کیا گیا ہے کہ پہلے جو ہاشمی حجاز و حرمین شریفین
مین محافظ ہوے وہ حضرت امیر المومنین علی ابن
ابیطالب علیہ السلام ہین اور اونکے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام جب خلافت سے دست بردار
ہوے تو یہ خدمت بنی اُمیہ پر منتقل ہوگئی اور اسی خاندان مین بانوے برس تک رہی پہر سنہ ۱۳۲ھ
مین بنی عباس نے حجاز کو بنی اُمیہ سے واپس لے لیا اور جب بنی عباس کی خلافت جاتی رہی تو ممالک
اسلامیہ مختلف زمانون مین مختلف خاندانون پر منتقل ہوتی رہی جیسا کہ سلطان سلیم کے عہد سے
ممالک اسلامیہ کا بڑا حصہ دولت عثمانیہ کے تصرف مین آگیا اور حرمین شریفین تک بھی
اس اقتدار کا اثر پہونچا مگر بنی ہاشم ہر دور سلطنت مین باعتبار شرافت امیر حجاز رہے سنہ ۵۹۷ھ
مین شریف قتادہ بن ادریس بن مطاعن بن عیسیٰ بن حسین بن سلیمان بن علی بن عبد اللہ
بن محمد الثائر بن موسیٰ بن عبد اللہ بن موسیٰ الجون بن عبد اللہ بن عبد اللہ المحض بن حسن المثنیٰ
بن الحسن السبط بن علی ابن ابیطالب علیہ السلام جب امیر مکہ معظمہ ہوے تو خلیفہ بغداد الناصر نے
کسی مصلحت سے آنکو بغداد مین بلایا مگر شریف قتادہ نہ گئے اسپر الناصر نے ایک عتاب نامہ شریف
قتادہ کو اپنے فوجی افسر کے ہاتھ بہیجا شریف قتادہ نے اوسکو پڑھکر اپنے خاندان والون
کو جمع کیا اور اونسے کہا کہ اے فاطمہ زہرہ کے بیٹو تمھاری عزت آخر دور دنیا تک اسی ہیئت اللہ

کی مجاورت و محافظت پر منحصر ہے اسی ریگستان مین سب سے علیحدہ مجتمع رہو اور کبھی دین و دینا تباہ کرنیوالون کے دام مین نہ پڑنا خدا تمھارا اور تمھاری سرزمین کا حافظ و نگہبان ہے۔

یہ بیان جناب راجہ صاحب تعلقدار سلیم پور کے اُس خطبہ صدارت سے لیا گیا ہے جسکو جناب موصوف نے بحیثیت صدر کمیٹی استقبالیہ انجمن تحفظ آثار متبرکہ مرتب فرماکر جلسہ رفاہ عام لکھنؤ مین پڑھا تھا یہ خطبہ نہایت لیاقت و قابلیت سے بحوالہ عربی تاریخون کے ترتیب دیا گیا ہے۔ ہمنے بھی شریف مکہ کا تذکرہ کتاب ہذا مین کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ سلطان سلیم نے پہر اس شرافت کو گویا قایم کیا تھا اور راجہ صاحب کے لکھے ہوے تاریخی حالات مین ہم یہ بھی اضافہ کرتے ہین جیسا ہم اپنی کتاب مین لکھ آئے ہین کہ حضرت ابیطالب پہلے متولی خانہ کعبہ ہین جنکو یہ خدمت سپرد تھی کہ حاجیون کو کھانا کھلاتے تھے اور بنی عباس کو سپرد سقائیت آب زمزم کی تھی پس کعبہ کی تولیت کا حق خصوصیت کے ساتھ حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور آپکی اولاد کو حاصل تھا اور اس زمانہ مین جب وہ خدمات ضعیف ہوگئی تہین تو وہ تولیت کعبہ کیونکر تبدیل ہوکر شریف مکہ پر منتقل ہوئی ہے اسواسطے کہ تولیت کعبہ اور شرافت مکہ مین فرق ہے عرب مین سید کو شریف بھی کہتے ہین اور مکہ مین جب شریف کا عہدہ قائم ہوا تو وہ گویا بمبئی اور کلکتہ ایسے بڑے شہرون کی کارپوریشن کا شیرف کا عہدہ ہے یا لندن کے لارڈ میر کے عہدہ کی طرح پر سمجھا جاتا ہے پس شریف مکہ کو ماتحت متولی کعبہ سمجھنا چاہیئے بہرحال جو نزع دہابیون اور اونکے خاندان مین چلی آتی تھی اوسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہابیون نے موقع پاکر پہر حجاز پر قبضہ کیا اور خاندان شریفی پہر منتشر ہوگیا خیر یہ جو کچھ ہوا او رآئندہ جو کچھ ہو اوس سے قطع نظر کرکے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ہندؤن اور مسلمانون کے فسادات اور دوسرے جانب دہابیون کی یورش نے تمام ہندوستان مین اوس مطالبہ کو ضعیف کر رکہا ہے جو ہندو اور مسلمان لیڈرون نے بمقابلہ گورنمنٹ انگریزی قایم کیا تھا اگر ہندوستان کی یہی تاریخی حالت اور مذہبی جوش وخروش رہیگا اور متحد ہو کر قومین اپنے ملک اور قوم کی خدمت نکرینگی تو اونکا یہ مقصد کیونکر حاصل ہوگا جسکو سیاسی مقصد کہا جاتا ہے یہ زمانہ مذہبی تعصب کا نہین ہے بلکہ قومی نشو ونمائی کا ہے مذہب اپنا اپنا قائم رکھو اور ارکان مذہبی ادا کرتے رہو ورنہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ حاصل نہوگا یہی ہندوستان ہے جو مختلف مذاہب کا سرچشمہ اور ہندون کے سوا مسلمانون مین فرقہ ہائے اسلام کی تولید سے مذہب اور قوم پر کیسا خراب اثر پڑرہا ہے ایک دو فرقہ ہون تو ہون قادیانی اور اہلحدیث علیحدہ اور اہل قرآن علیحدہ اب رہنے سنی و شیعہ ان مین ہمیشہ جھگڑا چلا آتا ہے اور

ہمیشہ رہیگا جب یہ حالت ہے تو ان سب کا متحد ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ
ہندو اور مسلمانون نے متفق ہو کر سیاسی مطالبہ سرگرمی سے شروع کیا تھا اب زمانہ نیرنگیان
دکھا رہا ہے کہ ہر جانب ہندو اور مسلمانون مین فساد کی خبرین پہیلی ہوئی ہین اور باہم مسلمان
لیڈرون مین اختلاف ہو رہا ہے اور انکا اختلاف یہ خبر دیرہا ہے کہ ابھی انہین مسلمانون مین شرک
پرست اور نجدی پرست فرقون کا بھی اہلسنت مین اضافہ ہوگا ہندوستان مین تو یہ ہے اور
شام مین ایک دروزی فرقہ ہے جو فرانس سے زور آزمائی کر رہا ہے اس فرقہ کو بھی اسلامی فرقہ
کہنا چاہیے جسکا حال حکیم اجمل خان صاحب نے لکہا ہے وہ لکھتے ہین کہ یہ فرقہ خدا کی وحدانیت
کا قائل ہے اور رسول مقبول کو خدا کا بہیجا ہوا پیغمبر مانتے ہین قرآن شریف کی کتاب کو بھی دوسرے
مسلمانون کیطرح جانتے ہین اور یہ بھی اعتقاد رکھتے ہین کہ یہ کتاب الہی رسول خدا پر اوتری ہے مگر
رسول خدا کے بعد بعض ایسے اشخاص کے متعلق اونکا اعتقاد ہے کہ وہ نبی ہین اور افلاطون کو بھی نبی
جانتے ہین اور حضرت سلیمان اور سیدنا حضرت علی مرتضی علیہ السلام کی نسبت اونکا اعتقاد ہے کہ
وہ الوہیت کے مظہر ہین اسکے علاوہ طالبی کے سفرنامہ موسوم بہ خیر طالبی مین ایک یزیدی فرقہ کا
حال درج ہے طالبی نے اونکو اوسوقت دیکھا تھا جب وہ استنبول سے عراق جاتے تھے اونہون نے
لکھا ہے کہ یہ فرقہ سلطان کو مانتا ہے غرضکہ جملہ اقوام عالم مین گذشتہ زمانہ کی تاریخ آگاہ کرتی ہے کہ مذہبی
فرقون کی تولید کی ترقی برابر ہوتی رہی ہے اور انمین لڑائیان بھی ہوا کرتی ہین اور لڑائیون کا سبب
یہ تھا کہ مذہبی اعتقادات ایک دوسرے سے متضاد اور مخالف تھے اور انمین سے جس کسی کو سیاسی
اقتدار حاصل ہو جاتا تھا پس ایک دوسرے مذہب والے کو فنا کے درجہ پر پہونچانا چاہتا تہا اور
اپنے مذہبی اعتقاد کی پیروی کرانے مین اوسکی کوشش رہتی تھی یورپ مین بھی مذہبی لڑائیان
مدتون جاری رہین مگر اب قومی و سیاسی جنگون کے سوا مذہبی لڑائیان نام کو بھی نہین ہین مگر
ہندوستان اور دنیا کے دوسرے ممالک مین ابھی مذہبی تعصبات سے جنگ جاری ہے اور یہ
جنگ اوسوقت تک جاری رہیگی جب تک انمین قومی اور سیاسی اتفاق و اتحاد نہوگا اور مذہبی تعصبات
مین اصلاح ہو کہ انمین رواداری کا اثر پیدا نہوگا یہ بھی خیال ہے کہ جسکا جو عقیدہ مذہبی ہے وہ قائم
رہتا ہے جب تک وہ اپنے اعتقاد کو تبدیل کر کے دوسرے کے عقاید کا تسلیم کرنیوالا نہو یہی وہابی
ہین کہ اونکا سلطان کہتا ہے کہ ہم نے نہ کسی قبر کو کہودا ہے اور نہ گنبد رسول پر گولہ باری کی ہے اور نہ
ایسے کام کیے ہین جن سے دوسرے مذہب والون کو صدمہ پہونچتا ہو مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب تک

اونکے اعتقاد مین تبدیلی نہو کیا زمانہ گذشتہ کی تاریخ کو وہابیون نے تبدیل کردیا ہے ہرگز نہین بلکہ مکہ معظمہ
اور مدینہ منورہ مین اونسے وہی افعال ظاہر ہوے ہین جنکو اوس زمانہ کی تاریخ آگاہ کرتی ہوئی چلی آتی ہے
اور آگاہ کرتی رہیگی اسوقت تک کہ وہ اپنے مذہبی اعتقادات مین ترمیم نکرین اور اعتقادات کا تبدیل
اور ترمیم ہونا دشوار نظر آتا ہے اسوجہ سے کہ تاریخ کے اصول یہ ہین کہ جو جسکا اعتقاد مذہبی ہے وہ
اوسی پر قایم رہتا ہے -

باب دوازدہم

زبردست اور زیردست کی تاریخی حالت

یہ تاریخی تکرار ہمیشہ رہیگی کہ دنیا مین جو شاہ و شہنشاہ ہو گذرے ہین اور رسول و انبیا بھی
یہ آخر الذکر اوسی اعلیٰ طاقت کے زیر اقتدار چلے آتے ہین خود ایسے حکمران کبھی بصورت اختلاف
مذہب اونکی بارگاہ رسالت مین حاضر نہین ہوے ہین بلکہ انہین حضرات کو اون بادشاہون کے
دربار مین مجبوراً حاضر ہونا پڑا ہے اور انحراف کیحالت مین اونکو انواع و اقسام کے مصائب اٹھانا
پڑے ہین یہ تو لکھنے والے لکھ گئے ہین اور کہنے والے کہہ گئے ہین کہ ہم مذہب حکمران کبھی کبھی اپنے
روحانی پیشواؤن کیخدمت مین حاضر ہوا کئے ہین مثلاً تیمور ایسے شہنشاہ جب مشہد مقدس مین صفویہ
خاندان کے ایک رکن اعظم کی خدمت مین حاضر ہوے اور اونسے کہا کہ جو کچھ آپ طلب کرین مین
اوسکی تعمیل کردون اونہون نے کہا کہ مین کچھ بھی نہین چاہتا بجز اسکے کہ یہ قزلباش جو آپکی سرکار مین گرفتار
ہوکر مقید ہین اون سب کو آپ چھوڑ دین امیر تیمور نے اونکے ارشاد کے مطابق اون سب کی رہائی کا
حکم دیدیا اور ان قزلباشون نے رہا ہوکر ایران مین شاہ صفی کی حکومت قایم کی جسکو صفویہ خاندان کی
حکومت کہتے ہین اسی خاندان کا وہ آخری بادشاہ تھا جو نادر بادشاہ کے زمانہ مین ہلاک ہوگیا اور
تاریخ نے نادری حکومت قایم کی یہ زبردست اور زیردست کا تاریخی حال تھا جسکو بیان کیا گیا ہے
اور پھر اسی کے متعلق یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ برگزیدہ بندگان خدا کی غیر مذہب حکمران کے مقابلہ مین
جو حالت رہی ہے وہ ضرور افسوسناک ہے وہ شخصیت کے زمانہ کے واقعات تھے جو گذر گئے اب
قومیت کے زمانہ کے واقعات کیا ہین یہ ہین کہ قومی لیڈرون کو ہر ملک مین مصائب اور تکلیفات
سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے غرضکہ ان قومی لیڈرون کی جد و جہد کبھی بہار کا منظر پیش کرتی ہے
اور کبھی مبدل بخزان ہوکر رہجاتی ہے اور پھر جو کونپل نکلتی ہے وہ بھی پژمردہ نظر آیا کرتی ہے اسی

ہندوستان کو دیکھیے کہ کیا تھا اور اب کیا ہو رہا ہے ان قومی لیڈروں مین اس درجہ اختلافات اور مناقشات ہین کہ انکی خواہشات و اغراض کا تکمیل پانا دشوار ہے۔

یہ ہندوستان کیا ہے مختلف اقوام اور متضاد و مختلف مذاہب کا سرچشمہ ہے اور مختلف ذاتون کا مخرج اور یہی وہ وسیع ولایت ہے کہ اسمین پہلے بھی جب شخصی حکومتون کا دور دورہ تھا تب بھی لڑائیان ہوتی رہتی تہین اور مسلمانون کے زمانہ مین بھی یہی رنگ رہتا تھا اب اس زمانہ مین ایک اعلیٰ حکومت ہے اور یہ شخصیت سے قومیت پر منتقل ہوگئی ہے اور دوسری حکومت ہندو اور مسلمان روسائے خودمختار کی ہے یہ حکومتین خودمختار اور آزاد کہی جاتی ہین مگر یہ ہین ماتحت انگریزی گورمنٹ کے اور اس حکومت کے عہد مین بڑا امن وامان ہے یعنے اب کہین بھی کسی رئیس سے باہم جنگ نہین ہوتی ہے سابق مین بجز باہمی لڑائیون کے ایسا امن وامان کہان تھا اور یہ بھی ہے کہ اگر یہ امن قایم نہوتا تو انگریزی قوم کو تجارتی فائدہ کب حاصل ہوسکتا یہ ریلوے کا سلسلہ جو تمام ہندوستان مین پھیلا ہوا ہے اور دوسری صنعتون سے فوائد حاصل کئے جاتے ہین انکا لڑائیون کے زمانہ مین حاصل ہونا غیر ممکن تھا اسی سے کہنے والے کہتے رہتے ہین کہ فاتحین کا قومی فائدہ مدنظر رکھکر یہ امن قایم کیا گیا ہے محکوم اقوام کو اگرچہ فائدہ ہے مگر حاکم قوم کے مقابلہ مین رعایا کا روز بروز افلاس بھی بڑھتا جاتا ہے یہی سبب ہے کہ ہندوستان کے قومی لیڈر سوراج کے مطالبہ کے واسطے کوشان رہتے ہین اور جیساکہ ہم صدر مین بیان کر آئے ہین اگر باہمی قومی اور مذہبی نزاعات ہندوستان مین رہینگے وہ کبھی اپنے مطالبہ مین کامیاب نہونگے ہمارے واسطے وہی سوراج عظمت ہے جو روسائے عظام کی حکومت مین ہے جہان لاکھون آدمی پرورش پا رہے ہین مگر افسوس ہے کہ بعض ہندو لیڈرون کی تفرقہ پیدا کرنیوالی بجلی انگریزی حکومت مین تو چمکتی رہی تھی اب وہان بھی چمکنا شروع ہوگئی ہے اور ہمیشہ تاریخ کی یہی تکرار رہتی ہے کہ فرقون کے اختلاف کے زمانہ مین خواہ وہ مذہبی پیرایہ مین ہوتا تھا یا قومی و سیاسی پیرایہ مین ہر حالت مین جو زبردست طاقت ہوتی تھی وہ اپنا مطلب نکال ہی لیا کرتی تھی اور یہ واقعہ کہ جب زبردست اور زیردست مین باہمی معاہدات ہوا کرتے تھے تو وہ معاہدات خود ہی اپنی تاریخ کو تبدیل کرتے رہتے تھے یہی ایک مسئلہ استرداد برار کا ہے کہ اسکا دعوے حضور نظام نے فرمایا ہے اور یہ دعوی سیاسی دلائل سے حق بجانب بھی ہے مگر جیساکہ مقدمہ کتاب مین تذکرہ کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زبردست اور زیردست کی تاریخی نیرنگیان کیونکر اور کس طرح نمایان ہوتی رہی ہین اور یہ بھی ثابت ہے کہ

ہمیشہ دنیا زبردست کے اقتدار مین رہتی ہے اور وہی اپنے مفید تاریخی تبدیلی کرتا رہتا ہے اس زمانہ
مین پھر برار کی واپسی کا مطالبہ ہوا ہے جسکی تائید مین اعلیٰ حضرت حضور نظام کی جانب سے ایک
لاجواب مراسلہ شایع کیا گیا ہے ہم اوس مراسلہ کو اپنی کتاب مین شائع نکرتے جسکا ذکر منقولہ مین بھی
کیا ہے مگر اسکی اشاعت اسوجہ سے مناسب ہے کہ ہماری کتاب کے پڑھنے والون کو معلوم ہو جائے
کہ منجملہ اور تاریخی تغیر و تبدل کے ایک برار بھی ہے کہ اوسکی حالت پہلے کیا تھی پھر وہ کس طرح لیا گیا
اب دیکھین کہ اوسکی تاریخی رفتار کی نیرنگیان حق بحقدار کے متعلق کیا ہوتی ہین قبل اسکے کہ وہ مراسلہ
درج کیا جائے ہم اختصار کے ساتھ برار کے تاریخی حالات بھی لکھتے ہین ۱۷۱۷ء مین بعہد فرخ سیر
نواب حسین علی خان بہادر نے اپنے عہد وزارت اور نظامت کے زمانہ مین باضابطہ طور پر چھ
صوبجات دکن کا چوتھ و دیسمکھی مرہٹون کو عطا کیا لیکن ۱۷۲۰ء نظام الملک بہادر نائب السلطنت
نے دکن مین اپنی مستقل خودمختار حکومت قائم کی اور طرفداران سادات کو پے در پے تین معرکون مین
شکست دی صوبیدار برار نے اسوقت نظام الملک کا ساتھ دیا اور اسوقت سے صوبہ برار ہمیشہ
خاندان آصفیہ کے ماتحت حکومت رہا ہے نظام الملک بہادر کے تسلط سے پیشتر ۱۷۰۹ء مین
رگھوجی بھوسلے فوجی افسر مقرر ہوکر چوتھ کے وصول کیلئے مقرر ہوا تھا اور کم وبیش انتزاع دولت مرہٹہ
تک صوبہ برار مین دو عملی رہی یعنی فرمانروا تو نظام تھے اور مکاسہ اور چوتھ کے حقوق وصول کرنے کی غرض
سے مرہٹون کیجانب سے بھوسلون کا عمل تھا اور آمدنی مالگذاری سے تعلقات خالصہ مین پچاس فیصدی اور
تعلقات جاگیر مین ساٹھ فیصدی مرہٹون کا حق مقرر تھا لیکن عہدہ داران وغیرہ کا تقرر گورنمنٹ نظام کیجانب
سے ہوا کرتا تھا۔

یہ صوبہ برار جسکا ذکر کیا گیا ہے سلاطین مغلیہ کے زمانہ مین ایک بڑا صوبہ تھا لیکن اوسکے حدود و تقسیمات
زمانہ کے ساتھ بدلتے رہتے تھے اور اب اس سے مراد وہ چھ ضلع ہین جو بموجب معاہدہ ۱۸۵۳ء و ۱۸۶۰ء انگریزون
کو تنخواہ کنٹنجنٹ کی ادائی مین بطور امانت کے تفویض کئے گئے تھے۔ یہ بیان برار کے گزیٹیر سے خلاصہ طور پر لیا گیا
ہے اس سے پیشتر میر عالم بہادر نے جو تاریخ موسوم بحدیقہ عالم لکھی ہے اوسمین آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ امیر الامراء
بسالت جنگ بہادر نے اپنے زمانہ مین میر نظام علی خان کو صوبہ برار کا گورنر مقرر فرمایا تھا اور اسمعیل میر الامرا
نے میر نظام علی خان کو اپنا ولیعہد کیا تھا و خطاب نظام الملک آصفی و مدار المہام میر نظام علی خان از جانب
امیر الامراء بسالت جنگ عطا ہوا تھا۔

بعد ان حالات کے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اعلحضرت حضور نظام کا متذکرہ بالا مراسلہ جو اعلیٰ

مدبرانہ وشاہانہ قابلیت ولیاقت کے ساتھ تحریر فرمایا گیا ہے جسمین دلائل وبراہین سے اپنے دعوے کو
مدلل کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ حق کسکا تھا وہ انگریزی گورنمنٹ کے پاس کیونکر گیا اور پھر کوئی وجہ نہین ہے کہ
حق جسکا ہے اوسکو واپس نکیا جائے اور یہ بھی ہے کہ ہمنے کسیقدر تذکرہ زبردست یا زیردست کے معاہدون کا
مقدمہ کتاب مین کیا ہے اور یہ بھی ہے کہ اب وہ زمانہ نہین رہا جبکہ بھیڑیا جو زبردست تھا اوسنے بکری سے
کہا کہ کشتی پر خاک کیون اوڑاتی ہے بکری نے یہ جواب دیا کہ آپکو کھانا ہو تو مجھکو کھا لیجیے یہ الزام مجھ پر کیون
رکھتے ہو یہان خاک کہان ہے اور وہ بھی وقت جاتا رہا جس مین چند ڈاکون نے ایک طالب علم
سے کہا تھا کہ تمھارے پاس یہ کیا مال ہے اوسنے کہا کہ یہ کتب ہین ڈاکون نے کہا
کہ ان کتابون کو دیدو اوسنے کہا کہ موجب جہت اور سبب کیا ہے جو مین آپکو کتب حوالہ کردون اسپر
ایک بوڑھے ڈاکو نے اپنے لوگون سے کہا کہ اوسوقت تک یہ کتابین نہ دیگا جبتک کہ صیغہ تعدی پر
عمل نہ کیا جائے اب ڈاکون نے آہنی سلاخ گرم کی اور طالبعلم کے بدن کو داغنا شروع کیا اوسوقت اوسنے
طالبعلم سے کتابین نکالکر حوالہ کردین اسپر ڈاکون نے کہا کہ پہلے جب ہم مانگتے تھے تو تمنے بموجب جہت و سبب کے
لفظ استعمال کئے مگر صیغہ تعدی کا استعمال جب ہمنے کیا تو اوسوقت مجبور ہو کر تمنے وہی کام کیا جو ہماری
خواہش کے مطابق تھا اب ترقی تعلیم کی تاریخ نے زبردست اقوام کو عالمانہ اور مورخانہ ہدایت کر رکھی
ہے جو پہلے زبردست کر گذرے ہین وہ اب زمانہ نہین رہا۔ بلکہ عالمانہ پیرایہ مین عمل کرتے رہتے ہین تاکہ
وہی ذریعہ ونکی پولیٹکل کامیابی کا ہو پس اس زمانہ مین جو معاہدہ ہوتے ہین وہ زیردستون کو مجبور
ہو کر ماننا پڑتے ہین مگر لائڈ جارج نے ایک موقع پر یہ بھی بیان کیا تھا کہ اوس نے جرمنی سے جو معاہدہ
کیا ہے وہ معاہدہ جبریہ ہے ہم اوسکو تسلیم نہین کرتے مگر اونہین کی گورنمنٹ نے جو معاہدات کئے ہین
کیا اونکی تاریخی حالت اور اوس وجرمنی کے معاہدہ کی متحد نہین ہے اگر متحد ہے تو یہ کیونکر صحیح ہو سکتا
ہے کہ جو ہمنے کیا وہ درست ہوا اور جو دوسرے نے مجبور ہو کر عمل کیا اوسکو جبریہ معاہدہ قرار دیکر
اوس سے انکار کیا جائے درحقیقت معاہدہ زبردست یا زیردست کی تاریخی حالت اور غالب ومغلوب
اقوام کے معاہدات کی تاریخ دو مری ہو جایا کرتی ہے۔ ایک وہ معاہدہ ہے جو برابر اور ہم درجہ حکومتون
مین ہوا کرتا ہے اور جب انمین جنگ ہو پڑتی ہے تو جسکو شکست ملجاتی ہے اوسکو مجبور ہو کر فتحیاب جو
کہتا ہے اوسکو قبول کرنا پڑتا ہے مگر جب یہ شکست یاب کسی زمانہ مین اوس فتحیاب کو نیچا دکھا دیتا
ہے تو یہ جو چاہتا ہے اوس سے قبول کرا دیتا ہے جرمنی و فرانس کی سابقہ جنگ مین جو معاہدہ ہوا
تھا وہ حال کی جنگ مین کہان باقی رہا تھا اب مغلوب غلبہ پاکر جرمنی ملک مین داخل ہوا اور جرمنی کو

بہ مجبوری جو فتح یاب اقوام نے چاہا اونہین کی خواہش کے مطابق سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ مگر برار کی معاہدات کی تاریخ
تو اسکے بالکل خلاف ہے گورنمنٹ نظام کی رفتار تو ہمیشہ خیرخواہانہ رہی غدر ۱۸۵۷ء کے پُر آشوب زمانہ مین بھی
اور حال کی جنگ عظیم مین لکھوکھا روپیہ کی امداد کے علاوہ فوج بھی دیگئی تھی باوجود ان تمام وفاداریون اور
خیرسگالیون کے جب برار کے استرداد کا مطالبہ کیا گیا اور اوسکے متعلق جو عہدنامجات ہوے ہین وہ کسطرح جبر
ہوے اسکو بھی اپنے استحقاق کے ساتھ ظاہر کر دیا ہے تاہم گورنمنٹ آصفیہ کے مفید ابھی تک کوئی نتیجہ پیدا
نہین ہوا ہے اور یہ جو لکھا گیا ہے کہ حضور نظام کا مراسلہ لاجواب ہوا اسکے لاجواب ہونے مین کوئی شک
نہین ہے۔ اسواسطے کہ جن معاہدات کا اوسمین ذکر ہے وہ ہرگز سازشون اور دھمکیون کی آلایش سے پاک
نہین ہین کیا یہ دھمکی نہ تھی جو اوسوقت دیگئی تھی جبکہ حضور نواب ناصر الدولہ بہادر بالقابہ اور کرنل جابلو صاحب
کے دربار سے سوال وجواب مین یہ بھی ظاہر کر دیا گیا تھا کہ اگر معاہدہ کی تکمیل کرنے مین یونہی حیلہ وحوالہ رہینگے
تو پونہ مین برٹش فوج موجود ہے اوسکو بلا لیا جائیگا اور پھر یہ بھی ہوا تھا اونہین درباروں مین جبکہ
رزیڈنٹ صاحب نے یہ کہا کہ خیر ہمنے مانا کہ اگر ہمکو ملک دوام کیواسطے عنایت نہ سہی بطور تعلقہ کے سپرد ہو
لیکن اس تقدیر مین چالیس لاکھ کا ملک تجویز پایا ہے اس صورت مین بقایا کے عوض سود بھی لیا جائیگا
اور سالانہ مہبت رام اور آباد لیبائی کا اور چوتہ وغیرہ بھی موقوف ہوگی اور اسکا حساب وکتاب کلام اللہ
داخل خزانہ سرکار کیا کرینگے اور بعد آبادی ملک جو رقم فرایش ہوگی موافق حساب کے داخل خزانہ سرکار
ہوا کریگی اس پر خدیو دولت نے فرمایا کہ ملک بطور تعلقہ کے سپرد کرنا یا دوام کے لیے دینا دونون برابر ہین
(یہ بھی فقرہ جامع اور مانع) فرمایا کہ تم سے حساب وکتاب کیا دیکھنا اور کیا لینا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ہمارے
اور تمھارے تعلق ہوکر ابھی سو برس کا عرصہ نہین گذرا ہے ہم چاہتے ہین کہ اسقدر تو آرام سے رہین اسپر
رزیڈنٹ نے کہا کہ ہم چاہتے ہین کہ آپ ہمیشہ آرام سے رہین کبھی آپسے کسی قسم کا تقاضا نہ رکھین

یہ تمام سوال وجواب تاریخ رشید الدین خان سے نقل کرکے اور طول طویل مضامین لکھکر جسمین برار کی
تاریخی حالات درج ہین ہمنے اخبار "ہمدم" مین چھپوا دیئے تھے اور اب اس کتاب مین بضمن معاہدات یہ بھی
لکھتے ہین کہ خود بہ نفس نفیس حضور ممدوح الشان نے اپنے مراسلہ مین ان معاہدات کی نوعیت کو ظاہر فرمایا
ہے خاصکر اوس گفتگو کا بھی حال لکھا ہے جو درمیان لارڈ کرزن اسوقت ہوئی تھی جبکہ پٹہ استمراری کی بات درمیان
مین آئی تھی اس پٹہ کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ یہ عہدنامہ مثل اون عہدناموں کے ہرگز نہین ہے جو
زمانہ سابق مین سرکار عظمت مدار اور سرکار دولتمدار مین ہو چکے ہین بلکہ ایک اگریمنٹ اقرار یا نامچہ ہے جسمین
یہ بھی ذکر نہین ہے کہ اسکی پابندی بادشاہ وقت کا جانشین بھی کریگا اور نہ بادشاہ وقت کی مہر ہے اور نہ

دستخط اسکے ساتھ ہے یہ امر کب لائق تسلیم ہے کہ معاہدے تو اعلیٰ طاقت دنیا مین جس قوم کو حاصل ہوئی ہے اسنے اپنے زبردست محکوم سے یون ہی کر دیئے ہین یہانتک کہ شاہجہان اور عالمگیر وغیرہ نے کبھی اس سطرح کے معاہدہ کرانے سے درگذر ہین کی مگر وہ تکمیل معاہدات بجبر کرا لیتے تھے یہ نہ کرتے تھے کہ معاہدے تو یون کرائین اور پھر کہدین کہ کچھ جبر نہین کیا بلکہ زبردست نے بطیب خاطر قبول کیا تھا جیسا کہ لارڈ کرزن نے حضور نظام سے برار کا استمراری پٹہ لیا اور جب پارلیمنٹ مین سوال ہوا تو جواب یہ دیدیا گیا کہ حضور نظام نے بخوشی لکھدیا ہے۔

حالانکہ ایسا نہ تھا بلکہ یہ تھا جسکو حضور نظام نے اپنے مراسلہ مین لکھدیا ہے۔ اور وہ مراسلہ درج ذیل ہے :-

مکتوب ملوکانہ دربارہ استرداد برار مورخہ ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء بنام لارڈ ریڈنگ ویلسرے وگورنر جنرل بہادر ہندکنگ کوٹھی۔

مائی ڈیر لارڈ ریڈنگ آپ آگاہ ہین کہ صوبہ برار جو میرے ممالک محروسہ کا ایک جزو لاینفک ہے، بعض شرائط پر ۱۰۔ دسمبر ۱۹۰۲ء کے ایک معاہدہ کے ذریعہ حکومت برطانیہ کو دوامی پٹہ پر دیدیا گیا تھا۔ یہ اس ملاقات کا نتیجہ تھا جو لارڈ کرزن وائسرائے ہند، اور میرے والد مرحوم میر محبوبعلیخان کے مابین حیدرآباد مین اسی سال ۳۰۔ مارچ کو واقع ہوئی تھی۔

۲۔ ۱۹۱۱ء مین میرے اپنے آبائی تخت پر بیٹھنے کے بعد مین نے ان حالات کی بہت غور و خوض سے جانچ پڑتال کی جن کے تحت یہ معاہدہ منعقد ہوا تھا۔ اگر ۱۹۱۴ء مین جنگ عظیم کا آغاز نہ ہو جاتا، تو مین اس سے بہت ہی قبل معاہدۂ مذکورہ کے غور مکرر کی درخواست کرتا۔ لیکن حکومت برطانیہ کے ایک حلیف کی حیثیت سے مین نے اس کو اپنا فرض خیال کیا کہ مملکت کی ساری تو مین جنگ مین لگا دون اور ایسے زمانہ مین اس سیاسی مسئلہ کو اٹھانے سے باز رہون جب کہ ایمپائر ایک رزم حیات و ممات کی صعوبتون مین پھنسی ہوئی ہے اور مقابلہ پر ایک زبردست دشمن ہے۔ تاہم میرا ارادہ تھا کہ اختتام جنگ پر اس کے متعلق کارروائی کرون۔ لیکن برطانوی ہند مین سیاسی خمیر بے چینی ایسی شدید ہو گئی کہ ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۲۲ء کے آخر مہینون تک مجھے پھر بحالت انتظار رہنا پڑا تا کہ حکومت ہند کو اس کی وجہ سے جو مزید پریشانی لاحق ہو گئی اس کو اس سے بچا لون۔ خوش قسمتی سے فتح نصیب برطانوی شہنشاہیت اثرات جنگ سے اب جلد جلد صحت پذیر ہو رہی ہے اور یور اکسلنسی کی حکومت برطانوی ہند مین ایک پرسکون فضا کے بحال کرنے مین کامیاب ہو چکی ہے۔ اندرین حالات مجھ کو اب اس مکتوب کے آپ کے نام اس کامل اعتماد کے ساتھ ارسال کرنے مین کوئی اشتباہ نہین معلوم

ہوتا کہ برطانوی حکومت کے یار وفادار کے دعادی کو وائسرائے ہند اور برطانوی حکومت کے ہاتھوں وہ ہمدردانہ توجہ مل جائے گی جس کا مقدمہ ہذا کی نصفت طلبی اور فریقین کے تعلقات باہمی مطالبہ کرتے ہیں۔

ف ۳ میرے آبا و اجداد کے ہاتھوں سے نکلکر کس طرح برار حکومت برطانیہ کے قبضہ میں گیا اس کا اظہار اُس تحریری دعوی میں کیا گیا ہے جس کو میں ایک یادداشت کی صورت میں اس کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں جو متعلقہ واقعات معاہدات اور دیگر دستاویزات کی مکمل تاریخی مساحت پر مشتمل ہے۔ یور ایکسلنسی دیکھیں گے کہ ۱۷۶۶ء میں میرے ممالک محروسہ کے شرقی اضلاع موسومہ "شمالی سرکار" کو میرے آبا و اجداد میں سے ایک نے حکومت برطانیہ کو دو دما اندرونی امن و امان میں برطانوی افواج کی اعانت کے حق کے عوض میں دیدیا تھا لارڈ کارنوالس نے مادی فوجی امداد کے فراہم کرنے کے معاہدہ کی مزید ضمانت بھی دی تھی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ذمہ داری لی تھی کہ "جب کبھی یور ہائینس درخواست فرمائیں گے۔ فوجی امداد دی جایئگی اور بلا کسی قید کے الا اینکہ "اس کو کسی ایسی طاقت کے خلاف نہ استعمال کیا جائے جو کمپنی سے اتحاد رکھتی ہو۔"

ف ۴ ۱۷۹۸ء میں فوجی امداد ۶۰۰۰ سپاہیوں کی "اعانتی فوج" تک بڑھا دی گئی۔ اور اس کی متناسب تعداد میدانی توپوں کی تھی جو نظام کی خدمت کے لیئے ممالک محروسہ حیدرآباد میں رکھی گئی تھیں اور اعلان کیا گیا تھا کہ اس روز سے جس روز کہ سرحدات کو عبور کر لیں نظام کے تنخواہ یاب متصور ہوں گے۔ امن و امان داخلی کے تحفظ کی نسبت معاہدہ کی دفعہ پنجم میں ہے کہ:-

"مذکورہ بالا اعانتی فوج ہر وقت اہم خدمات کی انجام دہی کے لیئے تیار رہے گی، مثلاً ہز ہائینس ان کے ورثا اور جانشینوں کی نسلاً بعد نسل ذاتی حفاظت اور اس سلطنت کے ممالک محروسہ میں باغیوں اور فساد برپا کرنے والوں کی گوشمالی، لیکن معمولی موقعوں پر اس سے کام نہ لیا جا سکیگا اور نہ "سربندی" کی طرح ان کو اضلاع پر رکھکر تحصیل مداخل کا کام لیا جا سکیگا۔"

"نظام وقت نے یہ اقرار فرمایا تھا کہ ۲۴ لاکھ ۱۷ ہزار ایکسو روپیہ سالانہ اس "اعانتی فوج" کے اخراجات کے لئے دیا کریں گے۔"

ف ۵ اس کے بعد ۱۸۰۰ء میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے اضلاع بلاری وکڑپا کو جن کی سالانہ آمدنی ۶۳ لاکھ روپیہ قرار دی گئی تھی نظام نے برطانوی حکومت کو ۲۴ لاکھ ۱۷ ہزار ایکسو روپیہ سالانہ امداد کے عوض دیدئے تاکہ بعد "اعانتی افواج" ریاست حیدرآباد کے ہر قسم کے داخلی و خارجی امن و سکون پر حملوں کے خلاف اس کے تحفظ کی ذمہ دار ہو گئی اور اس کا یہ بھی فریضہ ہو گیا کہ "نظام کی رعایا

یا ان کے ماتحتین "کو جو بغاوت یا شورش" پیدا کریں یا سرکار کے ان عادلانہ دعاوی کی ادائیگی سے انکار کریں جو ان کے ذمہ واجب الادا ہوں "عظمت یا کسی اور چیز کا حیلہ کئے بغیر تادیب کرے"

ف ۶ سنہ ۱۷۹۸ء اور سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدات کا جن کے منعقد کرنے والے ارل آف مانٹنگٹن تھے (جو بعد میں چلکر مارکوئس آف ولزلی ہوئے) یہ نتیجہ نکلا کہ نظام کو ایک طرف تو بلاری و کڑپا کو ان کا حوالہ کر دینا پڑا اور ریمانڈ اور دیگر فرانسیسی افسروں کے تحت جو فوجی کور تیار کئے گئے تھے انہیں نکال دینا پڑا اور دوسری طرف معاہدہ سنہ ۱۸۰۰ء کی "۱۵ویں دفعہ کے بموجب یہ عہد کرنا پڑا کہ:-

"اگر آئندہ شولاپور یا گدوال کے زمیندار ہزہائینس کی حکومت کی کوئی اور رعایا یا ماتحتین اپنے ذمہ کے سرکاری منصفانہ دعوے کی ادائیگی سے باز رہیں یا بغاوت و شورش پیدا کریں تو امدادی فوج یا اس کا وہ حصہ جس کی ضرورت ہو حقیقت جرم کی خوب تحقیقات کے بعد ہزہائینس کی افواج خاص کی معیت میں ایسے سارے خاطیوں کو اطاعت پر مجبور کر دیگا"

ف ۷ یور اکسلنسی دیکھیں گے کہ ان دونوں معاہدات منحصرہ یکدیگر نے جو ذمہ داریاں پیدا کر دی ہیں ان امور طے شدہ نے ان میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہنے دی ہے، اور یہ کہ داخلی فسادات اور خارجی اقدام کے مقابلہ میں نظام کو فوجی امداد کے حصول کا حق ناقابل حجت طور پر حاصل ہے لیکن اس کے صرف گیارہ ماہ بعد ہی جبکہ زمیندار شولاپور نے نظام کو واجب الادا خراج کی ادائیگی سے انکار کر دیا اور گستاخیاں و سرکشیاں کیں چھ مہینوں تک "امانتی فوج" کے حصے کی خدمات کے پیش کرنے کی شرط نہیں پوری کی گئی۔ اور یہ محض بعض ان دیگر شرائط کی تکمیل کے بعد پوری کی گئی جن کا ان معاہدات میں کہیں ذکر نہیں تھا جس کی وجہ سے ماتحتین پر نظام کے اقتدار کی قوت کو بڑا ضرر پہنچا۔

ف ۸ "امانتی فوج" کی خدمات کاملہ سے جو معاہدے کے ذریعہ حاصل کی گئی تھیں انکار کے بعد سنہ ۱۸۰۴ء میں گورنر جنرل نے یہ اصرار شروع کر دیا کہ نظام اپنے مداخل سے سوار و صلہ داروں کی ایک فوج تیار کریں جو دراصل وہی خدمت انجام دے جو امانتی فوج شرائط معاہدہ کے تحت انجام دیتی، اور جس کے مد نظر اضلاع بلاری و کڑپا محض کچھ ہی قبل دیدیے گئے تھے۔ اولاً تو نظام نے اس تجویز کی مقاومت کی لیکن ان کے حقوق معاہدہ سے صاف صاف انکار اور "امانتی فوج" کی امداد سے ابا جس کے وہ مستحق تھے دیگر اسباب بے بسی کے ساتھ ملکر ایک نئی فوج کی تنظیم کی جانب رہبری کی جو حیدرآباد کنٹنجنٹ کے نام سے موسوم ہوئی اور اس کے اخراجات نظام کو برداشت کرنے پڑے اس عہد کے کاغذات سے ظاہر ہوگا کہ ابتدا میں کنٹنجنٹ "امانتی فوج" کو زحمت و مشقت سے بچانے" اور سرکش زمینداروں کو اطاعت کیشی پر مجبور کرنے" کی غرض سے قائم کی گئی تھی یہ وہی طریقہ ہے

جس کا انھیں الفاظ مین سنہ ء کے معاہدہ کی ۷ وین دفعہ مین "اعانتی فوج" کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح سنہ ء کے معاہدہ کی رو سے نظام کو جن خدمات کے حاصل کرنے کا حق پیدا ہو گیا تھا ان کے لیے وہ دوہرے گران اخراجات ادا کرتے رہے۔ نیز یہ بات افسوس کے ساتھ نوٹ کی جاتی ہے کہ اگرچہ کنٹنجنٹ اس لیئے تیار کی گئی کہ نظام کو داخلی اغراض کے لیئے فوجی امداد حاصل رہے اور ان کے اخراجات نظام کے خزانہ پر ایک بار عظیم تھے، اس پر بھی جب کہ نظام کے مفاد نے ان کے استعمال کا مطالبہ کیا ان کی خدمات کے دینے سے بارہا انکار کر دیا گیا۔

۹ کنٹنجنٹ کا ظہور ایسے وقت مین ہوا تھا جب کہ نظام کو اپنے ملک کے نظم و نسق مین کوئی اختیار حاصل نہ تھا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نئی فوج کو بھی برطانوی نگرانی مین رکھا گیا اور سالانہ ۴۰ لاکھ روپیے اس کے خزانہ سے قیام کے لیئے نظام کے مداخل سے ادا ہوتا رہا۔ نظام کی تاریخ کا یہ عہد ہندوستان کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ یکے بعد دیگرے بے وفا غدار لوگ مدار المہام ہوتے گئے اور اس موضوع کے متعلقہ دستاویزات کی قرأت مجھے یقین ہے، یور اکسلنسی کو یقین دلا دیگی کہ کنٹنجنٹ کو نظام کی آزادانہ مرضی کے خلاف تیار کیا گیا نہ یہ کہین ظاہر ہے نہ کوئی ایسا مفہوم پیدا ہوتا ہے اس امر کی برطانوی شہادت بہ کثرت موجود ہے کہ سب سے زیادہ غدار مدار المہام چندو لال نے محض اپنے ذاتی اغراض کے لیئے تشکیل کنٹنجنٹ پر رضامندی ظاہر کر دی تھی اور جس نے مداخل برسے بعض اضلاع کو اس نئی فوج کے ایک حصہ کے اخراجات کی ادائیگی کے لیئے دیدیا وہ بھی یہی تھا۔ لارڈ میٹکاف نے ایک یادداشت مورخہ ۱۶- مارچ سنہ ۱۸۲۳ء مین کنٹنجنٹ فوج کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ دراصل راجہ چندو لال کا اور ہمارا ایک مشترکہ معاملہ ہے۔ سر الفیٹ کری نے جو لارڈ ڈلہوزی کی حکومت کے ایک رکن تھے اپنی یادداشت مورخہ ۱۳- اپریل سنہ ۱۸۵۳ء مین بھی نہایت سچی بات لکھی ہے کہ "کنٹنجنٹ مسٹر رسل ریذیڈنٹ اور اس وقت کے مدار المہام چندو لال کی چال معلوم ہوتی ہے" اور اس نے یہ بھی لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کنٹنجنٹ کے لئے حکومت ہند یا نظام کی کوئی منظوری نہین لی گئی۔

۱۰ مدار المہام کی حیثیت سے چندو لال کا سارا دور کار فرمائی اپنے ملک کے مفاد کی ضمیر فروشانہ قربانی، ریاست کے مالیہ کی اندھا دھند بربادی اور اپنے شخصی اقتدار کے قیام کے لیے ریاست کے ذرائع کے بے دغل و غش اسراف کی دستاویز ہے۔ کنٹنجنٹ پر نہایت مسرفانہ اخراجات ہوئے اور یہ سارا انتظام اس طرح ہوا کہ نظام کے ذرائع پر جو زبردست بار عائد ہو رہا تھا اس کا بالکل خیال نہین کیا گیا۔ مدار المہام کی حیثیت سے چندو لال ریذیڈنٹ۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا کاملًا غلام بنا رہا۔

۱۱ حالات۔ فوق الذکر سنہ ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کا باعث ہوئے جس کی رو سے اضلاع برار مخصوص شرائط

وحالات کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کنٹنجنٹ کی ارضی ضمانت کے طور پر حوالے کر دیے گئے۔ اب یہ فوج پچاس برس تک رہی اور ۴۳ لاکھ روپیے کلدار کا نظام سے کمپنی نے مطالبہ کیا۔ لیکن یہاں یہ اہم بات قابل ذکر ہے کہ کوئی رقم مجرا نہیں دیگئی نہ شہر سکندرآباد میں نظام کی رعایا سے جو محاصل وصول کیے جاتے تھے ان کے متعلقہ آبکاری رقومات مجرا دی گئیں۔ اور نہ برطانوی حکومت نے ایک طویل عرصہ تک بالتحقیق ۸۱ برس تک جو اعانتی فوج کو بہت ہی کم تعداد میں رکھتا تھا اس کی بچت مجرا لی۔ تقریباً ایک لاکھ روپیے سالانہ کی آبکاری کی آمدنی اس وقت کی حکومت ہند (بلا استحقاق) وصول کرتی رہی۔ اگر اس ضبطی محاصل کو تسلیم کر لیا جاتا اور یہ رقومات واپس ملتیں تو اس سے حکومت ہند پر نظام کی ۴۱ لاکھ کی رقم بغیر شمول سود کے نکلتی اور اسطرح نہایت ہی سرفانہ ونا محمود اساس پر کنٹنجنٹ کے قیام کے اخراجات کا بقایا بالکل ادا ہو جاتا۔ علی ہذا کم از کم تقریباً ۳۰ سال سے زیادہ عرصہ تک اعانتی فوج کی قوت اس تعداد سے جو از روے معاہدہ ہونی چاہیے تھی ۵ فیصدی کم رہی جس کیلئے اکڑپا اور کرنول کی دوامی تحویل سے پیشگی اخراجات ادا کر دیے گئے تھے۔

ف ۱۲ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کنٹنجنٹ کے قیام کے لئے نظام پر حکومت ہند کی کوئی رقم واجب الادا نہ تھی اور ۴۲ لاکھ روپیے کا دعوی بلا کسی مادی بنیاد کے تھا۔

با این ہمہ اس دعوے نے ۱۸۵۳ء کا معاہدہ زبردستی نظام کے گلے منڈھ دیا۔ ۱۸۶۰ء کے ریزیڈنٹ کرنل ڈیویڈسن کی شہادت کے معائنہ سے جو ۱۸۵۳ء کے معاملے کے عینی شاہد تھے یور اکسلنسی اس بات کو اچھی طرح سمجھ جائیں گے۔ ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۶۰ء کو لکھتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ "قرض کو نظام نے ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کے ذریعہ جبر کے تحت تسلیم کر لیا اور اس کو انہوں نے کبھی اپنے ذمہ واجبی طور پر قابل ادائی نہیں تصور کیا" نیز انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی رائے میں "اگر مالی مطالبات پر غیر جنبہ دارانہ نظر ڈالی جائے تو پھر اس موجودہ قرض کے لیے نظام پر ہمارا کوئی منصفانہ دعوے نہیں ہے"

ف ۱۳ جس دباؤ کا اشارہ کرنل ڈیویڈسن نے کیا ہے وہ یہ تھا کہ فی الفور فوجی قبضہ کی دھمکی دی گئی تھی اولین تجویز یہ تھی کہ اس علاقہ کو ہمیشہ کے لئے دیدیا جائے۔ نظام نے اس سے انکار کر دیا۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ دواماً حوالہ کر دیا جائے البتہ برائے نام اس علاقہ پر نظام کی شاہی تسلیم کی جائے انہوں (نظام) نے اس سے بھی انکار کر دیا پچاس دنوں تک وہ نہیں (نظام کو) مجبور کیا گیا۔ لیکن انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا تو پھر تیسری یہ تجویز پیش کی گئی کہ یہ علاقہ برطانوی حکومت کو "محض اس عرصہ تک کے لئے کنٹنجنٹ کے قیام کے لیئے دیا جائے جب تک کے نظام اس فوج کی ضرورت محسوس کریں" الزامات لگائے گئے اور دھمکیاں دی گئیں لیکن اور پندرہ روز تک نظام متزلزل رہے۔ اس کے بعد میجر ڈیویڈسن (جو بعد میں کرنل ہوئے)

اسسٹنٹ ریزیڈنٹ کا ایک خط نظام کے مدار المہام کے نام آیا جس کی جابرانہ سپرٹ کا حال ذیل کے اقتباس سے واضح ہوگا:-

"مین باور کرتا ہون کہ ریزیڈنٹ کو آج شام آپ کی حضوری درکار ہے تاکہ آپ کو اطلاع دین کہ نظام سے ان کی گفت و شنید ختم ہو چکی ہے اور وہ آج کی ڈاک سے گورنر جنرل سے درخواست کرینگے کہ افواج کو حرکت دین ...... سچ یہ ہے کہ مجھے اپنے بھتیجے کا ایک خط [illegible] ملا ہے جو پونا مین رہتا ہے اس مین درج ہے کہ وہ مین ہائی لینڈرز اور ۷۸ رجمنٹ ایچ ایم افواج کو حیدرآباد پیشقدمی کے لیے تیار رہنے کے احکام مل گئے ہین یہ نہ سمجھو کہ فوجی کارروائی صرف اضلاع تک محدود رہیگی۔ اور اگر آپ ہز ہائینس کے دوست ہین تو ان سے درخواست کیجیے کہ اپنے آپ کو اور اپنے وقار کو اس امر کو قبول کرکے بچالین جس کے قبول کرنے پر گورنر جنرل یقیناً انہین مجبور کرینگے"

اس خط کے وصول ہونے کے دوسرے روز مدار المہام نے ریزیڈنٹ کو لکھا کہ آخر کار نظام اس معاہدہ پر رضامند ہوگئے ہین۔ اس پر تنقید لاحاصل ہے اب اس امر کا تصفیہ یور اکسلنسی پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ یہ منظوری رضامندی سے تھی یا جبر کے تحت دی گئی تھی"

ف ۱۲ منسلکہ یادداشت مین تفصیلاً وضاحت کے ساتھ اس انتہائی بنیاد کا حال درج ہے جس پر ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی گفت و شنید ختم ہوئی۔ کرنل لو نے (جو بعد مین جنرل سرجان) ہوئے جو اس وقت ریزیڈنٹ تھے نظام سے تحکمانہ اعلان کیا کہ "اگر ہز ہائینس کی خواہش ہے تو کنٹنجنٹ کے قیام کے لیے جب تک اس کی ضرورت محسوس ہو اسی وقت تک کے لیے یہ اضلاع حوالے کیے جاسکتے ہین" اس موضوع کے متعلقہ مشلہ و کاغذات کا سرسری مطالعہ مجھے یقین ہے کہ یور اکسلنسی کو اس بات کا یقین دلادیگا کہ نظام دوامی حوالگی کے تصفیہ کی تجویز کو شدت سے ناپسند کرتے تھے، اور یہ کہ انھون نے ۱۸۵۳ء کے معاہدہ پر اس بے داغ افہام کے ساتھ دستخط کیے تھے کہ انتقال قبضہ برار ایک غرض خاص کے لیے تفویض اعتمادی ہے جو محض اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اس مقصد کے قیام کی ضرورت داعی ہے"

ف ۱۳ نظام کا یہ پہلے سے مسلمہ موروثی حق کہ جب جی چاہے کنٹنجنٹ کو توڑ دین اور جو معاہدہ کی کسی دفعہ کا پابند نہ تھا ۱۸۵۳ء کے معاہدہ سے غیر مشتبہ ہے یا ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے مابین کا غذات مین ۹ ایسے مختلف موقعے پائے جاتے ہین جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظام نے متواتر اپنے آپ کو مفوضہ اضلاع برار کے استرداد کا مستحق قرار دیا ہے۔ اس کے بعد ۱۸۶۰ء کا معاہدہ قرار پایا جو معاہدہ ترمیم ہے اور اس سے ریاست حیدرآباد کو دوان اضلاع سے) متعاقب اور کامل استرداد کے دعاوی نیز جنھین میرے جد بزرگوار نظام افضل الدولہ نواب آصف جاہ

اس درجہ عزیز رکھتے تھے نہ ضرر پہنچ سکتا ہے اور نہ ان کا دائرہ تنگ کیا جا سکتا ہے۔ برخلاف ہین اس معاہدہ کی دفعہ ششم مین ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کے تحت مفوضہ کا صاف صاف اسطرح حوالہ دیا گیا ہے کہ:-

حیدرآباد کنٹنجنٹ کی افواج کے ادائے اخراجات کے لئے حکومت برطانیہ کے پاس امانت ہے اور دیگر چھوٹے چھوٹے اخراجات کے لئے بھی۔ حکومت ہند کی ۵۔ ستمبر ۱۸۶۰ء کی اس کارروائی کا یہ نتیجہ تھا جس کی رو سے ریزیڈنٹ کو سرکاری طور پر مجاز گردانا گیا تھا کہ نظام کو لکھے کہ "ان کے ممالک محروسہ کے اس حصہ کی علیحدگی محض عارضی ہے اور ایک خاص غرض کے لئے جو خاص کر ریاست حیدرآباد کی سلامتی اور اس کی سرحدات کے اندر امن و امان کے تحفظ کی مؤید و حامی ہے" اور یہ کہ جب کبھی اضلاع زیر بحث نظام کو واپس کئے جائینگے ہز ہائینس آئندہ ان منافع سے استفادہ کرتے رہین گے جو اس اصلاح و ترقی سے پیدا ہون جس کا ظہور برطانوی عہدہ دارون کے انتظام کے تحت ہوا ہو۔

ف ۱۶ اس تاریخی صراحت سے یہ بات صاف عیان ہے کہ ان حالات سے جن کے تحت ۱۸۵۳ء و ۱۸۶۰ء کے معاہدات منعقد ہوئے اس نظریہ کی تائید مین کوئی ٹھیک نتیجہ نہین مستخرج ہو سکتا کہ نظام یا حکومت ہند نے کبھی اس کا خیال کیا یا کسی زمانہ مستقبلہ مین کنٹنجنٹ کے توڑنے کے حق کو ساقط کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہو۔ میرے خیال مین یور اکسلنسی ایک اعلیٰ پایہ کے حاکم عدالت و قانون پیشہ کی حیثیت سے میرے اس خیال سے متفق ہون گے کہ میرے آبا و اجداد نے میرے جد والا نظام افضل الدولہ کے عہد حکمرانی تک کسی ایسے تصفیہ پر رضامندی نہیں ظاہر کی جس سے انکے اس حق پر ذرا بھی شبہ گذر سکے کہ وہ اپنے خانوادہ کو براڑ کے مسترد کرانے مین اپنے اختیار تمیزی کو ہر اس وقت کام میں لا سکین گے جب کہ سارے دیون کا تصفیہ ہو جائے اور ان کے نزدیک قیام کنٹنجنٹ کی ضرورت باقی نہ رہے۔

ف ۱۷ میرے دادا نظام افضل الدولہ نے ۱۸۶۹ء مین انتقال فرمایا اور آپ کی جگہ میرے والد نظام محبوب علیخان تخت نشین ہوئے جو تخت نشینی کے وقت محض ایک طفل سہ سالہ تھے فرمانروا کی نقلی کی وجہ سے سر سالار جنگ نائب اور امیر کبیر شریک نائب مقرر ہوئے ۱۸۶۷ء مین ان نائب السلطنت مدار المہامون نے حکومت ہند کے آگے یہ تجویز پیش کی کہ ۱۸۵۳ء کے معاہدہ مین جن اغراض و مقاصد کا ذکر ہے انہیں کی بنیاد پر کنٹنجنٹ فوج کے قیام کے اخراجات کے لیے ایک نقد رقم ریاست حیدرآباد سے لیجایا کرے اور اضلاع مفوضہ نظام کے نظم و نسق اور حکومت کو مسترد کر دئے جائین۔ اس تجویز سے انکار کر دیا گیا۔ انکار کی بنیادون مین ایک یہ بھی تھی کہ اس نوعیت کے مسائل پر بحث و تمحیص وقت طلب ہے جب کہ خود نظام جن کی جانب سے یہ مسائل اٹھائے جا رہے ہین نابالغ ہین "

ف ۱۸ سنہ ۱۸۸۴ء میں کامل اختیارات حکومت میرے والد کے ہاتھوں میں آئے جب کہ وہ ۱۸ سال کی عمر کو پہنچے سنہ ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن نے جو اس وقت والسرائے تھے مسئلہ برار کو اپنی جانب سے اٹھایا اس کے بعد جو معاملات ہوئے ان کی میں جس قدر زیادہ جانچ کرتا ہوں اتنا ہی ان کے ناروا ہونے کا مجھے یقین ہوتا جاتا ہے۔ میرے والد بھی تفویض دوامی کی تجویز سے اس سے کم متنفر نہ تھے جتنے کہ ان کے آباؤ اجداد تھے۔ حکومت ہند کے پیام و سلام مجوزات کی صورت میں کرنل بار (جو بعد میں سر ڈیوڈ بار ہوئے) ریزیڈنٹ حیدرآباد وقت کے توسط سے میرے والد کو تقریباً ختم جنوری سنہ ۱۹۰۲ء سے پہنچنے شروع ہوئے اس کے آٹھ ہفتوں کے اندر ہی حیدرآباد میں لارڈ کرزن کا تاریخی ورود ہوا جس کا انجام یہ ہوا کہ برطانوی حکومت کو اضلاع برار دوامی پٹہ پر مل گئے۔

ف ۱۹ یادداشت منسلکہ سے ظاہر ہوگا کہ میرے والد دوامی پٹہ کی تجویز کو کس درجہ ناپسند فرماتے تھے۔ کس طرح برابر آپ ریزیڈنٹ کے پیام و سلام کی مقاومت کرتے رہے اور کس شد و مد کے ساتھ آپ کی مجلس مدار۔ خاصکر اسی معاملہ میں غور و خوض کرنے کے لیئے منعقد ہوئی تھی اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔ بلا شبہ اس مجلس نے ایک خط کا مسودہ تیار کیا تھا جو نظام کی جانب سے وائسرائے کو بھیجا جانے والا تھا اور اس میں ہز ہائینس کو مشورہ دیا گیا تھا کہ اس خط کو خود اس ربع کی گفتگو میں وائسرائے کو دیں جو وائسرائے کے حیدرآباد آنے پر ریزیڈنسی میں ہونے والی تھی۔ میری نظر میں یہ خط ایک داستان اندوہ و الم ہے نہ صرف اس لیئے کہ اس کی عبارت ایسی درد آمیز ہے بلکہ اس لئے کہ یہ ملاقات ایسی اچانک ہوئی کہ میرے والد اس خط کو وائسرائے کے ہاتھوں تک نہ پہنچا سکے۔ یہ خط جو ۳۰ مارچ سنہ ۱۹۰۲ء کا لکھا ہوا ہے حسب ذیل ہے:

یور اکسلنسی

میں نہیں چاہتا کہ استرداد برار کے متعلق اپنے حق کے قدیم جھگڑے میں قدم رکھوں یا اس کے متعلقہ معاہدات و دیگر رسمی سمجھوتوں کے مفہوم و مقصد کی بحث کو تازہ کروں میں اعتماد کے ساتھ ان معاملات کو یور اکسلنسی کے کرم فرما لطف آمیز غور و نظر پہ چھوڑتا ہوں۔ میں محض آپ کے توسط سے ملک معظم سے اپیل کروں گا کہ الطاف و عنایات کی ایک خاص علامت کے طور پر برار مسترد کر دیں اور میں آپ سے اتنی اجازت پانے کی درخواست کرتا ہوں کہ کہوں کہ یور لارڈشپ اس معاملہ میں میری وکالت فرمائیں مجھے اس بات کا کامل یقین ہے اور میں پورا پورا بھروسہ رکھتا ہوں کہ میری یہ اپیل ملک معظم کی تاج پوشی کے مبارک موقعے پر بیکار نہ جائے گی۔

(میں ہوں یور اکسلنسی کا مخلص دوست)

ف ۲۰ منسلکہ یادداشت کے مندرجہ مکمل حالات ملاقات سے یہ بات بالکل صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ وائسرائے نے اس بیان کے لیے نظام کی حوصلہ افزائی نہیں کی کہ ہزاکسلنسی ملک معظم کے آگے ہزہائینس کی وکالت فرمائیں گے۔ اگرچہ ریزیڈنٹ کرنل مار وائسرائے کے ہمراہ تھے لیکن اس غایت درجہ اہم مسئلہ کی بحث کے دوران میں بدبختی سے میرے والد مرحوم کو اپنے مدارالمہام یا ریاست کے کسی اعلیٰ عہدہ دار کی اعانت حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ وائسرائے اور نظام کی یادداشتیں جن میں اس ملاقات کا حال علیحدہ علیحدہ درج ہے دونوں کی دلی کیفیات کے اظہار کے لیے سموزنڈم میں ایک ساتھ درج کی گئی ہیں۔

ف ۲۱ لارڈ کرزن کے نوٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ برار کی بحث چھیڑنے سے قبل ہزاکسلنسی نے دو غیر متعلقہ مسائل اٹھائے اور ان کے اٹھاتے ہوئے آپ نے وائسرائے کی حیثیت سے اپنے اختیارات کے تحکمانہ پہلو کا بھی اظہار فرمایا۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ تھا کہ نئے مدارالمہام سرکشن پرشاد کے مدارالمہامی کی منظوری دیجائے۔ میرے والد کی یہ خواہش تھی کہ ان کے مدارالمہامی کی منظوری دی جائے۔ لیکن ہزہائینس کو یاد دلایا گیا کہ یہ ہزاکسلنسی کی مرضی پر منحصر ہے۔ دوسرا مسئلہ حکومت ہند سے ریاست حیدرآباد کے مالی مشیر کی حیثیت سے مستعار لیے ہوئے ایک افسر کے عہدہ اور اس کے اختیارات سے متعلق اپنے نظریات کو پیش کرتے ہوئے ہزاکسلنسی اس حد تک بڑھ گئے کہ آپ نے کہا کہ اگر آپ کے مجوزات پر عمل نہ ہوگا تو آپ اس افسر کو واپس بلالیں گے اور وائسرائے نے اپنے اس اعلان سے اپنے اصرار کا مزید اظہار فرمایا کہ نئے مدارالمہام کے تقرر کی منظوری عہدہ دار مستعار کے متعلق ہزاکسلنسی کے مجوزات کی قبولیت پر منحصر ہے۔

ف ۲۲ میں اس کو ایک بدبختانہ حالت کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ میرے والد کے ہمراہ جو طبیعت کے شرمیلے اور کمزور مشہور تھے کمرۂ ملاقات میں کوئی نہ تھا مسئلہ برار کے زیر بحث آنے سے قبل جن ابتدائی امور پر مکالمہ ہوا وہ حواس کو منتشر کرنے والا تھا۔

ف ۲۳ واجبات معاہدہ کا وہ منظر جو میرے والد کے آگے جبراً پیش کیا گیا وائسرائے کے خاص نوٹ کے حسب ذیل اقتباس سے صاف واضح ہے:۔

"میں نے بتایا (نظام کو) کہ برطانوی حکومت کے پاس کوئی ایسی وجہ نہیں ہے کہ معاہدہ کے ذریعہ فی الحال اس کو جو پوزیشن اور حقوق حاصل ہیں ان سے غیر مطمئن ہو جائے مفوضہ اضلاع پر اس کو جو حق حاصل ہے اس میں کسی قسم کا بالاستعار تا معنی خرابی نہیں ہے نہ تو میعاد تفویض ہی کی کوئی تحدید کی گئی ہے اور نہ اختیارات نظم و نسق کی حد بندی کی گئی ہے جو اس کے ذریعہ سے حاصل

ہوئے ہیں "۔

" حیدرآباد کنٹنجنٹ جیسی کہ وہ اس وقت ہے اور معاہدات کے تحت رکھی گئی ہے ایک مسرفانہ اور غیر اطمینان بخش انتظام تھا۔ علاقہ حیدرآباد میں جو فوجیں مقیم ہیں وہ اس کے موجودہ احتیاجات سے بہت زیادہ ہیں اور ان کے اس لقب کا باقی رکھنا ایک تو نظام کے لیے غضب انگیز ہے اور دوسرے نامناسب وقت ہے "۔

" اور یہ کہ برار کی دوامی تفویض موجودہ کے بجائے پٹہ دوامی ہو جائے "۔

" جب میں نے یہ سنا تو مجھے بڑی مایوسی ہوئی کہ ایسے مناسب و موافق شرائط کو ہز ہائینس نے پسند نہیں کیا ہے اگر ان سے انکار کر دیا جاتا تو حکومت ہند لازماً موجودہ پوزیشن کی جانب راجع ہوتی جس میں میعاد معین نہیں ہے اور جس کے تحت پچاس سال سے بہت کم مالی اخراجات کے ساتھ اس جائداد سے فائدہ اٹھاتے آرہے ہیں جس کی ہمیں تمنا تھی "۔

" لیکن اس کے علاوہ ایک اور سبب بھی تھا جس کی بناء پر موجودہ مجوزات کی ناکامی پر مجھے افسوس ہوتا ہے۔ بدرجۂ اعلیٰ یہ بات ناممکن تھی کہ بعد میں جانشین ہونے والا کوئی وائسرائے اس مسئلہ کو دوبارہ اٹھاتا یا یہ کہ کوئی سی برطانوی حکومت کسی تازہ پس افتادگی کی محبت کا دم بھرے گی "۔

" لہذا ہز ہائینس کو واقف ہونا چاہیئے کہ اب ایک سمجھوتہ کا جو موقع دیا گیا ہے وہ پھر نہیں عود کرے گا، اور یہ کہ اس وقت کے طے شدہ امور ایک دوامی شکل میں ڈھل جائیں گے "۔

" لیکن وہ (نظام) یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ نئے سمجھوتہ کے تحت آیا نہیں اس بات کی آزادی حاصل رہے گی کہ وہ مستقبل میں کبھی استرداد برار کی درخواست کر سکیں۔ میں نے جواب دیا کہ اگر صوبہ برار دوامی پٹہ پر برطانوی حکومت کو دیدیا گیا تو پھر ہز ہائینس ایسی کوئی درخواست نہیں کر سکیں گے اس لئے کہ اس پٹہ سے اس صوبہ کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔

" اس کے بعد ہز ہائینس نے سوال کیا کہ آیا حالات حاضرہ کے تحت برار کے انہیں واپس ملنے کی کوئی توقع ہے کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ معاہدات میں ایسی بات نہیں ہے جس سے حیدرآباد اس کے استرداد کا کوئی دعوے کر سکے۔ میں نے اپنے جواب میں ہز ہائینس کو اس جواب کا حوالہ دیا جو سر سالار جنگ کو جبکہ یہ معاملہ ۵۳ سال قبل قرار پایا تھا دیا گیا تھا اور ۱۸۷۸ء میں برطانوی حکومت کی جانب سے لارڈ سالسبری نے جو جواب دیا تھا اس کا بھی تذکرہ کیا۔ گزشتہ پنجاہ سالہ واقعات نے

موجودہ صورت حال کے متعلق ایک اور گمان غالب پیدا کر دیا ہے جس سے قطع نظر نا ممکن ہے۔ ان معاملات میں سلسلہ حکمرانوں کے مابین خواہ وہ قدامت پسند ہوں کہ حریت پسند یہی پالسی جاری رہی ہے اور میں ہز ہائینس کو کوئی امید نہیں دلا سکتا کہ آئندہ کوئی (برطانوی) حکومت انہیں (نظام کو) ایسے شرائط دینے پر تیار ہو جائے گی جنھیں کسی گذشتہ حکومت نے قبول نہیں کیا خصوصاً اگر مستقل اصول پر اس معاملے کو طے کرنے کی موجودہ سعی بیکار جاے برطانوی حکومت کے لیے اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں رہے گا کہ معاہدات کے ذریعہ محصلہ دوامی تفویض پر کاربند رہے۔"

"اس کے بعد ہز ہائینس نے کہا کہ چونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر موجودہ تصفیہ سے انکار کر دیا جاے تو انہیں استرداد برار کا موقع حاصل نہیں ہے لہذا انہیں دوامی پٹہ کی تجویز منظور کرنے میں پس و پیش نہیں ہے کہ اب اسی میں ریاست کا زیادہ فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے اس وقت تک اس سے اس لئے انکار کیا تھا کہ آپ کو اس کی خبر نہیں تھی کہ زمانہ مستقبل میں آپ کو برار کے واپس ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

۳۴ اس غیر مساوی مباحثہ کا جو اثر میرے والد مرحوم کے دل پر بیٹھا تھا یور اکسلنسی کو اس کے اندازہ کرنے کے قابل بنانے کے لیئے چاہتا ہوں کہ یہاں اس اہم معاملہ کے متعلق نظام کے نوٹ سے ایک مختصر اقتباس درج ذیل کروں :۔

"والسرائے نے مجھے دو بار تین بار (متعدد بار) کہا کہ برار کبھی مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ ہز اکسلنسی نے کہا کہ "میں نہیں چاہتا کہ یور ہائینس کو کسی جھوٹی امید میں رکھوں، میں نہایت صاف صاف کہدیتا ہوں کہ صرف میری ہی پالسی ہوگی بلکہ میرے بعد آنے والے والسرائے کی بھی یہی ہوگی، اور انگلستان کی حکومت کی بھی یہی ہوگی یعنے برار کسی زمانہ میں بھی واپس نہ دیا جایگا۔ والسرائے کی گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ گذشتہ ۲۵ سال سے واپسی برار کی کوئی درخواست نہیں پیش کی گئی (ہمارے لیئے) اب یہ نا ممکن ہے کہ اس کو واپس لیں اور یہ کہ ہمیں اس کی واپسی کی کوئی امید بھی نہیں رکھنی چاہیے۔ ہز اکسلنسی نے سمجھایا کہ اگر موجودہ حالات کا تسلسل قایم رہے تو اس سے مجھکو کوئی نفع نہ ہوگا جب برار کا واپس ملنا نا ممکن ہے تو موجودہ حالت کو قایم رکھنا عقلمندی نہیں ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ پٹہ پر دیدیا جاے اور سال بسال روپیہ (محاصل) لے لیا جائے۔"

"لیکن جہاں تک مجھسے ہو سکا میں نے اصرار کیا (استرداد پر) لیکن والسرائے کے جوابات کے نہج سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ہمیں برار کبھی نہ دیں گے۔ زمانہ ماضی کی غلطیوں کی پاداش میں اب

ہمیں اس صوبہ سے ہاتھ دھونا پڑا ہے۔ تب مجھے مجبوراً کہنا پڑا اگر ایسا ہی ہے تو اس کو پٹہ پر دے دیجیے۔"

"کل جس ڈھنگ سے وائسرائے نے مجھ سے گفتگو کی تھی اس سے مجھے پورا یقین ہو گیا کہ اگر میں پٹہ پر دینے سے یہ کہکر انکار کرتا کہ حالات موجودہ ہی جاری رہ سکتے ہیں تو ہز اکسلنسی میری نہ سنتے، اگر سنتے بھی تو ٹال مٹول کے جوابات دیتے۔ اور اگر میں مجبور کرتا کہ میری درخواست کا معین جواب دیں تو پہلے کی طرح صاف کہدیتے کہ میری درخواست (برائے استرداد) قبول نہیں کی جا سکتی۔"

۲۵ سر سالار جنگ نے اس مسئلہ کو جو ۱۸۷۰ء میں پیش کیا تھا اور لارڈ سالسبری نے اس کا جو جواب دیا تھا اس کے حوالہ کو میں بے نظیر بدبختی تصور کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس نے بلا شبہ میرے والد کو متاثر کر دیا اور کوئی کلام نہیں کہ اس ذکر کا منشا بھی یہی تھا کہ یہ خیال والد کے دل میں پیدا ہو جائے کہ اس معاملہ کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے ان کا نتیجہ غلط تھا لیکن متذکرہ صدر اقتباس سے یہ بات صاف واضح ہے کہ یہی نتیجہ ان کے ذہن میں مرتب کرایا گیا تھا۔ لارڈ سالسبری نے اپنے جواب میں جس کا اوپر ذکر ہے محض یہ بتایا تھا کہ تفویض برار کے تعین کے لئے ۱۸۵۳ء کے معاہدہ میں کوئی میعاد درج نہیں ہے۔" اور اگر نظام بلوغت کو پہنچنے کے بعد یہ چاہیں کہ اس صوبہ سے متعلقہ معاہدہ کے شرائط کی ایک عام نظر ثانی ہو جائے تو حکومت برطانیہ ان کی خواہشات پر غور کرے گی۔ مافوق الذکر عبارت میں کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہوتی جس سے اس دعوے کی تصدیق ہو سکے کہ برار دوامی دیا گیا ہے یا یہ کہ فیصلہ کی نوعیت کوئی قطعی ہے۔"

۲۶ لارڈ کرزن اور والد مرحوم کی ملاقات کے نمایاں خط و خال یہ ہیں کہ وائسرائے ہند کے اٹل الحکم کی بنا پر مقابلتاً ایک کم قوت حلیف کو معین طور پر برار دہڑے شد و مد سے تین تنقیات ماضیہ اور رشتہ ربط معاہدہ کے خلاف یہ سمجھایا گیا کہ کسی ڈھب سے اور کسی حالت کے تحت اس وقت کی یا زمانہ مستقبل کی کوئی برطانوی حکومت صوبہ برار اس کے مالک جائز کو واپس نہ دیگی۔ برار کی دوامی علیحدگی کے متعلق ان کے جو اعتراضات تھے انہیں ایسی بنیادوں سے کاٹا گیا جو حکومت برطانیہ کے ۱۸۵۳ء کے ان مواعید سے بالکل مناسبت نہیں رکھتے جن کا ۱۸۶۰ء میں پھر اعادہ کیا گیا تھا کہ اس وقت کے فرمانروائے حیدرآباد کو لکھا گیا تھا کہ:-

"جب کبھی اضلاع زیر بحث نظام کو واپس دیئے جائینگے برطانوی عہدہ داروں کے انتظام

میں رہنے سے وہاں جو ترقی ہوگی اس سے حاصل شدہ نفع آیندہ نظام ہی حاصل کرینگے"
ہز لارڈ شپ نے اس حقیقت کو بھی جھلادیا کہ برار کی تفویض "" ایک خاص غرض کے لیے
تھی اور محض اس عرصہ تک کے لیے جب تک کہ اس غرض کا قایم رکھنا مطلوب ہو" ۔ اور ۱۸۶۱ء
کی دفعہ ششم کی صاف صاف غیر ذو معنی عبارت سے بالکل چشم پوشی کرلی ہے جس میں اس کے
بطور امانت ہونے کی تصدیق ہے"

۲۷ حکومت ہند کے محکمہ خارجہ کے ایک مراسلہ کی حسب ذیل عبارت پر میں اظہار حیرت کیے
بغیر نہیں رہ سکتا جو ۱۳ - نومبر ۱۹۰۳ء کو وزیر ہند کے نام لکھا گیا :-

"ہز ہائینس نظام کیجانب سے تغیر کی تمنا کا اظہار ہوا خصوصًا ان فاضلات کی خطرناک اور
تغیر پذیر حالت کی وجہ سے جو شرائط معاہدات کے تحت انہیں واجب الادا رہتے تھے اور جن کی
بے قاعدہ حالت کی وجہ سے ریاست کے مالیہ میں عدم یقین کا ایک افسوسناک عنصر راہ پا گیا تھا۔
جانبین کے اس امر کو محسوس کرلیا تھا کہ گذشتہ نصف صدی کے واقعات نے جس کے دوران
میں اضلاع مقبوضہ برار مسلسل برطانوی نظم و نسق کے تحت رہ چکے ہیں ایک ایسا حق قدامت
قبضہ پیدا کردیا ہے جس سے علیحدگی نہ تو ممکن ہے اور نہ علیحدگی کی تمنا ہے - اور بنا برآن حالیہ
گفت و شنید میں فریقین کی مساعی یہی رہیں کہ ایک ایسا حل نکال لیا جائے جو ان متحدہ خوبیوں
کا حامل ہو کہ نظم و نسق کی وہ بے ضابطگیاں دور ہو جائیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور نظام کو ان کے علاقہ
کے اس حصہ سے ایک معین رقم ملجائے اور برار کی آبادی کو جو اب ۲½ ملین نفوس تک پہنچ گئی ہے
اس امر کی ضمانت ملجائے کہ انہیں حالات اور معیارات کا مسلسل قائم رہے گا جنکے تحت وہ مرفہ الحالی
کے ایک بلند زینہ تک پہنچ گئی ہے۔

۲۸ سکریٹری آف اسٹیٹ کے نام ارسال شدہ مراسلہ کے آخری فقرہ میں یہ لکھا گیا تھا کہ "اس اہم معاملہ
کی یکسوئی جسے ہم نے یہاں رقم کیا ہے نظام نے ایسی ہی مسرت اور بیساختہ پن سے قبول کرلیا جیسی
صاف باطنی اور خلوص کے ساتھ ہم نے اس کو ان کے پیش کیا تھا" یقینًا یہ بیان متجاوز الحقیقت ہے! اس
ملاقات کے بعد لارڈ کرزن کے دل پر چاہے کوئی اثر کیوں نہ ہو میں یہ کہنے پر مجبور ہوں اور بڑے
افسوس کے ساتھ کہ جو شرائط وائسرائے ہند اور تحکمانہ شخصیت کے مدبر نے ایسے شد و مد اور اصرار کے
ساتھ میرے والد کے پیش کیے تھے جیسا کہ آپ کو اس نوٹ سے بخوبی واضح ہوتا ہے جو اسی وقت
لکھا گیا تھا - وہ نہ تو "بے ساختہ پن" سے اور نہ "مسرت" سے قبول کیے گئے تھے ایسی یکسوئی پر

ان کا (نظام) کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے جو راہ عمل اختیار کی گئی جس کو مسلسل نظامان دکن نے ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھا اور جسکو ہمیشہ زمانہ سابق مین بار بار مسترد کر دیا گیا - اس کو بے ساختہ پن کے سارے دعاوی سے عریان اور اس مباحثہ کو ایک آزادانہ مکالمہ کی مسرت سے محروم کر دیتی ہے - اس امر کے مدنظر کہ ایک اہم معاملہ تصفیہ طلب تھا یہ بہتر ہوتا اگر بتقاضاے راست معاملگی غور و خوض کیلیے کچھ وقت دیا جاتا اور انہین اپنے مشیرون سے مشورت کا موقع ملتا لیکن انہین ایسا کوئی موقع نہین ملا -

ف ۲۹ اگر یہ بات فرض بھی کر لی جائے کہ میرے والد نے ۱۹۰۲ء کے سمجھوتہ کو برضا و رغبت قبول کیا تھا - تو بھی مین اپنے اس حق کا مدعی ہون کہ اس کے جواز پر حرف گیری کردن کہ (ایسا کرنا) ان کے آئینی حقوق سے باہر تھا - اس لیے کہ ان حالات میں بھی انہین اس کا کوئی اختیار نہ تھا کہ وہ اپنے ان ممالک محروسہ کے کسی حصہ کو علیحدہ کر دین جو ان کے قبضہ مین اپنی رعایا اور اپنے جانشینون کی امانت کے طور پر تھے - ہمارے آبا و اجداد نے ریاست حیدرآباد کی حفاظت یا خانوادہ شاہی کے نفع کی غرض سے جو علاقے تفویض کیے ہین وہ بالکل ایک جداگانہ سطح پر ہین -

ف ۳۰ یہ بات خود لارڈ کرزن کے نوٹ سے صاف واضح ہے کہ میرے والد نے ہرگز ایک لمحہ کے لیے بھی کسی "حق قدامت" کو تسلیم نہین کیا اور نہ وہ کسی ایسی سعی مین بحیثیت فریق شریک رہے جو کسی حل کی دریافت کے لیے کی گئی ہو - ایک ایسے معاملہ مین جسمین حکومت برطانیہ کی نیک نیتی کو دخل ہے مسئلہ قدامت ایک غیر متعلقہ شئے ہے علاوہ ازین ریاست حیدرآباد کے اس حق کا بار بار تسلیم کیا جانا کہ جب برار کے قبضہ مین رکھنے کی ضرورت اٹھ جائے گی تو اس کو واپس ملجائے گا - اس مسئلہ کو مصطلحات کی قلمرو سے باہر کر دیتا ہے - جب برطانوی حکومت نے ۱۸۸۱ء مین ریاست میسور کو ہندی حکمران کے ہاتھون مین منتقل کر دیا تو یہ ثابت ہوگیا کہ میزان عدل و انصاف مین "قدامت" "قبضہ" کوئی چیز نہین ہے - ریاست میسور نصف صدی تک برطانوی قبضہ مین رہی (انتقال میسور کے متعلقہ پارلیمنٹی کاغذات (سی ۲۲ - ۳ - ۱۸۸۱ء) سے واضح ہے کہ ہندوستان کا یہ حصہ کس طرح کاملاً برطانوی نظم و نسق سے مانوس ہو گیا تھا استرداد میسور جو مارکوئیس آف ہارٹنگٹن (بعد میں آٹھوین ڈیوک آف ڈیونشائر ہوئے) اور مارکوئیس آف ریپن کے ہاتھون عمل مین آیا اس کو تاریخ مین ہندوستان مین برطانوی حکومت کے تحت بہترین اعمال تدبیر و سیاست دانی پر مشتمل کہا جاتا ہے -

ف ۳۱ - برطانوی ہند کے حالیہ سیاسی نظم و نسقی تغیرات نے اس صوبہ کی مرتبت پر ۱۹۰۲ء کے پٹہ کے بعد سے مادیاً اثر کیا ہے - ایک بات واضح ہے - معاملہ زیر بحث پٹہ پر دیے ہوئے علاقون کو جو حال

ریاست حیدرآباد کا ایک اہم حصہ ہین ہندوستان کے سیاسی نظم ونسق طریقہ مین شامل کرنے کی اجازت نہین دینا خصوصًا وہان کے باشندون کی مرضی کے خلاف ۔ اس طرح نہ صرف برار کے مالی فوائد سے غیر براڑیون کو استفادہ کا موقع ملا ہے بلکہ اصلاحات جدیدہ کی وجہ سے میری رعایا اکثر معاملات مین بیرونی اشخاص کے تسلط کے تحت رکھی گئی ہے مثلًا نا موافقت تعداد کے باعث جیسے کہ مجھے اطلاع ملی ہے ۔ صوبجات متحدہ کی مجلس تشریعی مین انہین ادنی جگہ ملی ہے یعنے سنہ ۱۹۰۲ء کے بعد سے صورت حال ایسی کاملًا بدل گئی ہے کہ مین سمجھتا ہون کہ اس درخواست مین مین اپنے حقوق کے اندر ہون کہ عدل وانصاف کے ہر پہلو پر غور کرتے ہوئے اس وقت کے منعقدہ سمجھوتہ پر نظرثانی کی جائے ۔

۳۲ مین اس کے لئے بے چین ہون کہ میری براڑ کی رعایا اپنی قسمتون کی صورت گری اپنے ہاتھون مین لے لے اور اسی بنا پر مین استرداد صوبہ کے بعد انہین نظم ونسق صوبہ مین ایسے وسیع پیمانہ پر اشتراک عمل کی اجازت دینا چاہتا ہون جو برطانوی ہند مین اس وقت کسی کی رعایا کو حاصل نہین ہے ۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعلان کرتا ہون کہ اگر مین اپنے صوبہ کو واپس لینے مین کامیاب ہوجاؤن تو مین "وثیقہ استرداد" یا کسی اور دفاری دستاویز مین جو لکھی جائے گی براڑیون کو ایک ایسی ذمہ دار حکومت کے دستور کے عطا کئے جانے کے متعلق معین دفعات درج کرون گا جس کی رو سے ایک آئینی گورنر کے تحت جو میری جانب سے میرے نمائندہ کی حیثیت سے مقرر ہوگا ۔ معاملات داخلہ ونظم ونسق مین کامل انتظامی اختیارات کے لئے اقتدار عامۂ مطلقہ حاصل ہوجائے گا بہ استثنا ان معاملات کے جو حکومت برطانیہ اور میرے محکمۂ افواج سے متعلق ہون ۔

۳۳ ان مباحث مالیہ کو جنھین سنہ ۱۹۰۲ء کی گفت وشنید مین بڑی اہمیت دی گئی تھی استرداد کی راہ مین حائل ہونے کی ضرورت نہین ہے ۔ یہ سارا معاملہ جس کو مین اہمیت دیتا ہون مالی منفعت کا نہین بلکہ حق وانصاف کا ہے ۔ آخری وصول باقی (تصفیہ حسابات) کے متعلق مین ایک منصفانہ سمجھوتہ سے زیادہ کسی اور چیز کی درخواست نہین کرتا ۔

۳۴ برطانوی شاہنشاہیت کی پایداری کے لئے میرے آبا واجداد نے اور خود مین نے جو کچھ کیا اور دیا ہے وہ تاریخی معاملات ہین ۔ مین نے ان کا ذکر بھی نہین کیا اس لئے کہ یور اکسلنسی کے نام مین نے یہ جو مراسلہ لکھا ہے اس سے یہ منشا

نہین ہے کہ ایک "یار وفادار" نے جو کام اپنی محبت سے انجام دیے ہین ان کا کوئی انعام طلب کیا جائے بلکہ یہ کہ میرے دعوے کا اظہار کرے اور ملک معظم کی حکومت کے ہاتھوں انصاف پائے۔

آپ کا مخلص

میر عثمان علی خان

(شرحد مستخط)

ہم اوپر لکھ آئے ہین کہ برار کی تاریخی حالت کیا تھی یعنے ملک برار کس کا تھا اور کس طرح لیا گیا پھر معاہدات کی نیرنگیاں کیا سے کیا رہین اور یہ بھی ذکر آئے ہین کہ زبردست اور زیردست کے معاہدات ہوا تو کرتے ہین مگر جب موقع ملا ہی زبردست نے اپنے ہی مفید کارروائی کرلی ہی - اور یہ بھی ظاہر کر چکے ہین کہ حضور نظام کا دعوی حق بجانب ضرور ہی دیکھین اُسکا نتیجہ کیا ہوتا ہی انھین حالات اور واقعات کی بنا پر حضور نظام کا مکتوب جو یون بھی اس کتاب مین چھاپ دیا ہے لیکن اس مراسلہ کے چھپنے کے بعد امید تھی کہ دیکھین حضور ممدوح الشان کے لاجواب مراسلہ کا جواب کن فقرات اور الفاظ مین برٹش گورنمنٹ کی جانب سے دیا جاتا ہی - اب جو جواب برٹش گورنمنٹ کی جانب سے شائع کیا گیا ہی وہ حضور کے مراسلہ کے مدلل فقرون کا جواب تو نہین ہے بلکہ مساوات کی بحث سے انکار ہے اور اخیر مین کمیشن کی استدعا جو کیگئی ہو اُس سے بھی انکار کیا گیا ہے اور لارڈ کرزن نے جو ٹھیکہ استمراری برار کا لیا تھا اُسکی تصفیہ شدہ قرار دیکر صاف طور پر لکھ دیا گیا ہے کہ برار واپس نہوگا حالانکہ حضور نظام کے مراسلہ مین یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ ٹھیکہ کس نوعیت اور کیسے دباؤ سے حاصل کیا گیا تھا اور یہی وہ امور ہین جو حضور نظام اور وائسرائے کے مراسلات سے ظاہر ہوتے ہیں - ان سب مراسلات کو پڑھ کر ماہرین تاریخ اور ارباب حل وعقد نتیجہ نکال سکتے ہین کہ زبردست اور زیردستے معاہدات کی تاریخ کیونکر ہر زمانہ مین تبدیل ہوا کرتی ہی اور یہی وجہ وہ ہی کہ بعد طبع ہونے مراسلہ حضور نظام وہ خط وکتابت ذیل مین طبع کی جاتی ہی جو حضور نظام اور وائسرائے کے مابین ہوئی ہی اور وہ یہ ہی -

مسئلہ واپسی برار

حضور نظام کو وائسرائے بہادر کا انکاری جواب

واپسی برار کے لئے ہز اگزالٹڈ ہز ہائینس نظام کے دعوی کو مسترد کرنے کے متعلق حضور نظام اور وائسرائے بہادر کے درمیان جو نہایت دلچسپ مراسلت ہوئی ہی اسے آج سہ پہر مین شائع کیا گیا ہی - ہز اگزالٹڈ ہائینس نظام کا مکتوب مورخہ ۲۰ ستمبر جو دہ صفون پر مشتمل ہے - حضور نظام کے مکتوب کے خصوصیات یہ ہین کہ انکے اور برٹش گورنمنٹ آف انڈیا کے باہمی تعلقات پر پوری پوری روشنی ڈالی گئی ہے - اور انھون نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ اس اعلیٰ حکومت کی جانب سے ان پر کوئی ذمہ داریان عائد ہوتی ہین -

حضور نظام تحریر فرماتے ہین کہ "مین برار کے بابت لفظ "تصفیہ" کے استعمال پر سوال اُٹھائے بغیر نہین رہ سکتا معاملات خارجہ کے باہر مجھے حکومت برطانیہ کے ایک یار وفادار کی حیثیت سے اپنے لئے یہ حق محفوظ رکھنے کا

پرنسپل اختیار ہے کہ مین ہز مجسٹی کی حکومت کے اس انتہا کو محض ایک نامنظوری خیال کرون نہ کہ ایک "فیصلہ" اسکا اطلاق تمام کارروائیون پر ہوگا جو سنین ماضیہ مین برار کے متعلق ہوئی ہیں۔ مین یور اکسلنسی کی توجہ مسئلہ کے اس پہلو کی طرف مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہون اسلیے کہ اس سے ایک ایسا آئینی امر متنازعہ پیدا ہوجاتا ہے جسکا اثر اس حکومت اور نظام کے ان تعلقات پر پڑتا ہے جو بحیثیت حلفاء کے ان دونون کے باہم قائم ہیں۔ ایک دوست کے دعوی یا تجویز کو سننے سے انکار کرنا "فیصلہ" سے ایک بالکل مختلف چیز ہے جس سے مراد ایک قانوناً پابند کرنے والی فورس ہے اور اسکا مسئلہ زیر بحث پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔

آخر مین حضور نظام مسئلہ برار کو ایک کمیشن مین پیش کرنے کی تجویز کرتے ہین جسمین ایک برٹش جنٹلمین صدر نشین ہون دو گورنمنٹ آف انڈیا کے نامزد کردہ اشخاص دو ان کے نامزد کردہ ہون - دو اراکین براریون کے قائمقام ہون جنکا انتخاب صوبجات متوسط اور دہلی کی مجالس وضع قوانین کے غیر سرکاری اراکین کرین۔

ہز اکسلنسی وائسرائے اپنے جواب مورخہ ۲۷ - مارچ سنہ ۱۹۲۶ء مین جسمین تو مختصر پیرا گراف میں ہز مجسٹی کی حکومت اور حکومت ہند دونون کی طرف سے لکھتے ہین کہ حضور نظام کو ان کے اور حکومت اعلیٰ کے تعلقات کے متعلق غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ ہز اکسلنسی اسے دور کر دینا چاہتے ہیں مبادا انکی خاموشی سے یہ گمان کرلیا جائے کہ انھون نے حضور نظام کی تجاویز کو منظور کرلیا ہے - وہ کہتے ہین کہ برطانوی تاج ہندوستان مین انڈیا سے اعلیٰ و ارفع ہے لہذا کسی دیسی ریاست کو از روے انصاف یہ حق حاصل نہین کہ وہ مساوی حیثیت سے برٹش گورنمنٹ کے ساتھ گفت و شنید کرے - مثلاً ہز اکسلنسی حضور نظام کو یاد دلاتے ہین کہ برٹش گورنمنٹ کا حق اور فریضہ ہے کہ وہ ہندوستان کے طول و عرض مین امن و امان قائم رکھے - مسند حیدرآباد پر کوئی جانشین متمکن نہین ہوسکتا تا وقتیکہ ہز مجسٹی اسے تسلیم نہ کرلین - صرف برطانوی حکومت ہی جانشینی کے متعلق جھگڑون کا تصفیہ کرنے والی ثالث ہے - اندرونی و بیرونی حفاظت جو فرمانروایان ہند کو حاصل ہے وہ برٹش گورنمنٹ کی محافظت کا نتیجہ ہے - جہان کہین کسی ریاست کی رعایا کی عام بہبود وہان کی حکومت کے طرز عمل سے سخت خطرے مین پڑجاے تو اس صورت مین یہی طاقت اعلیٰ ہی ہے جس پر بوقت ضرورت اصلاحی کارروائی کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے -

اندرونی حکمرانی کے وہ مختلف مدارج جو فرمانرواؤن کو حاصل ہین وہ سب بلحاظ حالات طاقت اعلیٰ کی طرف سے دیے گئے ہیں۔ لہذا وائسرائے کہتے ہین کہ طاقت اعلیٰ کا حق ہے کہ وہ دو ریاستون کے مابین یا ایک ریاست اور خود اپنے درمیان تمام قضیون کا تصفیہ کرے - اور اگر ایک ثالثی عدالت قائم بھی کیجاے تو اسکی حیثیت محض ایک مشورہ دہندہ کی ہوگی - اس امر کو فرمانروایان ہند کی صدر مجلس نے مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ کے دفعہ ۳۰۸ پر بحث کرکے تسلیم کرلیا ہے - ہز اکسلنسی برار کے متعلق ثالثی کی تجویز کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں اسلیے کہ اس معاملہ کو ہز مجسٹی کی حکومت نے پہلے ہی طے کردیا ہے اور اسلیے بھی کہ ایک ایسے مسئلہ کو دوبارہ چھیڑنا مناسب نہین جس کے متعلق ایک طول طویل کارروائی کے بعد ایک ایسا معاہدہ کرلیا گیا جو مکمل غور و خوض کا نتیجہ تھا اور جس کے فقرے شک و شبہ سے پاک ہیں۔ (ٹائمس آف انڈیا) مورخہ ۲ اپریل سنہ ۱۹۲۶ء۔

باب سیزدہم

ضمیمہ و ذیل کتاب معیار التواریخ

اس کتاب کے ختم ہونے کے بعد چند واقعات اور بھی معلوم ہوئے جن پر ناظرین کتاب ہذا اگر غور کرینگے تو اونکو اصلیت واقعہ کی دریافت ہو جائیگی۔ ایک واقعہ یہ ہے جسکو ہم مختصراً لکھ چکے ہین کہ گیارھوین شریف کی ایجاد کس زمانہ سے ہوئی ہے اور یہ کہ جن بزرگوار کی گیارھوین کا چرچا پھیلا ہوا ہے اونکی سیادت مین ہمیشہ اختلاف رہا کرتا ہے کہ آیا وہ سید تھے یا شیخ اسکا سبب کیا ہے سرو آزاد کے مورخ صاحب نے تو یہ بیان کیا ہے کہ تھے وہ سید مگر بلحاظ صوفی ہونے کے آپ کو اہل تصوف نے شیخ قرار دیرکھا ہے اور آپ کی سیادت کو غالباً شہنشاہ تیمور نے بھی تسلیم کیا ہے جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہین۔ یعنے توزک تیموری مین آپکے نام کے ساتھ سید لکھا ہے غیر سید تھے یا شیخ یہ ایک نسبی بحث و مباحثہ چلا جاتا ہے وہ مقتدر و تستت ضرور تھے اسکا تصفیہ کہ آپ کیا تھے ایک نساب عربی مورخ نے اپنی کتاب عمدۃ الطالب فی نسب آل ابیطالب مین جن کا شمار اہل سنت و جماعت کے علماء مورخین مین ہے جن الفاظ و فقرات مین کیا ہے اوس کے پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حق کہا ہے یہ کتاب زمانہ جدید کی نہین ہے بلکہ ۸۲۸ھ کی تالیف و تصنیفات ہے ان مصنف کا نام احمد بن علی بن حسین بن مہنّد بن عتبۂ صغر ہے وہ لکھتے ہین کہ شیخ جلیل الدین عبد القادر جیلانی کی نسبت عبد اللہ بن محمدؐ بن یحییٰ بن محمدؐ بن ردمیہ کی طرف کی گئی ہے اور اس طرح سے سلسلہ نسب قایم کیا ہے کہ عبد القادر بن محمدؐ جنگی دوست بن عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ بن محمدؐ ردمیہ مگر خود شیخ عبد القادر صاحب نے اس سلسلہ نسب کا کبھی دعویٰ نہین کیا بلکہ ونکے پوتے قاضی ابو صالح نصر بن ابی بکر بن عبد القادر نے اس سلسلہ نسب کا دعویٰ کیا۔ لیکن کوئی ثبوت اسکا پوتے صاحب نے پیش نہین کیا نہ کسی اور نے یہ نسب اونکا بیان کیا اور عبد اللہ بن محمدؐ بن یحییٰ بن ردمیہ تو رہنے والے حجاز کے تھے جو کبھی حجاز سے باہر نہین گئے پھر وہ انھون نے اپنے بیٹے کا نام جنگی دوست کس طرح سے رکھا ہوگا۔ بہرحال جب تک شہادت بینہ قائم ہو نسب تسلیم نہین ہو سکتا۔

دوسرے یہ کہ حال مین ایک کتاب یار جنگ مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب میر مجلس یعنے چیف جسٹس ہائیکورٹ حیدرآباد دکن نے عالمگیر کے حالات مین لکھی ہے اسکا نام عہد اورنگزیب ہے اس کتاب

مین اونھون نے اس بادشاہ کے زمانہ حکومت مین جو نظم و نسق تھا اوسکا فوٹو کھینچا ہے اور ثابت
کیا ہے کہ اورنگزیب پر جو الزامات مذہبی تعصب ہونے اور ہندوون پر مذہبی مظالم کرنے کے عائد کیے جاتے
ہین وہ درست نہین ہین اور آخر مین ہندوون و مسلمانون کے اتحاد پر تبصرہ کیا ہے اور ان قومون مین
اونکی راے مین اتحاد ہوسکتا ہے۔ اسمین شک نہین ہے کہ ہملٹن صاحب کا سفرنامہ محرک ہوا ہی مرزا صاحب
سے کتاب لکھوانے کا۔ یہ یورپین سیاح ایسٹ انڈیا کمپنی اور عالمگیر کے عہد مین آیا تھا اوسنے اوس انتظام کو
بچشم خود دیکھا تھا جسکو شہنشاہ اکبر نے قایم کیا تھا وہی نظم و نسق شاہجہان اور جہانگیر کے زمانہ مین قایم
رہا تھا اور اوسکو عالمگیر نے باقی و قائم رکھا تھا۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوون پر عالمگیر نے اپنے مذہبی
تعصب سے اونکے مذہبی معابد کو منہدم کیا اور اون پر طرح طرح کے مظالم کیے اون الزامات کو مرزا صاحب
نے رفع کیا ہے اگر اسکو تسلیم کر لیا جاے تو مرزا صاحب کو چاہیے تھا کہ اون واقعاتی الزامات کی تصریح
کرتے اور جن واقعات سے اون الزامات کا بطلان ہوتا ہے اونکو ظاہر کرتے جب ایسا نہین کیا گیا تو وہ
تاریخی واقعاتی صداقتین اپنی جگہ بدستور قائم رہتی ہین اور الزام رکھنے والون کا اطمینان جیسا کہ چاہیے
نہین ہوسکتا کیا حضرت خلد مکان کی اپنے دوران حیات مین اوس جادہ پر رفتار تھی جسکو اکبر اعظم
نے اپنے صلح کل ہونے کی بنا پر مقرر کر رکھا تھا اسکا جواب بجز نفی کے اور کیا ہے غور ہونا چاہیے کہ
جب جہانگیر نے اپنے باپ سے سوال کیا کہ آپ جہاد کیون نہین کرتے تو اکبر نے جواب دیا کہ مین ظل اللہ ہون
جب مین دیکھتا ہون کہ خدا کی برکات حکومت سے جملہ اہل مذاہب اور مختلف اقوام فیضیاب ہو رہی
ہین یعنی باران رحمت کی فیض رسانی کافر و مشرک اور مسلمانون کو محروم نہین کرتی تو مین سایہ خدا
ہو کر کیونکر جہاد کر سکتا ہون یہ تاریخی حالات وہ ہین کہ عالمگیر نے بجاے اونکی ترقی کے اوس تاریخ
کو اس طرح سے تبدیل فرمادیا کہ اوسکی وجہ سے سکھون اور مرہٹون مین اقتداری نشو و نما پیدا ہو گیا
جس نے رفتہ رفتہ ترقی پاکر اسلامی حکومت کو درہم برہم کر رکھا تھا اور اسی مذہبی تعصب کی رفتار
کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب مرہٹون کا اقتدار ترقی یاب ہوا تو حسب بیان مورخ عمادت السعادت مرہٹون نے
مسلمانون کی قبرون کو کھود کر اونکے دانتون کو نہایت بیدردی سے توڑا اور کہا کہ یہ وہ ہین جو
انہین دانتون سے گاے کا گوشت کھاتے تھے۔ یہ تو ایک تاریخی مثال ہے اسی طرح اور بھی مثالین
ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا مین بعض فاتحین کے افراد ایسے گذر گئے ہین جن مین شہنشاہ اکبر
کا بھی شمار ہے کہ اونھون نے اپنی اعلیٰ مدبرانہ قابلیت سے صلح کل ہو کر عرفی کے ایک شعر پر عمل
کیا تھا ؎

چنان با نیک و بد عرفی بسر کن کش پس مردن
مسلمانت بزمزم شوید و ہندو بسوزاند

اور بعض وقت اختلافات مین ایسے بھی افراد ہو گذرے ہین کہ وہ صبح کو ظالم تھے اور شام کو مظلوم ہو کر رہ گئے تھے اور شکایت انگیز غوغا بلند کرتے رہے افسوس ہے کہ مرزا صاحب نے ہندوستان کی تاریخ پر غور کر کے اپنی کتاب کو مرتب نہین کیا ہے۔ وہ کتب تواریخ ہین جنمین عہد اورنگزیب کا تذکرہ بھی ہے اور اوس منفصانہ برتاؤ کا بیان بھی ہو جسکو ہندوانہ کے مورخین نے بڑے فخر کے ساتھ لکھا ہو کہ فلان شہر کے معابد مسمار کئے گئے اور وہان مساجد تعمیر ہوئی ہین۔ یہ حضرت عالمگیر کے عہد تک مذہبی مفاخر محدود نہ تھے بلکہ ہر قوم کے بادشاہ جب اپنی مذہبی جنبہ داری پر عمل کرتے تھے تو اونکی اہم مذہبی رعایا بھی اس طرح کے مذہبی حملون کو فخریہ طور پر پسند کیا کرتے تھے یہی سبق تاریخ ہمیشہ سے دیتی ہوئی چلی آتی ہے مگر جب زمانہ بدل جایا کرتا ہے تو اوسی کے ساتھ تاریخ کا رنگ بھی تبدیل ہو جایا کرتا ہے مثلاً موجودہ زمانہ مین جیسا کہ ہمنے اپنی کتاب مین ذکر کیا ہے بحیثیت انگریزی حکومت کا ہندوستان مین دور دورہ ہوا ہے مذہبی تاریخ قومی تاریخ پر منتقل ہو گئی ہے اوس سے تعلیم حاصل کرنا چاہیے بخلاف اسکے ہم دیکھ رہے ہین کہ ابھی تک وہی مذہبی جوش و تعصب قومی افراد کو اپنے مین مبتلا کئے ہوئے ہے اب شخصیت کی تاریخ گذر گئی جسمین اورنگزیب کا عہد بھی شامل تھا موجودہ زمانہ مین مرزا صاحب کا یہ بیان کہ گویا عالمگیر کا عہد مذہبی تعصب سے پاک تھا ہندوؤن اور بعض طبقہ اہل اسلام کے نزدیک کب قابل وقعت سمجھا جاتا ہے پھر لطف یہ ہے کہ ایک جانب تو عالمگیر کی مدح سرائی ہے اور دوسری جانب اورنگزیب کو مقابلہ مین لاکر ہندوؤن و مسلمانون مین اتحاد پر زور دیا گیا ہے ہمارا خیال تو ہمیشہ سے عالمگیر کے متعلق یہی رہا ہے کہ وہ ایک بڑے مدبر اور سیاسی پالیسیون کے پابند بادشاہ تھے۔ اونکی حیات کا ایک حصہ یہ تھا کہ وہ مذہبی پیشوا بنے ہوئے تھے تاکہ مسلمانون مین اونکی عقیدت ترقی کرتی رہے اور یہی مذہبی تعصب کا ذریعہ اونکی پولٹیکل کامیابی کا دکن اور دیگر مقامات مین رہا اور دوسرا ذریعہ غیر متعصب ہونے کا بھی اونکی ذات مین تھا اوسکی جلوہ نمائی کا منظر کب پیش ہوتا تھا جب اونکے پولٹیکل اغراض تکمیل پا جاتے تھے اگر یہ نہوتا تو نعمت خان عالی اور دیگر عہدہ داران شیعہ اور بعض ہندو کب اونکے دربار مین رسوخ پا سکتے تھے۔ وہ کبھی اپنے کو دشمن دوسرون کی نظر مین قرار دیتے تھے اور کبھی محبت و دوستی کا برتاؤ رکھتے تھے اونکا دوران حیات بس اسی سلسلہ سے مسلسل ہو کر رہ گیا تھا اور یہی اونکی حیات کا غیر متعصبانہ حصہ مسلمانون کے ایک طبقہ کے نقاد

قیام کا ذریعہ تھا اور یہی ذریعہ بعض ہندو عہدہ داران اور ہندوؤں کے بقیہ معابد کے محفوظ رہنے کا پایا
جاتا ہے پھر مرزا سمیع اللہ بیگ نے جب اس سے قطع نظر کرکے بالکل اس بادشاہ کو غیر متعصب قرار
دیا ہے اوسکی صحت اوسیوقت قابل تسلیم ہوسکتی ہے جب اونکے الزامی واقعات کی تاریخی واقعات
سے تردید فرماتے۔ کیونکہ باعتبار تاریخی اصول کے واقعہ سے واقعہ کی تردید ہونا چاہیے نہ کہ تاویلات
اور قیاسات سے جب یہ نہین کیا گیا بلکہ برعکس اسکے عمل ہوا جسکو یکطرفہ خیال کیا جاتا ہے
ہم یہ بیان کرچکے ہین کہ اس بادشاہ کی زندگی کا ایک حصہ پالیٹکس تھا جس سے نہ اونھون نے
اپنے باپ شاہجہان کا احترام مدنظر رکھا نہ اپنے بھائیون کا اور یہ اوس حصہ کا تائیدی نتیجہ تھا
جو اوس وقت ظاہر ہوا جبکہ اونھون نے علماء وقت سے فتوے حاصل کرنے کی کوشش
کی کہ تاتا دشاہ پر جہاد واجب ہے اور ایک بڑے مفتی یا مولوی نے اپنی راستبازی سے
صاف کہدیا کہ مین اہل قبلہ پر جہاد کو جائز نہین سمجھتا اور ملازمت چھوڑ کر مکہ معظمہ چلے گئے اب
اونکی زندگی کے دوسرے حصہ کی مثال ملاحظہ ہو۔ ایک مرتبہ اونکے ایک خاص مقرب نے
دو نوجوان ایرانیون کو پیش کیا بادشاہ نے دریافت کیا کہ ان دونون کے نام کیا ہین پیش کرنیوالے
نے اول و دوم خلیفہ کے نامون سے اون دونون کو منسوب کیا اس خیال سے کہ بادشاہ
حنفی مذہب رکھتے ہین وہ ان نامون کو سنکر قرار واقعی وظیفہ کردینگے مگر تھے وہ شیعہ اسکو عالمگیر
بھی سمجھ گئے تھے باوجود اسکے بھی اونھون نے ان دونون کا وظیفہ مقرر کردیا تھا اور یہی وہ
پولیٹکل اغراض کی نیرنگیان تھین جن پر عمل کرنے سے نہ کسی رشتہ کا پاس و لحاظ کیا گیا اور
نہ کسی دوسرے کے مذہب کا۔ اگرچہ شہنشاہ بابر نے اپنی تزک مین لکھا ہے کہ بادشاہی را
خویشی نمی زیبد مگر اوسمین اس درجہ رحمدلی تھی کہ اونکے بھائیون نے نافرمانی اور سرتابی
کی اور اون سے جنگ بھی کی تاہم وہ معاف کیا کرتے تھے عالمگیر بجاے معاف کرنے کے قید بھی
کیا کرتے تھے اور بازارمین تشہیر بھی اب مرزا صاحب کو جو لکھنا تھا وہ لکھ چکے لیکن اونکو
یہ خیال نہ رہا کہ اورنگزیب کے محاسن کے ساتھ ہندوؤن و مسلمانون کا اتحاد آیندہ جھگڑے کا
سبب نہو اونکو مناسب تھا کہ وہ اس بادشاہ کے حالات علیحدہ لکھتے اور اس اتحاد کی
تحریک علیحدہ کرتے تو اونکی کتاب کا اچھا اثر ہوتا اونکے ایسا نکرنے سے بس وہ اشتراک
بھی باعث ہوا ہے عدم اتحاد کا اور یہ کہ جب اورنگزیب کے کارنامون سے ایکزمانہ مین
درمیان اہل ہنود و اہل اسلام نفاق و اختلاف مذہبی و قومی پیدا ہوچکا تھا تو پھر اونکے

اوصاف ومحامد کے ساتھ کب اور کہان اتحاد ہوسکتا ہے مرزا صاحب کے نزدیک اونکے کارنامہ
تعصبات مذہبی سے پاک و مبرا ہون تو ہون دوسرے تو اونکو اچھا نہین جانتے جس سے اتحاد کی
امید کی جاتی ہے نواب یار جنگ اگر تشریح الزامات کے ساتھ اس طریق پر خامہ فرسائی کرتے
جس طریق پر ہم نے اوس مدبر اعظم کی رنگ برنگ پالسیون کا اظہار کیا ہے تو البتہ اون کی
کتاب ایک حد تک مقبول ہوسکتی تھی ہندو بھی واقف ہوجاتے کہ جب عالمگیر نے باغراض
پولیٹکل بجز اپنے ہم مذہب رعایا کے نہ باپ کا خیال کیا نہ اپنے بھائیون اور نہ دوسرے مسلمانون کا
تو ہم کس شمار وقطار مین تھے - اور یہ بھی تھا کہ اونھون نے اپنے مذاق کے مطابق جس درجہ
سخت برتاؤ ایک اسلامی طبقہ کی نسبت کیا ہے کہ دکن مین اوسکی حکومتون کو تہ و بالا کردیا
تھا وہ ہندو ریاستون کے ساتھ نہ تھا دیکھیے راجپوتانہ کی ہندو ریاستین عالمگیر کے عہد مین
بھی القایم اور باقی تھین اور دوسرے اسلامی فرقہ کی حکومت کہان باقی تھی - اول تو فاتحین
سے رعایا کا خوش رہنا دشوار ہے دوسرے جب خلاف مذہب اور قوم ہوکر مذہبی تعصب کا
رنگ چڑھا دیا جاتا ہے تو آخرکار اوس فاتح کی شخصیت معدوم وفنا ہوکر رہجاتی ہی یہی
حال عالمگیر کا ہوا تھا کہ اوھون نے اکبر کے اصول حکمرانی کے خلاف اپنے مذہبی جذبات پر
عمل کیا یہ گویا آغاز تھا مغلیہ حکومت کے زوال کا جسکے زوال پذیر انجام کو دنیا کی ہر حکومت
کی تاریخ آگاہ کرتی ہوئی چلی آتی ہے اور دنیا کی حکومتون مین ہمیشہ یہی ردوبدل ہوتا رہا ہے اور
ہمیشہ یہی رہیگا یہ ہندوستان کیا ہے مختلف مذاہب اور مختلف اقوام کا سرچشمہ ہے ابھی خود
اہل اسلام ہی مین باہمی اتحاد دیکھیے معدوم و مفقود ہے دوسرون کو دعوت دیکر شریک کرنا گویا
ایک قفس مین چند شکرون کو بند کرکے آپس مین لڑا کر ایک دوسرے کو مجروح کرنا ہے
خود بھی مسلمانون مین مختلف فرقون کی تولید کی ترقی ہوتی جاتی ہے جنکے نفوس پھر گرصاف نہین
ہین مسلمان اور ہندو اب وہ کہان رہے ہین جو صدیون تک شیر وشکر تھے اب وہی مسلمان
وہندو ہین جو اپنی جہالت ونافہمی سے باہمی کشت وخون مین مشغول ہین اور نہین سمجھتے کہ اس
سے فائدہ اورون کو پہونچ رہا ہے اور انکو قومی وملکی ضرر بھلا وہ کون ہندوستان کا
ہمدرد ہے جو آگاہ کرسکتا ہے کہ یہ خونریزی جو زمانہ حال مین ہوتی رہتی ہے کبھی مختلف
بلاد مین ہوتی ہے اسکی اصلاح فوری نہین ہوسکتی اسکے واسطے زمانہ درکار ہے - اول
تو خود ہم مین قابلیت اصلاح کی نہین ہے دوسرے جب اسیر زہر کا چھڑکا ؤ ہورہا ہے

تو کیونکر توقع ہوسکتی ہے کہ فوراً اتحاد ہوجائیگا - ہم ابھی مایوس نہین ہین کہ باہمی اتحاد نہوگا ہوگا
ضرور مگر ابھی اس شعر کو پڑھکر خاموش رہنا چاہیئے -

رات دن چکر مین ہین سات آسمان
ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائین کیا

ابھی تو مذہبی تعصب سے باہم سر پھٹول ہو رہی ہے کبھی نہ کبھی تو تھک کر خاموش ہونگے
اور یہ تاریخی صداقت ہے کہ قومی و مذہبی تعصب جب ایک جانب سے شروع ہوتا ہے تو دوسرا
بھی اوس سے متاثر ہوتا ہے - پس یہی وجہ ہے ہندوؤن و مسلمانون مین باہمی خونریزی کی اور ہر
فریق مین چند افراد ایسے ہوتے ہین جو اشتعال دیا کرتے ہین اور اونکا مذاق بھی یہ ہو گیا ہی
اور مثل اون پیشہ ورون کے پکارتے پھرتے ہین کہ وہ کون ہین جو ہم سے اپنے بنے بنائے کام
بگڑوالین اور اجرت بھی نذر دین - یہ آریہ سماجی ہین جنکا کام بس یہی رہگیا ہے -

اس کتاب مین لکھا گیا ہے کہ بادشاہون اور وزرا کے خطوط مین بکثرت ایسے واقعات
اور حالات تاریخی ہوتے ہین کہ مروجہ کتب تاریخ مین پائے نہین جاتے ہیں مثلاً ذیل کے خطوط
وہ ہین جو کسی اور تاریخ مین دیکھے نہین گئے البتہ ایک قلمی تاریخ رسول خانی مین محمد اکبر خلف
اورنگزیب کی عرضداشت بجواب فرمان اورنگزیب دیکھنے مین آئی ہے اور شاید یہی مراسلہ جادو
ناتھ صاحب نے اپنی انگریزی تاریخ مین درج کیا ہے مگر ظہیر الانشاء مطبوعہ نولکشور پریس مین ہر سہ
خطوط مندرج ہین اور اوس زمانہ مین جبکہ یہ انشاء لکھی گئی تھی مؤلف منشی خانہ اودھ مین ملازم
تھا اور اوسکے دیکھنے مین یہ اصلی خطوط مع دستخط و مہر و تحریر خاص عالمگیر و محمد اکبر موجود تھے جیسا کہ
وہ لکھتے ہین اور تاریخ کے یہ اصول کہ جیسی واقفیت گھر کے آدمیون کو ہوتی ہے وہ دوسرون
کو نہین ہوسکتی پس بربنا اس اصول کے شاہزادہ محمد اکبر نے اپنے باپ عالمگیر کے نظم و نسق اور
اونکے کردار و اعمال کے متعلق جو لکھا ہو وہ قابل اعتبار ہے اور اون تحریرون کا منشاء و مقصد
لائق تردید نہین ہوسکتا اگر مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب ان خطوط کو دیکھکر اپنی کتاب لکھتے
تو جس درجہ مدح سرائی اونھون نے عالمگیر کے نظم و نسق کی کی ہے ہرگز نکرتے اب ذیل مین دو
خط فارسی مین لکھے جاتے ہین اور ایک کا منشاء اردو مین تاکہ ناظرین سمجھ جائین کہ جو کچھ ہم نے
اور مرزا صاحب نے لکھا ہے وہ کس درجہ اور کہانتک صحیح اور لائق تسلیم ہے -
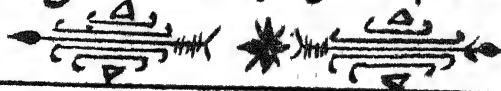
نقل تحریر بدستخط خاص عالمگیر که بشاهزاده محمد اکبر قلم آمد

فرزند دل پسند نور البصر لخت جگر بجان برابر بلکه از جان عزیزتر بتوجهات شاهی الخاص
مشتهر بوده بداند خدا گواه است که ما بدولت و اقبال آن فرزند را زیاده از همه فرزندان عزیزتر می داشتیم
و رفاهیت و آسودگی حال و مآل او همه وقت پیش نهاد خاطر فیض مآثر بود اما از لی سعادتی خود
بحیله بازی راجپوتان ابلیس کردار آدم صفت از بهشت آغوش و کنار مادر و پدر درکنار رو بدر شده
آواره کوه و دشت ادبار گردید تا چه تدبیر کنم و چه چاره سازم از استماع احوال تغیر الاختلال پریشانی
و سرگردانی و فلاکت و هلاکت او نهایت غم و غصه سراپای خاطر میگردد بلکه لذات جسمانی هم تلخ
شده و اسفاه قطع نظر از عزت و شان و شوکت سلطانی و شاهزادگی هزار افسوس که آن فرزند ساده
لوح را بر جوانی خود هم رحم نآمده بر اهل و اطفال خود مهر نکرده خود را به بدترین حالت در قید و حبس
راجپوتان بدنهاد و بهائم صورت سباع سیرت در انداخته همچو گولی بچگان اختیار گولان افغان
و خیزان و گریزان هر طرف چرخ میزند از آنجا که عاطفت پدری نسبت بحال فرزندان ازلی است
هر چند از آن فرزند تقصیرات عظیم سرزده نمیخواهم که در خود کردار بسزا رسد اگر چه پسر توده خاکستر
است سرمه چشم پدر و مادر است گذشت انچه گذشت الحال هم اگر به تیره بختی از کردار ناهموار
خود پشیمان گردیده بملازمت مشرف شود تا بر صفحه زلات و تقصیرات او قلم عفو کشیده
آید و عنایات و نوازشات که در خیال نگذرانیده باشد درباره او جلوه ظهور گیرد و هر چند ظهور
عنایات را شرط حضوری لازم نیست اما چون طشت رسوائی آن فرزند از بام افتاده و صدایش
بگوش خاص و عام رسیده انسب آنست که یکمرتبه خود را بحضور رسانیده ننگ این بدنامی
از سر خود ساقط سازد و جسونت که سرکرده آنجماعت بود برفاقت و همراهی که با دارا شکوه نموده
ز غایت اشتهار محتاج بیان نیست آن فرزند باعتقاد و گفتار آنها هر سودائی خام که بپخته باشد
جز پشیمانی نتیجه دیگر نخواهد دید یقین بداند زیاده توفیق رفیق و راه راست نصیب باد.

نقل عرضداشت که شهزاده محمد اکبر در جواب همین فرمان

بر بادشاه اورنگزیب عالمگیر نوشته

اصغر ترین فرزندان محمد اکبر لوازم عبودیت بتقدیم رسانیده بموقف عرض میرساند فرمان
والا شان که نامزد اصغر ترین فرزندان گردیده بود در خوش ترین فرمان و نیکوترین اوان پرتو
ورود فرموده آداب فرمان برداری بجا آورده سوادش را چون سرمه بصر بصیرت کشیده
و از مضمون عنایت مشحونش مطلع گردیده و دیده دل را نورانی ساخته آنچه تعلیم نصائح
رقم مرحمت شیم بندهٔ چند تراوش یافته بود در جواب هر باب شرح مختصر معروض میدارد چون
نفس الامر است اگر بانصاف نزدیک شود دور نخواهد بود. رقم شده بود که ما بدولت و اقبال
او را از همه فرزندان عزیز میداشتیم و او را از راه بی سعادتی خود ازین نعمت عظمی بی نصیب بوده
خود را در طوفان بی تمیزی انگنده خدیو صورت و معنوی سلامت چنانچه رضا جوئی و خدمت
خیر خواهی پدر بر ذمه پسر لازم ست پرورش و تربیت و خیر خواهی حال و مآل و حقوق چند بر ذمه
پدر هم از پسر است المنته لله که تا این زمان از لوازم و عبودیت و اطاعت مقصر نگشته و
عنایات حضرت را کجا شرح دهد از هزار یکی و از بسیار اندکی گذارش میدهد که رعایت
و حمایت فرزند کوچک پیش نهاد پدر بزرگوار همیشه و همه جا مقدم است و حضرت که بر خلاف
آن بجانب همه فرزندان بی التفاتی فرموده پسر کلان را بخطاب شاهی نامزد فرموده و بعهد
خود گردانیدند این معنی از کدام عدالت و انصاف توان شمرد در مال پدرش فرزندان
مساوی است یکی را انداختن و دیگری را نواختن از کدام شرط دین المبین است آن بادشاه
حقیقی و حکیم مطلق دیگر است که در کارخانه قدرتش و حکمتش چون و چرا راه نیست نواختن یا انداختن
والبته حکم اوست که لا یخلوا عن الحکمة لیکن سبحان الله شریعت متمتی و حقیقت گزینی حضرت
بین حضرت بر عالم و عالمیان ظاهر است مصرعه تا دوست کرا خواهد و میلش بکه باشد
در حقیقت مرشد و هادی این راه حضرت اند راهی که حضرت خود بدولت پیموده باشد
چگونه بی سعادتی توان گفت شعر

پدرم روضهٔ رضوان بدو گندم بفروخت　　ناخلف باشم اگر من بجوی نفروشم

فرزند۔ خلف آن است که قدم بقدم بر طریقه پدر باشد وانا علی آثارهم مهتدون مصرعه۔
میراث پدر خواهی علم پدر آموز۔ حضرت سلامت رنج و محنت بر خود پسندیده اند آن
بادشاهان پیشین مثل حضرت صاحبقران عرش آشیانی محنت ها انگیخته بمقاصد ماضی الضمیر
کامیاب گردیده اند مصرعه براحتے نرسد آنکه محنتی نکشد۔ از جمله ایدتواریخ معبر همین است که آنکه
رنج ظلمات نکشد لذت آبحیات نه چشد آن که محنت نبرد ثمره راحت نخورد که گل بے خار و گنج
بے مار نه باشد که عروس ملک کسے درکنار گیرد چست که بوسه بر لب شمشیر آبدار زند۔ از انجا که در پے هر رنج
و راحت و ست بعین عنایت کارساز بنده نواز امید واثق دارد که قریب الایام صورت مراد بوجه
احسن جلوه ظهور گردد پریشانی و سرگردانی به کامرانی و شادمانی مبدل گردد و رقم پذیر شده بود که
جسونت که سرگروه آن جماعت بود رفاقت و همراهی که با داراشکوه نمود بر عالم ظاهر است قول این
جماعت اعتبار نشاید حضرت سبحانی فرمایند اما بمغز سخن نمی رسند که خود مغز ندارند در اصل داراشکوه
باین جماعت عناد داشت از نتایج آن دید انچه دید اگر از اول باینها می ساخت هرگز کارش باین
عنایت نمی کشید حضرت عرش آشیانی باین جماعت رابطهٔ خویش موکد کرده به تقویت اینها ملک
هندوستان بضبط و ربط در آورده اند و این جماعت آن ست که مهابت خان باعانت اینها حضرت
جنت مکان را در حیطه اختیار خود در آورده و از شجاعت اینها ظاهر است که حضرت خود بدولت
در دار الخلافت زینت بخش تاج و تخت بودند و راجپوتان سه صد که کار رستانه و بهادرانه از دست
اینها بوقوع آمده بر همگنان ظاهر و هویدا است و همان جسونت بود که در عین معرکه نسبت بجناب
سلطنت مآب مصدر بے ادبیها شده و حضرت دیده و دانسته تاب مقاومت ندیده اغماض فرمودند
و همین جسونت بود حضرت بچندین فسون فسانه دلداری نموده از رفاقت داراشکوه باز داشتند
که فتح و نصرت نصیب دولت او بتاثیر رحمت بر نمک خوار اینها که از هوائے صاحبزاده خود سر خود را
فدا می کنند و در جانسپاری ها بجان دریغ نمی کنند بادشاه هندوستان و شهزاده هائے عالیقدر
و امرا و والا تبار مدت سه سال است که در تلاش سواے مقهور اند هنوز روز اول است و چرا چنین
نباشد که در عهد حضرت وزرا بے اختیار و امرا و والا تبار و سپاهی و نویسنده بیکار و سوداگران
بے مال و رعیت پائمال هم چون ملک دکن که ولائیتست بهشت آئین برروے زمین چون کوه
و بیابان خراب و ویران دار السرور برهانپور که خال رخساره عالم است تلف و تاراج و ادرنگ آباد
که بسبب عامل درغانه غریب بر سر رعیت جائیکه چنین ستم باشد در دعاگوئی و ثنا خوانی خلیفه خود

چگونه مقصر نخواهند بود مردم اصیل و نجیب از خاندان قدیم گمنام و سررشته کارخانهٔ سلطنت و مصلحت
آموز دولت درکف اختیار اراذل و اسافل انام جولاها و بافنده و صابون فروش و جاروب کش
خیره گیر و پیراهن فراخ و خرقه و غل در بغل و دام شیطان بنام تسبیح در دست گرفته مسائل چند
بر زبان می رانند و حضرت آنها که مصاحبان و مقربان و دمسازان و همرازان چون جبرئیل و
اسرافیل اعتبار نموده اختیار خود را باختیار آنها می گذرانند و آن گندم نمایان جو فروش باین وسیله
تا بو جسته کبوتر را برسر خاب و کاه را کوه می نمایند۔ **شعر** بدور شاه عالمگیر غازی + شده صابون فروشان
صدر و قاضی + بود جولاها هم بافنده را ناز + که در ارکان ملک هستند همراز + اراذل را شده آن دستگاهی +
که فاضل پرورش جوید بناهی + بدست جاهلان آن دست مایه + که هرگز عالمان را هست پایه
معاذ الله ازین دور پر آشوب که تازی از خران باشد لگد کوب حلم و لاپادر هوا انصاف و تمیز
خود عنقا متصدیان سرکار تجارت و سوداگری اختیار نموده خدمات بزر می خرند و بغرض فاحش
می فروشند و هر که نمک میخورد و نمکدان شکند نزدیک است که در بنیان سلطنت رخنه راه یابد چون
صورت حال برین منوال بنظر در آمد و اصلاح مزاج مقدس را علاج پذیر ندید لاجرم عزم سلطانی
برین آورد که ملک هندوستان را از خار و خس ارباب تمرد و فساد مصفا ساخته اهل علم و فضل پیشه
آورده بنیان ظلم را منهدم سازد و تا خلق الله آسوده حال و فارغ البال بوده به جمعیت خاطر و کسب
کار خود باشند و نیکنامی که عمر ثانی و حیات جاودانی عبارت ازان است بر صفحه روزگار ماند چه
چه خوش باشد که توفیق رفیق شود حضرت این کار بعهده اصغر ترین فرزندان گذاشته خود
بدولت متوجه طواف سعادت مآب حرمین شریفین معظم و مکرم شوند و خلق عالم را ثنا خوان
و دعاگو خود سازند این همه عمر را که حضرت در تحصیل دنیا که از خواب بے اعتبار تر و از سایه ناپیدار
تر است صرف نموده اند اکنون وقت آن است که توشه عاقبت بهم رسد تا کفاره کردار سابقه که
بطمع این دنیا ناپائیدار با پدر بزرگوار و برادران کامگار بعالم جوانی واقع شده واقع شود۔ **شعر**
اے که هشتاد رفت در خوابے + مگر این چند روز دریابے + وانچه از مواعظ و نصائح خامه مبارک را
تکلیف شده است نازم برین جرات ۔ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ ۔ **شعر**
تو بجائے پدر چه کردی خیر + تا همان چشم داری از پسر + اے که ذاتت بمردم آموزی + انچه گوئی
بخلق خود می گوش + خویشتن را علاج می نکنی + بارے از پند دیگران خاموش +
آنکه درباب آمدن مرقوم بود هر چند در آمدن سراسر سعادت خود است لیکن بمقتضائے

خوردسالی وتصور اوالعزمی ہاے حضرت کہ با پدر و برادر و برادران چہ معاملہ ہا بعمل آمدہ اند البتہ توہمات این معتوب بے سبب بجائے خود تواند بود اگر خود حضرت اقدس واعلیٰ مع الخیر قدم رنجہ فرمایند اینہمہ توہمات باطمینان بدل خواہد شد شعر تا بدان عتبہ عالی نتوانیم رسید ہان مگر لطف شہان پیش نہد گامی چند بعد تشریف آوری کہ اطمینان دلی حاصل خواہد شد با استقبال اوامر شاہنشاہی بجان منت خواہد بود تا دران حال سہ گرگستی در جرم بخشی روسرے برآستانم + بندہ را فرمان چہ باشد ہرچہ فرمائی برآنم + زیادہ حد ادب آفتاب سلطنت تابان باد فقط۔

جب یہ جواب عالمگیر کو پہونچا تو اونہون نے اسکا بھی جواب دیا مگر یہ جواب شہزادہ کے پاس تو ارسال نہ کیا بلکہ یہ کیا کہ خفیہ لکھکر ایک آدمی کو دیا کہ شہزادہ کے فوجی افسر کے پاس پہونچاوے اسمین محمد اکبر کے کل قصور معاف کئے گئے تھے جب افسرون نے اسکو دیکھا تو اونہون نے خیال کیا کہ پدر و پسر مین اتحاد ہے اور ہمکو یہ دھوکا دیا جاتا ہے اون سب نے اسیوجہ سے برہم و منحرف ہوکر شہزادہ کو چھوڑ دیا اور عالمگیر سے جاکر مل گئے اب شہزادہ صاحب بھاگ نکلے ہوے اور عالمگیر اس طرح فتحیاب ہو گئے۔

تقریظ

السید محمد غلام جبار فاضل (المخاطب بہ) نواب جبار یار جنگ بہادر (پنشن یاب) جسٹس ہائی کورٹ وحال معزز ممبر صدر کمیٹی انتظام پائیگاہ نواب سرو قارالامرا بہادر

بسمہ تعالیٰ اجل جلالہ ومصلیاً علیٰ رسولہ والہ - یہ کتاب بھی جناب مولوی سید محمد حسین صاحب اغلب موہانی کی مفید تصنیفات اور قابل قدر تالیفات سے ہے باوجود قلت فرصت مین نے اسکی بعض اجزا کو دوران طبع مین دیکھا - اور اس نظر سے مین کہہ سکتا ہون کہ اسکو جناب ممدوح نے فکر اور تلاش سے تالیف فرمایا ہے۔ اسمین اصول تاریخ نویسی سے بحث کی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ مورخ کی کیا شان ہوتی ہے اُسکی کیا کیا ذمہ داریان ہین - اور کن کن شرطا و قیود سے اوسکے فرائض مشروط و مقید ہین - متعدد کتب تاریخی کی جابجا تنقیح وتنقید بھی کی ہے - جس سے اس کتاب کو اگر تاریخ نویسی اور واقعہ نگاری کا ضابطہ کہا اور سمجھا جاے تو کچھ بیجا نہوگا

تاریخ مہتم بالشان فنون اور لوازم تہذیب انسانی سے ہے اوسکی ضرورت معاشرت
اور تہذیب کی نظر سے مسلم ہے۔ دنیا مین کیا کیا گذرا اور کیون کر قومین بنین اور بگڑین اور اونکو
عروج اور زوال ہوا۔ ملکون کی آبادی اور بربادی کے کیا اسباب نیک و بد نتائج پر منتج
ہوے۔ یہ سب تاریخ ہی بتلاتی ہے۔ اور حالات و واقعات سابقہ کن سفید و سفر نیک و بد
نتائج پر منتج ہوے وہ سب تاریخ ہی تعلیم دیتی ہے۔ سیاست مدن اور تدبیر منزل مین
اس سے بہترین سبق ملتا ہے مگر یہ جب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ جو کچھ لکھا جاے وہ سب ٹھیک
راست بلا کم و کاست ہو۔ اوسمین کچھ کسی کی خوشامد کا شایبہ نہو۔ اندیشہ سزا اور امید جزا کا
نام بھی نہو۔ حتی کہ مذہبی تعصب و جنبہ داری اور قومی طرفداری سے بھی کام نہ لیا جاے۔
مورخ کے لیے صداقت و دیانت اور احتیاط لابدیات سے ہین اون کے علاوہ یہ بھی ضرور ہے
کہ جو کچھ وہ کسی کتاب سے نقل کرے اوسکی امکان اور واقعیت کو بھی بخوبی جانچ سکے اور
جو کچھ بحکم عقل و تجربہ محقق اور منقح ہوا وسکو قبول اور نقل کرے اور اپنے زمانہ کے حالات
اگر اوسکے مشاہدات سے ہون تو جو کچھ اوسنے دیکھا ہے بلا کسی دخل و تصرف کے من و عن
لکھدے اور اگر وہ مبنی بر سماع و اطلاع ہون تو الخبر یحتمل الصدق والکذب
کو پیش نظر رکھکر خبر اور اوسکے رواۃ اور مخبرون کی بھی خوب تحقیقات اور اون کے جھوٹ
اور سچ کو دریافت کرے اور مورخ کے واسطے یہ بھی ضرور ہے کہ وہ وسیع النظر ہو اور جس
قوم اور ملک کی تاریخ لکھے اوس قوم اور ملک کے خصوصیات و عادات اور رسم و رواج
سے باخبر ہو۔ ورنہ غلطی راے کا امکان ہوگا۔ دیکھیے ابن خلدون کو چونکہ اس کی خبر نہ تھی
کہ ابر و بیلین لو رسب میرین کا بھی امکان ہے اسلیے اوسنے سکندر اعظم کے متعلق اس بیان کو
کہ اوسنے سمندر مین ایک صندوق بنایا تھا کہ اوسمین بیٹھکر کام کیا جا سکتا تھا قبول نہ کیا تھا
بہر حال ابن خلدون کا اجتہاد تاریخی اوس کے عہد کے حالات کے لحاظ سے تھا اور اس کتاب مین
یہ قابل قدر جدت ہے۔ زمانہ موجودہ کے نظر سے واقعات پر نظر اور بحث کی گئی ہے۔
تاریخ مین یہ فخر اور تقدم صرف مسلمانون ہی کو حاصل ہے اور اس حسن عمل مین وہ
اپنے آپ ہی نظیر ہین کہ اونہون نے اپنے ہر عہد اور عصر کی تاریخ لکھی ہے۔ اون کا
کوئی زمانہ ایسا نہین ہے کہ جسکی تاریخ نہو اور وہ بھی اور واقعی نہو۔ اسی غرض سے اونکے
یہان اصول و علم الرجال اور روایت کے ضوابط اور قواعد معین و مدون ہین ۔ وہ

اپنی مذہبی روایات کو بھی بلا باضابطہ تحقیق و تنقید کے نہین مانتے - بخلاف اون قومون اور
ملکون کے کہ تاریخ کی جگہ اونکے یہان صرف صفر ہے اور اسلیے محققین و مبصرین کا یہ فیصلہ ہے کہ
وہ تاریخ کے فائدے اور اوسکے ضرورت سے بالکل نابلد تھے - جبکہ اسلام اور مسلمانون نے اون پر
تسلط پایا تو جہان اور بہت کچھ اونہون نے سکھایا اور پڑھایا تاریخ کا بھی درس دیا - اوسوقت
سے اون مین بھی تاریخ کا ظہور ہوا - ورنہ وہ تاریخ کی کچھ کتابین ایسی پیش کرتے تھے کہ جنمین اون کی
معتقد علیہم کا ذکر تھا اور تمام دنیا کی فوق العادت کمالات خلاف عقل اون سے منسوب ہین جنکو
کوئی اہل عقل کبھی تاریخ اور سیرت نہین کہہ سکتا - یہی حال اون ملکون اور قومون کا بھی ہے
جنھون نے دو ایک صدیون سے ترقی کی ہے اور آج تہذیب مین کوس لمن الملک کے
مدعی ہین - اور حقیقت یہ ہے کہ وہ تاریخ کی ضرورت اور فائدے کو مانتے اور جانتے ہین - مگر
باین ہمہ جب تاریخ لکھنے بیٹھتے ہین تو اون کی قومی طرفداری اور ملکی جنبہ داری اسکی
اجازت نہین دیتی کہ سچے سچے واقعات لکھین بلکہ وہ اپنا ہی قومی راگ گاتے اور اپنی ہی قوم
اور ملک کو ہر طرح بڑھاتے اور چڑھاتے ہین اور دوسرون کو گھٹاتے ہین - جس سے اونکا
شمار بھی اونہین مین ہے کہ جنکے پاس تاریخ نہین اور جسکو وہ تاریخ کہتے ہین اوسکا سچی اور
واقعی تاریخ کی نظر سے عدم اور وجود یکسان ہے -

مسلمان اس صفت مین بھی متفرد ہین کہ اونہون نے اسی تاریخ کو معمولی قصون اور
کہانیون سے ہمیشہ الگ رکھا ہے اور ایک کو دوسرے سے مشتبہ اور ملتبس ہونے نہین دیا -
اور جہان کہین اونکو اس کا ذرا بھی اندیشہ ہوا ہے اونہون نے اوسکو ظاہر کر دیا ہے - فردوسی
جسکو دلدادگان فن شعر و ادب اور فریفتگان لطافت و نظافت زبان فارسی نے خدائے
سخن کہا اور مانا ہے اور اوس کا شاہنامہ واقعی ان اعتبارات سے حد معجزہ پر اور خوارق
عادات سے سمجھا گیا ہے مگر چونکہ اوسکے مضامین کے لحاظ سے اسکا بالکل امکان تھا کہ شاہنامہ
کو ایک تاریخی کتاب سمجھا جاتا تو یہ کہکر کہ منم کردہ ام رستم داستان + وگرنہ یلی بود در سیستان
اس کو رفع اور رستم کی رستمی وغیرہ کو ساقط الاعتبار کر دیا گیا - ان ہی امور کی طرف اس
کتاب مین اوسکے قابل مصنف نے ہدایت اور رہنمائی کی ہے - اور یہ حصہ یقیناً بہت بکار
آمد ہے - رہی راے اوس مین ہر مصنف آزاد ہے - اور اس کی تحقیق اور اوس کی استخراج
نتائج ممکن ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ بالکل جدا ہون جیسا کہ اس کتاب مین اوس کے

ادس قلم مولف نے اپنے بعض اہل قلم معاصرین سے اورنگزیب کی متعلق اختلاف اور
اعراض فرمایا ہے - مگر ہماری تحقیقات اور اوسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہمکو اون لوگون سے جو محض
اپنے پولیٹکل اغراض اور مصالح قومی کے نظر سے اس پیرا و ہار کھاے ہوے ہین اور کمر باندھ
بیٹھے ہین کہ اورنگزیب کو عناد مذہبی سے ہنود اور اونکے مذہب کا عدو اور بیخ کن و دشمن ثابت
کرین حالانکہ اورنگزیب کے عہد مین بھی بکثرت ہنود سول اور فوجی عہدون پر مستعد وظایف
اور سرفراز پاے جاتے ہین اور بہت سے ہندو راجہ و مہاراجہ اوس کے زمانہ مین بھی اپنی
مملوکات و مقبوضات ملک پر حکمران تھے - بے شبہ وہ اپنے پردادا اکبر اعظم کی طرح کوئی
صلح کل بادشاہ نہ تھا - مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی مفید ذاتی اغراض اور پالیسی کو ہر حال کامیاب
اور مقدم رکھنا چاہتا تھا اور اس کا باعث خواہ مخواہ اوسکا تعصب مذہب نہ تھا - گو اس رنگ
مین کبھی کبھی اوسکے افعال اور اعمال رنگے ہوے ظاہر ہوتے تھے - مذہبی کیفیت تو اوس کی
اس سے واضح ہے کہ باوجودیکہ وہ اپنے اس مذہبی حکم سے خوب واقف تھا کہ اگر والدین
اولاد کو مارین پیٹین بھی اور کیسا ہی زجر و توبیخ کرین تب بھی اولاد کو جائز نہین ہے کہ اون
سلوک برا اُف بھی کرین جیساکہ قران مجید مین حق تعالے کا یہ فرمان اور حکم ہے وقضیٰ ربک
الا تعبدوا الا ایاه وبالوالدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدهما او
کلاهما فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا کریما (جزو ۱۵) سورۂ اسرائیل
قران مجید مین اللہ تعالے نے اکثر جہان اپنی ربوبیت اور الوہیت کا ذکر فرمایا ہے وہان
والدین کے حق ادب و تعظیم و اطاعت کو بھی بتایا ہے - مگر سلطنت کی طمع اور اوسکی فکر
حصول مین وہ اپنے باپ کے ساتھ کیا کر گذرا - اوسکو قید کیا ہر طرح کی تکلیف اور
تعذیب کی - وہ صلہ رحم اور حق اخوت سے بھی نابلد اور ناواقف نہ تھا مگر سلطنت
کے لیے اوسنے اپنے بھائیون کے قتل و قمع کرنے مین کچھ دریغ نہ کیا - وہ بے شک ہمیشہ
اسکا کوشان رہا کہ اپنے تیئن پابند ہدایت ثابت کرے اور بے شبہ اپنے رسمی مذہبی امور
مین وہ ایک حد تک راسخ بھی تھا مگر اوس کی ایک مذہبی کیفیت اوس کے کیرکٹر کو اس
امر مین کہ دنیوی مفاد کے مقابلہ مین اوسکی مذہبی خوش اعتقادی اور پابندی کی کیا حالت
تھی صاف کر دیتی ہے کہ اوسنے اپنی وصیت نامہ مین جو رسالہ زمانہ وغیرہ مین بھی چھاپا
یہ لکھا ہے کہ تعداد حضرات چہاردہ معصومین علیہ السلام کے لحاظ سے اوسنے تیمنًا و تبرکًا

چودہ وصیتین کی تھین اور آخر وصیت یہ تھی کہ سادات کا ادب اور تعظیم ہمیشہ کیا جاے - کوئی امر منافی اون کی عظمت کا ہرگز نہ کیا جاے - کہ سادات اجزاے رسالت کے ہین مگر سیدون کو اتنا بڑھایا چڑھایا بھی نہ جاے کہ وہ آزاد ہو جایئن - یہ یاد رہے کہ وہ مدعیان خلافت سے ہین - مطلب یہ تھا کہ سلطنت کی اغراض کے مقابلہ مین فضل سیادت کی کچھ پرواہ نہ کیجاے -

اگر اورنگ زیب اپنے مذہبی رنگ مین غالی بھی فرض کیا جاے تو یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ وہ نعمت خان عالی کے اعلے علمی کمالات کا باوجود شدت مخالفت ایسا قدردان اور معترف تھا کہ نعمت خان عالی اورنگزیب کو وہ باتین اپنے کمال بلاغت کے پیرایہ اور فصاحت کے پردہ مین سنا جاتا تھا کہ جسکو اورنگزیب کا کوئی معمولی ہم مذہب بھی ٹھنڈے دل سے کبھی سُن نہ سکتا - مگر یہ بادشاہ باوجود قدرت و اختیار سب کچھ سنتا اور سمجھتا تھا - مگر محض اسلیے کہ نعمت خان عالی کا مثل و نظیر حکم عنقا رکھتا تھا سب گوارا کرتا تھا مگر اوسکو کچھ نقصان پہونچانا اسکو منظور نہ ہوا - الحاصل ہمارے ہندو دوستون کو جو کچھ اور جن امور کی اورنگزیب سے شکایت ہے ویسی بعض اسلامی فرق کو بھی تھی اور سرمد کے واقعہ نے تو اسکو بالکل کھول دیا ہے کہ اورنگزیب کو ہندوؤن سے عناد مذہبی نہ تھا بلکہ وہ سب اوس کے حب جاہ و سلطنت کی جلوہ نمائیان تھین - اسکے قطع نظر غور طلب یہ ہے کہ اب ان گڑے ہوے فتنون کو اوکھاڑنے سے بجز اسکے کیا حاصل ہے کہ ہندو مسلمانون کے مطلع صلح و آشتی کو تیرہ و رگرد آلود کر کے نزاع و عناد کی خلیج کو اور چوڑا کیا جاے - اور جس اتحاد و اتفاق پر ہندوستان اور اوسکے ہندو و مسلمان باشندونکا فائدہ منحصر ہے اوسکو نیست و نابود کیا جاے - ع آن قدح بشکست و آن ساقی نماند +

مضی ما مضی -

اس کتاب کے اول ایک مقدمہ بھی ہے اور کتاب مین اعلی حضرت بندگان عالی خسروے دکن صانہ اللہ عن الشرور والفتن - کے مطالبہ استرداد برار کی حقیقت اور واجبیت کو بھی معقولیت کے ساتھ باستدلال حالات و معاہدات دکھلایا ہے - یہ ایک ایسا مطالبہ ہے کہ جسکی ہر طرف سے تائید اور توثیق ہو رہی ہے اور صداے حق حق آتی ہے اور اوسکی سرسبزی گورنمنٹ برطانیہ کی انصاف پسندی اور حق رسانی سے یقینات سے ہے - جیسا کہ تمام خیرسگالان و بہی خواہان سلطنت و وابستگان دولت رفیعہ آصفیہ

کی دلی تمنا اور آرزو ہے۔ اور اس راقم نے بھی ایک نظم مین عرض کیا ہے۔

خدا وہ دن بھی دکھائے برار مین جاکر | کل انتظام کرین وان حضور کے عامل
وسیع ملک ترقی جاہ و حشمت ہو | عروج دیکھین وہ ہم جسکو چاہتا ہے دل
برار قبضہ و دخل حضور مین آئے | خدا کے آگے نہین کوئی شئے کچھ مشکل
مسیح و خضر کی عمرین ہون نکے عمر حضور | سرور و عیش مین ہو کوئی امر کبھی نہ مخل
یہ آفتاب درخشان سدا رہے تابان | یہ ظل حق رہے دایم ہمارے سر پہ ظلل
جو دوست ہین وہ رہین شاد اور عدو پامال | تمام آپ کے بدخواہ ہون سقر داخل

ہر اک طرف سے صدا آرہی ہے آمین کی
دعائین تیری ہین مقبول بالیقین فاضل

المختصر یہ کتاب اپنی متعدد خوبیون اور فواید کے لحاظ سے اسکی مستحق ہے کہ ملک اسکی قدر کرے اور اس سے مستفید و مستفیض ہو۔ اور جہان حضرت سلطان العلوم فرمان روائے حیدرآباد دکن خلد اللہ ملکہم و دام دولتہم کے اور ہزارون فیوض اور برکات کا ملک رہین منت ہے رفاہ ملک و فلاح رعایا کے لیے انتظام سلطنت کے ہر صیغہ مین ہر طرح کی اصلاح اور ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے خصوصًا صیغہ تعلیم مین کہ اردو یونیورسٹی اور نشر علوم و فنون کے لیے کتب قدیمہ کی حفاظت کا خاص اہتمام ہے اور جدیدہ کے ترجمے ہو رہے ہین اور نئی نئی کتابون اور رسالون کی تصنیف اور تالیف سے علمی خزاین مالا مال اور اونکی ترتیب و تزئین یومًا فیومًا ہوتی جاتی ہے کہ اوسکا شکریہ ادا نہین ہوسکتا اور اوسی کا نتیجہ اور ثمرہ یہ کتاب بھی ہے۔ جیسا کہ اس حقیر نے بھی عرض کیا ہے ؎

وظیفہ پاتے ہین اہل کمال بہتیرے
کہ نشر علم و کمالات مین رہین شاغل

حقیر جبار یار جنگ
۲۔ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۲۵ء
۱۶۔ بہمن ۱۳۳۵ ف یوم شنبہ

معیار التواریخ کی

تقریظ

از رشحات حکیم سید حید حسین صاحب ہالی

یہ کتاب جسکو مصنف نے ایک جدید اور نئے طرز سے تصنیف و تالیف کیا ہی درحقیقت اپنی آپ ہی نظیر ہی
ایسی کتاب اردو زبان مین ابھی تک کسی نے نہین لکھی اسمین تاریخ کے اصول بھی ہین جنکو لکھکر ثابت کیا ہی کہ
جدید اور قدیم تاریخونمین واقعات اور حالات کیونکر اور کس طرح بہم جمع کئے گئے ہین اور انکی نیرنگیان کیا
تھین، ور ہر زمانہ مین تاریخی تغیرات کیونکر اور کیا ہوا کئے ہین اور یہ بھی بیان کیا گیا ہی کہ فطرتی وقدرتی انسانی
تاریخ مین کوئی فرق نہین ہی جیسا کہ حضرت سید الشہدا فرما گئے ہین جبکہ عین معرکہ کربلا مین ایک شقی نے
آپ سے سوال کیا کہ پیدائش و رحالت مین آپ مین اور یزید مین کوئی فرق نظر نہین آتا بجواب اسکے آپنے
فرمایا کہ یہ درست ہے پھر آپ نے مثال بھی فرمائی کہ ایک پل ہی فرض کیا جائے اوسپر سے یزید بھی گذریگا
اور مین بھی مگر مجھمین اور اوسمین جو امور مایہ الامتیاز ہین اونکے تصفیہ کی تاریخ عالم آخرت مین ادا
ہوجائیگی پھر یہ بھی ہی کہ اگرچہ فطرتی تاریخ مین تبدل نہین ہوتا تاہم انسان کے ذاتی افعال سے
عوارض اوسکی تاریخی صداقتون پر پردہ ڈالے رکھتے ہین۔ اور ان عوارض مین برابر تبدل و تغیر ہوتا رہتا
ہی مثلاً طفلی و جوانی اور بڑھاپے کی تبدل شدہ تاریخی حالت کا ذکر اس کتاب مین کیا گیا ہی اسپر عجالتاً ایک
شعر اگرچہ پورا پورا صادق نہین آتا تب بھی اسمین شاعر نے جو حالت بڑھاپے کی بیان کی ہے اس سے پتہ
ضرور چلتا ہی کہ جب انسان بوڑھا ہوجاتا ہی تو اوسکی تاریخ کیا سے کیا ہوکر رہجاتی ہے۔ اُس شعر کا
ترجمہ یہ ہی بڑھاپا وہ بُری بلا ہی کہ بوڑھے سے نہ عورت دبتی ہی نہ دشمن دبتا ہی اور مالک بھی کچھ عزت
نہین کرتا۔

اس کتاب مین چند نکتے تاریخ کے متعلق ایسے بیان ہوے ہین جو شاید اور کسی کتاب مین
نہونگے اول یہ ہے کہ اخبار پر جب ایک مدت گذر جاتی ہی تو وہ تاریخ ہوجایا کرتے ہین اور دوسرا
یہ کہ تمام الہامی کتب وا حادیث اور اقوال ائمہ کے الفاظ کی پاکیزگی اور تقدس مین کسیکو کلام نہین ہوسکتے
مگر جب انسان اونپر عمل کرتا ہی تو وہی طرز عمل و رواج اوسکے افعال و اقوال اوسکی تاریخ بن جایا کرتے ہین
اگر ایسا نہوتا یا نہوا کرے تو کیونکر اس کل سرے انسان کی یہ حالت کہ وہ ظالم ہی یا مظلوم نیک ہی

یا بد کی معرفت ہو سکتی ہے یہی انسان کی عملی تاریخ ہمیشہ سے چلی آتی ہے اور ہمیشہ اسکی رفتار یہی رہیگی اور یہ بھی ہو کہ انسانون مین بہت سے ایسے ہین کہ اونکو اونکے مبالغہ آمیز بیان اور لسانی سے نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ اونکے عمل کو دیکھکر اوسپر اندازہ ہونا چاہیئے کہ وہ کیسے ہین اور انسان کی یہ بھی عجیب خاصیت ہی کہ جو کام آپ کرتا ہی اوسکو اچھا سمجھتا ہی گو وہ اچھا ہو اور وہی کام جب دوسرا کرتا ہے تو اوسکو اچھا نہین جانتا مگر دوسرون کے نزدیک ایسا بیان قابل اعتبار نہین ہے اوسکی عملی تاریخ بھی اوسکے کھوٹے اور کھرے ہونے کا پتہ دیا کرتی ہے۔

پھر مصنف نے یہ بھی بیان کیا ہے اور بیشک یہ اصول تاریخ مین داخل ہے کہ جو موت سے خوف نہین کرتا وہ بہادر اور دلیر بھی ہے اور اوسکی راست بیانی و راست گوئی مین ذرا بھی شبہ نہونا چاہیے اب پیشوایان مذہب اور قومی لیڈرون کا بمقابلہ مختلف حکومتون کے یہی شعار رہا ہے اوسوقت بھی ان جانبازون اور فدایان قوم و مذہب نے بڑی جوانمردی اور استقلال سے کام لیا ہے جبکہ سر قلم ہو کر بطور نذر پیش حکام وقت ہوا کرتے تھے اور اب کیا کہنا انگریزی حکومت کی بدولت تو قومیت کا سیلاب ہندوستان کے ہر گوشہ مین بڑھتا ہوا چلا جاتا ہی اس حکومت مین سرون کا نذرانہ موقوف کر دیا گیا ہے اور بجاے اوسکے جیلخانہ قائم ہین جنکے مصائب سرون کے نذرانہ کے مقابلہ مین خفیف ہین ہندوستان کے قومی اور مذہبی لیڈر بھی اس سے کچھ خوف نہین کرتے اور کیون خوف کرین وہ قدمے درمے سخنے قوم اور مذہب کی تائید مین کوشان رہا کرتے ہین بودے اور کم جرأت نہین جو مقدمات وغیرہ مین سچے روداد کو جھوٹے بیانات مین تبدیل کر دیا کرین یہ تبدیلی تو وہی کیا کرتے ہین جو موت سے یا جیل سے ڈرتے ہین اور دروغ بافی بھی اونہین کا شیوہ ہی پھر یہ مخرب اخلاق جرائم بھی نہین ہین بلکہ ملک اور قوم کی بہتری اور بہبود کے لیے اپنے ذاتی مصارف بھی برداشت کرتے ہین اور مصائب بھی اٹھا رہے ہین اب یہ حضرات تاریخ مین یاد رکھنے کے قابل ہین نہ کہ وہ حضرات جو اونکی مخالفت مین سرگرم رہتے ہین کیا اونکی بھی اونکے مقابلہ مین کچھ ہستی ہے جنکو مخرب اخلاق جرائم مین جیلخانہ نصیب ہوا کرتا ہے اس راست پسندی و حق پسندی کے نہونے سے فصل خصومات مین عدالتون کو بھی دقت رہتی ہے اور بخوف جیل روداد تبدیل کیجاتی ہے اور تبدیل کرائی جاتی ہے یہ روداد کے تغیرات اسی زمانہ کے نہین ہین اس سے پہلے بھی ایسا ہوتا رہتا ہے مثلاً تاریخ روضۃ الصفا مین لکھا ہوا ہی کہ تاتار مین ایک بادشاہ تھا جس نے فرمان جاری کیا تھا کہ چشمون اور دریاؤن مین کوئی نہایا نکرے اگر اس حکم کے خلاف کریگا تو وہ سزایاب ہوگا یہ ایکدن سیر کو نکلا اوسنے دیکھا کہ

ایک شخص نہا رہا ہے فوراً اوسکو اپنے روبرو طلب کیا اور کہا کہ تم نے میرے فرمان کے خلاف ایسا کیون
کیا اوسنے کہا مجکو اسکی اطلاع نہ تھی ورنہ مین خلاف نکرتا بادشاہ نے کہا کہ یہ عذر قابل سماعت نہین ہم
قانون جب مشتہر ہوجایا کرتا ہی تو سمجھا جاتا ہی کہ ہر شخص کو اطلاع ہے اب اوسنے خوشامد سے کام نکالنا
چاہا بادشاہ کو رحم آگیا حکم دیا کہ روداد بدلکر یہ شخص کہدے کہ اس پانی مین میرا دیہہ گر پڑا تھا اسلئے
غوطہ مارکر مین اوسکی جستجو کر رہا تھا اس کہنے سے اوسکو رہا کردیا گیا یہ حکم اوسنے دیا تھا جس نے فرمان نافذ
کیا تھا اور اب کیا پوچھنا سزاؤن قومی اور سیاسی لیڈرون کے اور لوگ روزانہ عدالتون مین بمشورہ وکلاء
روداد بدل بدلکر مقدمات مین پیروی کیا کرتے ہین یہ کیون ہوا کرتا ہے یہ فریقین کے ذاتی اغراض کی
تحریک کا نتیجہ ہے اور یہ بھی ہے کہ ہمارے زمانہ مین قوانین مروجہ کی تاریخ وہ نہین ہے جو قرون ماضیہ مین
تھی یعنے وہ قوانین مذہبی روحانی احکام کی تاریخ کے ہوتے تھے اوسپر عمل ہونے سے یہ نیرنگیان
پیلی ہوئی ہین منجملہ ان نیرنگیون کے یہ بھی ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک صاحب بہادر کسی مقدمہ
مین گواہ تھے اونکا ابتدائی اظہار عدالت نے قلمبند کرلیا جرح کے وقت عدالت کے کمرہ سے چل کھڑے
ہوے وکیلون نے کہا کہان جاتے ہو ابھی جرح باقی ہی اونہون نے جواب دیا کہ جو سچ تھا اور ہمکو معلوم
تھا اوسکو بیان کردیا اب جرح کے گول گھاؤ سے ہمکو جھوٹ بولنا پڑیگا جسکو ہم اچھا نہین سمجھتے۔

اسکے علاوہ انسان کے تاریخی تکرار کے اصول بھی نہایت عمدگی سے لکھے گئے ہین اور گذشتہ
صدیون کے واقعات کا تقابل موجودہ زمانہ کے واقعات سے کیا گیا ہے اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ جو پہلے
مذہبی ہادیون کے ساتھ ہوا کیا ہے وہی اب قومی اور سیاسی لیڈرون کے ساتھ ہو رہا ہے اور وہی تاریخی
تکرار جو ہمیشہ سے چلی آتی تھی اوسکی نیرنگیان دنیا کے ہر ملک مین اپنا اثر پیدا کئے ہوے ہین اور گذشتہ
زمانہ مین جب سخت برتاؤ مذہبی رہنماؤن کے ساتھ ہوتا تھا اب وہی لیڈران قوم کے ساتھ ہوتا ہے
اوسمصنف نے مورخ برنی اور سلطان محمد تغلق کی ملاقات کا ذکر کرکے ثابت کیا ہے کہ اوس
سلطان نے بجواب مورخ کے کہا کہ میرے ملک مین جب تک سیاسی مفسدین بلوہ اور غدر کرتے
رہینگے مین بھی اونکو سخت سزائین دیتا رہونگا ان سزاؤن کے مقابلہ مین اب قومی لیڈرون کیواسطے
نرم سزائین مقرر کیگئی ہین مگر ان سزاؤن کا نتیجہ بجز اسکے اور کچھ نہین ہے کہ محکوم کی ناراضی اور بڑھتی
ہوئی چلی جاتی ہے اور ہندوستانی قومی لیڈرون کو اب جیلخانون مین بھیجنا بھی بیجا ہے اسواسطے
ایک افسون ایسا کارگر ہوگیا ہے کہ مسلمانون مین خود مذہبی فرقون کے اختلافات ترقی پذیر ہین
اور ہندوؤن و مسلمانون کے قضیئے علحدہ ہین جب ہندوستان کے مختلف اقوام اور مذاہب کے [illegible]

نوو بھی باہم جنگ کرتے رہتے ہین تو اس سے حکومت کو فائدہ ہے اسکے بعد مصنف نے خلافت و امامت مین جو فرق ہے اُسکا تذکرہ کیا ہے اور نہایت شرح و بسط کے ساتھ یہ ثابت کر دکھلایا ہے کہ خلافت کا رنگ مختلف زمانون مین کیا ہوتا رہا ہے اور جس زمانہ سے خلافت بادشاہت پر منتقل ہو گئی وہ شرعی مفہوم خلافت کا باقی نہ رہا تھا اور مثل اور بادشاہتون کی رفتار کے اسکی بھی رفتار ہو گئی تھی یہ مباحثات ختم کر کے . ہندوستان کے موجودہ واقعات اور حالات اور حاکم و محکوم کی کشمکش کا تذکرہ کیا ہے کہ ہندوستان مین جو قومی خمیر اوٹھ رہا ہے وہ اب کسی طرح موقوف ہوتا معلوم نہین ہوتا تاہم غنیمت ہے کہ ہندوستان مین انگریز حکمران ہین وہی ہندوستانیون کو تعلیم دیکر اس قومی اتحاد کے چرچون کے باعث ہین اور یہی ترقی تعلیم نے اونکو اس درجہ پر پہونچا دیا ہے کہ وہ اپنے ملکی اور قومی حقوق کے مطالبہ مین جد و جہد کر رہے ہین اور بصورت ناکامی اونکے بحث و مباحثہ کا سلسلہ طولانی ہوتا جاتا ہے۔ ہندوستان کے متعلق ایک مسئلہ سیاسی برار کا تھا جسکو اس کتاب کے اخیر مین لکھا گیا ہے اور اسی سلسلہ مین ایک مراسلہ بھی درج کیا ہے جو لارڈ ریڈنگ والیسرائے کشور ہند کے نام ہے اس مراسلہ مین جملہ عہود و مواثیق کی تشریح کی گئی ہے مگر بائیس سال گذر چکے ہین جب مصنف کتاب ہذا نے اپنی کتاب نیرنگ افغان مین لکھا تھا کہ لارڈ کرزن والیسرائے ہند نے کیونکر اور کسطرح برار کا ٹھیکہ دوامی حاصل کیا تھا اوس شاہانہ مراسلہ مین بخوبی تمام اوسکی تصریح کر دی گئی ہے اور ایسی تصدیق و تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے کہ پالسیون کی رنگ برنگ اور عہد نامون کے تاریخی حالات کیونکر بدلتے رہتے ہین —

تقریظ

(از مولانا سید فخر الحسن متخلص بہ فطرت موہانی)

مین نے کتاب مُصنفہ برادر محترم جناب میر محمد حسین صاحب اغلب دیکھی بے اختیار جی چاہا کہ اس پر تقریظ لکھون مگر آجکل تقریظ اور تعریف غلط یہ دونون لفظین مترادف المعنی قرار پا گئی ہین۔ پھر اگر ایسی تقریظ ہوئی تو حقیقی شان کتاب کی وہ بھی غلط تعریف کے تحت میں آکر خوشامد کی مصداق ہوجائیگی حالانکہ اس کتاب کا مجموعی ہر پہلو ایسا صاف اور روشن اور مطلب ہے کہ وہ خوشامدانہ تعریف سے بالکل مستغنی ہے یعنی اس کتاب کی ہر انداز و حقیقت اگر بلا تصنع واقعی حالت دکھائی جاوے تو وہ خوامخواہی خوشامدانہ تعریف کے مد مین آجائیگی۔ گو مجھے اس سے کچھ باک نہین کیونکہ اس کتاب کے ہر شعبے کی بابت جو بات مصنوعی اور خوشامد کی صورت مین لکھی جاویگی۔ وہ حُسن اتفاق سے اس کتاب کی حقیقی اور واقعی حالت ہوگی بلکہ اس کتاب کی سچی حالت کتاب کے باکمال مصنف نے اپنی وسعت نظر اور علو فکر اور غیر محدود علم تاریخ جو ایک نہایت دقیق اور نازک خصوصاً نہایت امانداری اور راستبازی کا فن ہے وہ پورا حق مع شئی زائد اسکو ادا کیا ہے۔ مین نے اکثر تاریخین ایسے ارباب کمال کی دیکھی ہین جنکو اس فن شریف مین دعوی لمن الملک تھا۔ مگر حق یہ ہے کہ اس جامعیت کے ساتھ اور جو فرائض تاریخ نویسی اور ذمہ داریان مؤرخ کی ہوسکتی ہین وہ بکمالہا اسمین موجود ہین جسکی شان اظہار میرے مبلغ علم سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ لہذا بعد اعتراف عدم ادائگی حق تقریظ مین مختصر چند لفظین عرض کرتا ہون۔ جہان جہان جو شعر لکھدیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اسی کتاب کے لئے شاعر لکھ گیا ہے۔ یہی طرح ہر شے جس جس جگہ چسپان کی ہے گویا اسی کتاب کے لئے وضع ہوئی تھی۔

علیٰ ہذا ہر معاملہ ملکی مالی مذہبی رسمی رواجی عدالتی فقہی رزمی بزمی کامل ناقص معاشرت معاشرت شورش پولیٹکل دوستانہ معاندانہ وغیرہ وغیرہ۔ غرض ہر مضمون کو ایسے برجستہ الفاظ اور ایسے بیساختہ فقرون مین ادا کیا ہے گویا لفظون کے اعضا سے اُسکو متشکل کرکے تصویر اُس واقعہ کی سامنے لاکر کھڑی کردی ہے۔ ساتھ ہی بیباکی تحریر کے ساتھ ساتھ چاشنی مذاق اور پھر طرہ یہ کہ تفریح مہذب کا بھی چٹخارا بعض بعض جگہ ایسا پر لطف ہے کہ بیساختہ خراج تحسین کا طالب ہوجاتا ہے۔

پھر ہر مضمون کو براہین اور ادلہ سے ایسا جکڑ بند کیا ہے کہ محل اعتراض کی گنجائش ہی نہین رکھی گئی۔ کیونکہ ہر مثال پر دلیل اور دلیل پر نظیر اور ہر نظیر پر ایک نہایت زبردست ناقابل اعتراض رائے وہ بھی مستند

پھر یہ نہین کہ کسی مسئلہ کو غیر مختتم چھوڑا ہو نہیں یہ نہین بلکہ ہر مسئلہ مین وہ موشگافی وہ نکتہ سنجی وہ دقیقہ رسی فرمائی ہے کہ مافوق اُسکا متصور نہین ہی جو دعوی کیا ہے اُسکو ثابت ہی کر دکھایا ہے جو اعتراض کیا ہی وہ غیر قابل تاویل ۔ چنانچہ جہان عہدنامہ اور اُسکی پابندیون کی حالت دکھائی ہے پھر اُس کے عدم ایفا پر نظر ڈالی ہے اس مضمون کو نہایت بیباکانہ اور بلا دھڑک ادا کیا ہی گویا پورا ترجمہ اس آیت شریف لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ کا ہے یعنی کیون کہتے ہین جسکو کرتے نہین اسیطرح ایک موقع پر تحفظ اغراض کے لئے ہر شرط تسلیم ہر عہد منظور مگر حسب مدارج اغراض پر کامیابی ہوگئی وہ سب عہود پامال کر کے نسیًا منسیًا کر دیے گئے بقول شخصے ۔ ع

کَلَامُ اللَّیْلِ یَمْحُوْہُ النَّہَارُ

یعنی رات کی بات دن بھلا دیتا ہی بعینہٖ ایسے ہی موقع کے لئے انھین بندگان غرض کی شان مین ایک جگہ اپنے کلام پاک مین ایزد سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہی کہ جب لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہین اور وہ روان ہوتی ہی تو ہم سے ایسی غرض کے وقت تا ساحل بخیریت پہونچنے کے لئے شکر و سپاس کے عہود کرتے ہین اور جب ہم اُن کو صحیح وسالم کنارے پر پہونچا دیتے ہین تو وہ اپنے سب عہود بھول جاتے ہین بعینہٖ یہی حالت معزز مصنف نے آجکل کے باہمی عہد و پیمان اور کانفرنسون کا جو نتیجہ ہوتا ہے اُسے ظاہر کیا ہے ۔ غرضکہ جو کچھ لکھا ہی بہت خوب لکھا ہے اور ہر پہلو کیا از روے فقرات عربی کیا از روے بلاغت کیا از روے نزاکت تراکیب فارسی کیا ۔ عبارت از روی سہل ممتنع اسی مصرعہ کا خواستگار ہے ۔ ع

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تو

اس تاریخ کی تقریظ بھی مورخانہ مذہب پر ہونا چاہیئے یعنی مورخ کا مذہب صداقت ہی گو حقیقی مذہب اُسکا کوئی ہو ۔ جب تاریخ نویسی پر مورخ کو اظہار رائے کا بھی حق دیا گیا ہے تو اس واجبی حق سے مین اس تقریظ کو کیون محروم رکھون ۔

فاضل مورخ کا قلم بعض جگہ اپنے دِل کے دبی زبان سے سچی ایمان کو بطرز تمثیل و تعلیم ادا کر گیا ہی جسکو اس حد تک ارادتمندی جائز سمجھتی ہے یعنی محبت اہلبیت علیہم السلام جو ہر مومن کا جوہر ایمان اور حسن خاتمت کا اعلان ہی باایںہمہ اگر روایات مسلمہ فریقین بابت واقعہ کربلا درج تاریخ ہوتے تو عبارت اظہار مذہب مورخ سے ساکت رہتی مگر یہ امر قریب قریب ناممکن ہی کہ جسکو خود فاضل مورخ نے تسلیم فرمایا ہی یعنی مورخ ہزار کوشش کرے اور لاکھ چھپائے اور جوش مذہب کو دبائے مگر وہ ایک ایسی سرکش قوت ہی کہ کوئی چیز اُسے دبا نہین سکتی یہ تحریر گویا دفع دخل اس روایت کا ہی کہ جب کربلا مین حضور سید الشہدا علیہ السلام کے کوئی

نرہا تو امام عالی مقام علیہ السلام نے بفحوائے امّا من مغیث - کے اپنے انصار شہدا جان نثار کو مخاطب
فرمایا تو سب حضرات شہدا کی لاشیں یہ نعرہ زبان مبارک سے سنکر بشوق حاضری و اعانت پھڑکنے لگیں
یہ روایت ارباب احناف کے کتب میں شاید نہیں ہی خیر یہ تو مسلّمہ ہے کہ کل شہید بفحوائے نصّ
بل احیاءٌ زندہ ہیں تو جب عام شہید زندہ ہیں تو چہ جائے شہیدان رفقائے حضور عالیمقام علیہ السلام
اگر وہ بے سر شہیدوں کے جسم کھڑے ہو کر لڑنے لگتے تو عجب نہ تھا کیونکہ حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں
جب شہید کئے گئے تو اپنا سر ہاتھوں میں لیکر آثار شریف جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور
میں بغرض دادخواہی چلے مسجد جامع کے قریب جب اس ہیئت سے پہونچے ایک بزرگ اور وہاں کھڑے
تھے انھوں نے پوچھا سرمدؔ این چہ حالت داری حضرت سرمدؔ نے جواب دیا - ع

سر جدا کرد از تنم شوخے کہ با ما یار بود

بزرگ سوال کنندہ نے فرمایا ع

قصّہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

حضرت سرمدؔ نے وہیں سر چھوڑ دیا - چنانچہ وہیں قبر بھی بنائی گئی تو جب غلامان غلام سرور کونین سیدنا
امام حسین علیہ السلام کا یہ مرتبہ ہی تو حضور کے رفقاء اور انصار کا مرتبہ کیا وہم و گمان میں آسکتا ہی خیر یہ تو ایک
بحث ضمنی تھی بات یہ ہی کہ اس کتاب کی بابت یہ فقرہ پورا صادق آتا ہی کہ تا ختم کتاب ہاتھ سے جدا کرنے کو
دل نہیں گوارا کرتا اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل مقبولیت ہوگی ؎

ز فرق تا قدمش ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

آخر میں یہ لکھنا بھی مناسب ہی کہ مصنف نے اورنگ زیب و محمد اکبر کی خط و کتابت کی نسبت جو لکھا ہی وہ درست ہی
مگر محمد اکبر اپنے فرزند کو جنگ کے جواب میں عالمگیر نے جو آخری خط تجویز فرمایا ہی اسکی نسبت اسقدر لکھ کر چھوڑ دیا ہی کہ اسکا
اثر محمد اکبر کی ناکامی ہوا - یہ بھی اضافہ کرتا ہوں کہ عالمگیر نے اپنے عہد کی تاریخ کے لکھنے کی ممانعت کر دی تھی اس سے
خافی خان نے محمد شاہ کے زمانہ میں اپنی تاریخ کو مکمل کر لیا تھا اور عہد اورنگ زیب میں مخفی طور پر لکھتا رہا یہی وجہ ہے
اسکی تاریخ کا نام خافی خان ہوا ہی - اس مورخ نے بھی اس مراسلت کو فرضی قرار دیا ہی کہ افواہ -
اسکے سوا حقیقت میں اسکی اصلیت یہی ہی اور جادو ناتھ نے بھی محمد اکبر کے خط کا خلاصہ چھاپا ہی - مگر
اس کتاب کے مصنف نے یہ قابل تعریف کام کیا ہی کہ انھوں نے بہترین تلاش سے ان مراسلات کو حاصل کیا -

اور خاص و عام کو آگاہ کر دیا ہے کہ یہ مراسلات جو عالمگیر اور محمد اکبر کے قلم خاص سے لکھی ہوئی ہے کہ جو توشخانہ
اودھے پور میں موجود تھی اس سے وہ تمام شبہات رفع ہو گئے۔

نقل مراسلہ

اورنگ زیب بنام محمد اکبر

فرزند دلبند لخت جگر بجان برابر با یقاے مواعید مخفیہ متنظر بودہ اند۔

انچہ عذرات معروضات جلی در عریضہ سپردہ بودند تاچون مصلحت و اجازت ما بود معاف و برائے
آیندہ اجازت الامر فوق الادب افعل ما تومر۔

وانچہ ترغیب من ہم بود بحکم مصلحت بود در آنہم معذور داشتیم کہ براے غافل کردن آن وحوش
سیرتان عین مناسب و مصلحت بود بارے الحمد للہ کہ آن مضمون تفہیم سینہ بسینہ کہ در تسبیح خانہ مبارک
سپردہ بودم بخوبی ادا کردند۔ انچہ در باب وفا بعہد بجلاے آن وعدہ بود انشاء اللہ تعالیٰ بعد رسیدن کار بہ عا
بوفا خواہد رسید مگر از کم عمری و ناتجربہ کاری آن لخت جگر ہر دم در خوف و رجا دست بدعا ہستم نشود کہ صید بدام
افتادہ رم خورد تا رسیدن افواج اطراف و دیگر برادران خود در ہمین مغلطہ غافل باید داشت تا وحشیان
صحرائی رم نخورند کہ اینجا ہم عزیمت خود مع برادران و والدہ شما و اہل و عیال شما بتمناے دیدار آن لخت جگر
مشہور کردہ شد و معناً رسیدن آنجا با تمام فوج ہمراہی برادران شما ہمان مصلحت ست کہ آن نور چشم
نوشتہ بودند۔ و انچہ دیگر افسران معہود ذہنی را کہ شریک این مشورہ بودہ اند بوعدہ ہاے ما یشار
مشتہر نمودہ اند آنہمہ وعدہ ہاے آن نور چشم عین از زبان ماست استعفای سو را دبی قلمی و زبانی
و استجارت آیندہ کہ نمودہ اند چون محض بمصلحت است بخوبی اجازت و معاف است و عذرے کہ در باب
وصلت ناجنس نوشتہ اند اگرچہ نادرست ست الا بشرط رضای والدہ و جلیلہ منکوحہ شما ابتلائی این امر

ہرگز پذیرا نخواہد شد۔

مگر این نص قطعی ہم پیش نظر باشد و ان لا تقتلوا احد تلا و اینہم در خاطر باشد کہ شعر

آب چون در روغن افتد نالہ خیزد از چراغ ۔۔۔ صحبت ناجنس دارد ثمرہ آزارہا

مگر اینکہ بالفعل اگر بہ غفلت دہی روزمرہ قدر و نمایش بہ مصلحت کار افزودہ اند روا داشتہ شد بوقت فہمیدہ
خواہد شد۔ عالمگیر۔ بدست خاص خاص لکھا تھا۔

دستور العمل آگہی بحکم راجہ بابل مرتب ہوا اسمیں عالمگیر کی رقم کردہ عبارت درج ہے۔ اور وہ فرمان
بھی ہے جسکو بادشاہ نے محمد اکبر کو لکھا تھا۔

غلط نامہ کتاب معیار التاریخ

صفحہ	سطر	صحیح	غلط	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
		دیباچہ		۶	۲۴	تنہا	نہتے
۲	۱۸	نہ	مثلاً	۷	۱	ننہا	نہتا
۳	۲	کیا ہے	کرتا ہون	″	۳	سلمان	مسلمان
″	۳	تاریخی	تاریخ	۸	۱۹	مروج	معراج
″	۳	آپ	اب	۱۰	۲۵	کل	گگل
″	۱۸	نہ کہ	تا کہ	۱۱	۶	لیا	کیا
″	۲۱	مفاخر ومحامد	مفاخر ومجامد	۱۵	۳	مین	ھقین
″	۲۴	صحیح نہین ہی بلکہ	کہ	″	۷	محض	بعض
		مقدمہ		″	۱۳	بنی اسرائیل	اسرائیل
				″	۱۷	آپ	اب
۲	۱	کون	گون	۱۷	۲۰	نو	بھی
″	۵	اعظم	عظیم	۱۸	۹	حالت مین	حالت
″	۲۰	عربون کی جانب	کو	″	۱۸	اسی	ایسی
″	۲۴	صرف	صاف	۱۹	۱۰	کے	کا
۳	۱۳	مسرت	عبرت	″	۱۴	ترانہ	زنانہ
″	۱۹	اونمین	اوبھین	″	۱۷	باز	بار
۴	۱	تو	کیا	″	۱۸	جاتا تھا	کہا جائیگا
۵	۱۵	ذکر	کہ ذکر	″	۲۳	ثرایت	سرایت
″	۲۲	اجازت دیتے	نہ دیتے کرینگی	۲۳	۳	اسکو	اسکے

صفحه	سطر	صحیح	غلط
۲۳	۱۳	وہ بھی ثرایت	بہی سرایت
〃	۱۴	ذہق	زہق
۲۴	۳	بھی	ہے
〃	۲۵	بے ایمان	ایمان
۲۶	۳	سرون کی	سرون
〃	۲۳	راستی	روشنی
۲۹	۱	اصحاب	اصحاب کہان
〃	۲	اسی	ایسی
۳۰	۲۵	ساتھ	ہاتھ
۳۲	۲	کہان	کیۂ
〃	۱۸	صادق الفعل	صادق العقل
۳۵	۱۰	غور	نظر
۳۷	۲۵	گوڑ	گرد

اصل کتاب معیار التاریخ

صفحه	سطر	صحیح	غلط
۲	۱	اطراف	انحراف
۴	۹	یہی	بہی
۵	۷	دینوری	دمیوری
〃	۱۴	کی	کو
〃	۲۰	پُرانی	کہ پرانی
۸	۷	اور	ہے
۱۰	۸	ادیان وملل	ادیان وملر
〃	۱۳	موجودہ	مودہ

صفحه	سطر	صحیح	نحلط
۱۴	۲۵	کیا ہو	کردیا ہے
۱۵	۳۲	اور لارڈ	لارڈ
۱۱	۱۶	التمغہ	استعفا
۱۶	۱۱	تکلیف ومصیبت	تکلیف مصیبت
〃	۲۳	منصف	منصب
۲۰	۱۸	معلوم	مفید
۲۹	۱۳	نکالنا	نہ نکالنا
〃	۵	فاس	فارس
۳۲	۴	نسب	نصب
〃	۵	پوتے	صاحبزادہ
۳۳	۹	گئوسالہ	گئوشالہ
۳۵	۴	اولادرسول	اودرسول
۳۸	۸	ایک ہندوستان	کہ ایک ایک
۳۹	۱۶	ثرایت	سرایت
۵۴	۵	جنگ	چشمک
۵۵	۱۳	انھون نے	اُنھون
۵۸	۸	اندکے	اندک
〃	۲۴	کذاب سچ	اپ
〃	۲۵	کیا تھا رے حکم سے	علم نے جب
۶۳	۳	ایران	ایوان
〃	۱۵	ثرایت	سرایت
〃	۱۷	کرنے کی	کرنے کا
۸۸	۲	خلافت میں	خلافت

صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۸۹	۱۴	تقرش	بقرش
〃	۲۴	تھا	ستور تھے
〃	۲۵	کاہنون	کاہون
۹۰	۱	خاندان مین	خاندان
〃	۱۶	مسئلہ	کہ مسئلہ
۹۸	۱۴	کمائے	کمال
〃	۲۳	ہوا کیا ہے	ہوا کرتی ہی
۱۰۰	۲۵	برائے نام	برائے
۱۰۲	۲۰	تھے جنکے	جنکے تھے
۱۰۳	۶	ذریعہ	کوئی ذریعہ
۱۰۵	۲۴	بھٹا چور	لیتا چور
〃	۲۳	دور	وہ
۱۰۶	۹	ملکی معاملات	مقامات
〃	۱۰	مین	ہیں کہ
〃	۱۲	مماثل تھی	مقابل نہتھی
۱۰۸	۲۴	شکست یاب	مالک یاب
۱۰۹	۴	پرستا	پرستی
〃	۱۴	سخت کاروائیون	کاروائیون
۱۱۰	۱۳	ماتحتی	ماتحت
۱۱۱	۱۵	اثر	اخر
〃	۲۵	مجموعہ ہی	مجموعہ
۱۱۲	۱	سابق	چیز
〃	۲۰	یورپین	افسرنہ
۱۱۴	۱۳	شامل نہوکر	شامل
۱۲۱	۱۶	یزید کے زمانہ مین کربلائے	برکے ماتہ بنی امیہ کربلائے
۱۲۶	۹	بادشاہتون	بوشاہتون
۱۳۰	۷	اور اُسکی فوجی حالت	+
۱۳۳	۱۴	شیطان	سلطان
۱۳۵	۱۶	غنیمت	عظمت
۱۳۶	۳	کتاب	منقولہ
〃	۲۳	آصفجاہ	اصفی
۱۳۷	۹	صیفہ	صفہ
〃	۱۲	صیغہ	صفہ
〃	۱۴	عاشقانہ	عاملانہ
۱۳۹	۲	زبردست	زبردسط
۱۴۰	۵	مباحث	مساحت
〃	۱۸	سرنہبدی	سربندی
۱۴۴	۱	اسپرٹ	سیرت
۱۴۵	۷	زیر	دیر
〃	۱۰	مباحث	مساحت
〃	۱۹	طفلی	نقلی
۱۴۷	۳	بار	مار
〃	۲۰	جبریہ	جبر
۱۵۵	۲۴	نواب مرزا	یا جنگ مرزا
۱۵۶	۲	متعصب	تعصب
〃	۳	تبصریہ	تبصرہ
۱۵۷	۳	اخلاف	اختلاف
〃	۶	متعصبانہ	منقصانہ

صفحہ	سطر	صحیح	غلط	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۱۵۸	۹	تانا	تاناو	۱۶۳	۱۲	غایت	عتاب
〃	۲۴	ہی	یہہی	〃	۱۶	بر	ہر
۱۵۹	۲۳	مورخ	موتّی	۱۶۴	۳	بغل	لقل
۱۶۲	۲	ہے	بر	〃	۶	پر	بر
〃	۵	زبان	فرمان	〃	۸	برورش	پرورش
〃	۸	تعلم	تعلیم	〃	〃	نیست	ہستا
〃	۱۱	سیرت	سلامت	〃	۱۴	نیسان	پنہان
〃	۱۲	مبین	متمنی	〃	۱۵	ماند	مانند
۱۶۳	۷	است	دست	۱۶۸	۵	مقرر	مستعد
〃	〃	بعون	بعین	۱۷۱	۳	قلم	حکیم
〃	۱۰	ظل سبحانی	سبحانی				